کتابتِ وحی اور کاتبین رضی اللہ عنہم

جس میں وحی کی حقیقت، وحی کی مختلف کیفیات، وحی کے عقلی امکان، حفاظتِ قرآن کے غیبی نظام، عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کتابتِ وحی کا نظام اور مختلف ادوار میں جمعِ قرآن کے علاوہ ممتاز کاتبینِ وحی رضی اللہ عنہم کے حالات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے نیز ہر بات مستند مراجع کے حوالہ سے عام فہم اور سلیس زبان میں کہی گئی ہے

مصنف
مولانا محمد نافع عارفی
متخصص فی الفقہ الاسلامی

MAKTABA-E-REHMANIA

کتابتِ وحی اور کاتبین رضی اللہ عنہم

جس میں وحی کی حقیقت، وحی کی مختلف کیفیات، وحی کے عقلی امکان، حفاظتِ قرآن کے غیبی نظام، عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کتابتِ وحی کا نظام اور مختلف ادوار میں جمع قرآن کے علاوہ ممتاز کاتبینِ وحی رضی اللہ عنہم کے حالات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے نیز ہر بات مستند مراجع کے حوالہ سے عام فہم اور سلیس زبان میں کہی گئی ہے

مصنف

مولانا محمد نافع عارفی

متخصص فی الفقہ الاسلامی

MAKTABA-E-REHMANIA

مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

اقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

فون: 042-37224228-37355743

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

نام کتاب ÷ کتابت وحی اور کاتبین رضی اللہ عنہم

مصنف ÷ مولانا محمد نافع عارفی

ناشر ÷ مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

مطبع ÷ خضر جاوید پرنٹرز لاہور

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

تنبیہ

ہمارے ادارے کا نام بغیر ہماری تحریری اجازت بطور ملنے کا پتہ، ڈسٹری بیوٹر، ناشر یا تقسیم کنندگان وغیرہ میں نہ لکھا جائے۔ بصورت دیگر اس کی تمام تر ذمہ داری کتاب طبع کروانے والے پر ہوگی۔ ادارہ ہذا اس کا جواب دہ نہ ہوگا اور ایسا کرنے والے کے خلاف ادارہ قانونی کارروائی کا حق رکھتا ہے۔

اقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور
فون: 042-37224228-37355743

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
انتساب	۱۲
پیش لفظ (فقیہ العصر حضرت الاستاذ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی)	۱۳
مُقَدّمہ (از مصنف)	۱۶
کتابتِ وحی	۲۱
وحی کی تعریف	۲۳
غارِ حرا کی جغرافیائی حیثیت	۲۴
نزول وحی کے مختلف طریقے	۲۵
رویاء صالحہ	۲۵
نفث فی الروع	۲۶
تمثل ملک (فرشتے کی صورت میں)	۲۷
صلصلۃ الجرس	۲۸
خدا سے ہم کلامی	۲۹
خواب میں نزول وحی	۲۹
وحی کی قسمیں زمان ومکان کے اعتبار سے	۳۰
مکی ومدنی	۳۰
حضری	۳۲

سفری ۳۲
نہاری ۳۲
صیفی ۳۳
شتائی ۳۳
فراشی ۳۴
نومی ۳۴
سماوی ۳۵
فضائی ۳۵
وحی متلو اور غیر متلو ۳۵
اثبات وحی ورسالت ۳۶
سب سے پہلی وحی ۴۱
سورہ اقراء کے نزول کی حکمت اور اسلام کا پیغام ۴۳
قرآن کریم اور اس کے حفظ کی فضیلت ۴۴
قرآن کریم کے سات حروف ۴۶
حروف سبعہ کا مفہوم ۴۸
سبعۃ احرف کی صحیح ترین تشریح ۵۶
اس قول کے راجح ہونے کے دلائل ۶۰
اس قول پر وارد ہونے والے اعتراضات ۶۲
ایک تحقیقی جائزہ ۶۲
سات قرأتوں کی آسانیاں ۶۳
کیا حروف سبعہ اب بھی محفوظ ہیں؟ ۶۵
سب سے بہتر قول ۶۷
اس قول کے قائلین ۶۸

خلاصہ بحث ۷۵
قرآن کریم کی کتابت اور تدوین اوّل ۷۷
کتابتِ وحی ۷۷
عہدِ نبوی میں کتابت قرآن ۸۰
اشیاء کتابت ۸۳
تدوین قرآن عہد صدیقی میں ۸۴
واقعہ یمامہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فکر ۸۴
تدوین قرآن اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا کارنامہ ۸۶
جمع قرآن کا طریقہ ۸۷
تدوین صدیقی کی خصوصیات ۸۹
جمع قرآن کا تیسرا مرحلہ اور تدوین عثمانی کے محرکات ۹۱
مصحف عثانی کی خصوصیات وامتیازات ۹۴
مصحف عثانی کی تعداد ۹۶
مصاحف کو جلانا ۹۷
آیاتِ قرآنی کی ترتیب ۹۸
سورتوں کی ترتیب ۱۰۰
قرآن کریم کی تلاوت میں تسہیل کے اقدامات ۱۰۵
نقطے ۱۰۶
حرکات ۱۰۸
اخماس اور اعشار ۱۰۹
اخماس، اعشار، نقطے اور حرکات اور متقدمین علماء ۱۱۰
احزاب یا منزلیں ۱۱۰
اجزاء یا پارے ۱۱۱

رکوع ۱۱۱
سورتوں کی تعداد ۱۱۲
آیات، کلمات اور حروف کی تعداد ۱۱۳
قرآن کریم کے اسماء ۱۱۳
جامع قرآن کون؟ ۱۱۶

کاتبینِ وحی ۱۱۹

کاتبینِ وحی ۱۲۰
❀ —— سیدنا زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ ۱۲۱
نام ونسب ۱۲۱
حضرت زید بن ثابت کا قبیلہ ہجرت سے پہلے ۱۲۲
یتیمی ۱۲۳
اوس وخزرج کی جنگی قوت ۱۲۴
اوس وخزرج کی اقتصادی حالت ۱۲۴
حضرت زید رضی اللہ عنہ کا قبیلہ ہجرت کے بعد ۱۲۵
دربارِ رسالت میں شرفیابی ۱۲۸
مختلف زبانوں پر آپ کی مہارت ۱۲۹
سکریٹری کے فرائض ۱۳۱
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کھانا ۱۳۲
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کو کپڑا پہنانا ۱۳۲
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ سے بے تکلفی کا ایک واقعہ ۱۳۳
آپ کا علمی مرتبہ اور مقام ۱۳۳
علم فرائض کے امام ۱۳۴
عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حفاظ ۱۳۵

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں آپ کا علمی مقام ۱۳۶
حضرت زید رضی اللہ عنہ کے اساتذہ ۱۳۸
آپ رضی اللہ عنہ کے تلامذہ ۱۳۹
منصب افتاء کی ذمہ داری ۱۳۹
منصبِ قضاء ۱۴۰
استفتاء کے جواب میں آپ کا طریقہ کار ۱۴۱
سرمایہ افتخار ۱۴۲
گھریلو زندگی ۱۴۳
غزوات وسرایا میں شرکت ۱۴۴
غزوۂ تبوک میں ۱۴۶
حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ عہدِ صدیقی میں ۱۴۶
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے انتخاب میں آپ کا کردار ۱۴۶
شوریٰ کی رکنیت ۱۴۸
جنگ یمامہ ۱۴۸
تالیف قرآن ۱۴۹
حضرت زید رضی اللہ عنہ عہدِ فاروقی میں ۱۵۰
منصب قضاء کی ذمہ داری ۱۵۰
امارتِ مدینہ ۱۵۱
حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی عدالت میں ۱۵۲
مالِ غنیمت کی تقسیم ۱۵۳
حضرت زید رضی اللہ عنہ عہد عثمانی میں ۱۵۴
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے آپ رضی اللہ عنہ کے مراسم ۱۵۵
بیت المال کی ذمہ داری ۱۵۵

ایک واقعہ ۱۵۶
تدوین عثمانی اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کا کارنامہ ۱۵۶
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حصار اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کی بے چینی ۱۵۷
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تدفین میں آپ رضی اللہ عنہ کی شرکت ۱۵۸
سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ۱۵۹
اہل بیت کی تعظیم وتکریم ۱۶۰
وفات ۱۶۰
آپ کی وفات پر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے تعزیتی بیانات ۱۶۱
حضرت زید رضی اللہ عنہ کی اولاد ۱۶۲
❀ ـــــ سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ ۱۶۳
نام ونسب ۱۶۳
حلیہ مبارک ۱۶۴
اسلام اور اس کی راہ میں ایذائیں ۱۶۴
آزادی ۱۶۶
غار ثور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت ۱۶۶
ہجرت ۱۶۸
ردافت ۱۶۸
سفر ہجرت کے دوران سیکریٹری کے فرائض ۱۶۹
جب مدینہ کی فضاء راس نہ آئی ۱۷۰
بھائی چارہ ۱۷۱
غزوات وسرایا میں شرکت ۱۷۱
غزوہ بدر اور اُحد میں ۱۷۲
بیئر معونہ اور آپ کی شہادت ۱۷۳

حضرت عامر رضی اللہ عنہ کی ایک انوکھی کرامت ۱۷۳
تدفین ۱۷۵
ایک آواز جس نے دل کی دنیا بدل دی ۱۷۵
تنبیہ ۱۷۶
امام المسلمین سیدنا حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ۱۷۷
نام ونسب ۱۷۷
قد وقامت ۱۷۷
چہرہ مہرہ ۱۷۸
مزاج ومذاق ۱۷۸
عقبہ ثانیہ میں شرکت ۱۷۹
آپ کا علمی مقام اور مرتبہ ۱۸۱
صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابی رضی اللہ عنہ کو قرآن سناتے ہیں ۱۸۲
حفظ قرآن ۱۸۵
ایک شبہ کا ازالہ ۱۸۶
روایات ۱۸۷
آپ کے فتاوئی ۱۸۷
فخر قوم ۱۸۸
تمہیں علم وفن مبارک ۱۸۹
آپ کے تلامذہ ۱۹۰
کتابت وحی ۱۹۱
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیکریٹری کے فرائض ۱۹۱
خطوط نویسی میں ایک نئے طریقہ کی ایجاد ۱۹۲
اُمت کی فکر ۱۹۲

قضاء کی ذمہ داری ۱۹۳
اب بہادری کے کچھ تذکرے ۱۹۳
آپ رضی اللہ عنہ کی ایک انوکھی دعا ۱۹۴
تبرکات نبوی سے محبت ۱۹۵
حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ عہد فاروقی میں ۱۹۶
قرآن پر مہارت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اعتراف ۱۹۷
بادل برسا اور آپ نہ بھیگے ۱۹۸
تراویح کا باضابطہ آغاز اور حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی امامت ۱۹۸
وفات ۱۹۹
آپ رضی اللہ عنہ کی وفات پر مدینہ میں سوگ ۲۰۰
آپ رضی اللہ عنہ کی وصیت ۲۰۰
سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ ۲۰۲
نام ونسب ۲۰۲
اخلاق وعادات ۲۰۳
کتابتِ وحی ۲۰۳
ارتداد ۲۰۴
انہیں زندہ مت چھوڑنا ۲۰۵
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پناہ میں ۲۰۶
توبہ ۲۰۶
فتح مصر اور آپ کا کارنامہ ۲۰۸
اہلِ نوبہ سے مصالحت ۲۱۰
مصر کی باگ ڈور ۲۱۱
محصول میں اضافہ ۲۱۲

افریقہ کی جنگی مہم اور آپ کا کارنامہ ۲۱۳
فتح افریقہ ۲۱۳
ایک جنگی چال ۲۱۴
سبیطلہ کا محاصرہ ۲۱۷
مالِ غنیمت ۲۱۸
بحری جنگ ۲۱۹
فتح قبرص ۲۱۹
فتح اساود ۲۲۱
غزوۂ صواری ۲۲۱
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف زمین دوز تحریک اور آپ رض کی مدینہ واپسی ۲۲۲
جنگ صفین سے کنارہ کشی ۲۲۴
مرویات ۲۲۵
آخری تمنا ۲۲۵
تاریخ وفات ۲۲۶
کتابیات ۲۲۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

انتساب

سرور کائنات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے نام جن کے صدقہ طفیل بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہِ ہدایت نصیب ہوئی۔

اور

ان نفوس قدسیہ کے نام جنہیں اللہ کی کتاب قرآن کریم کی کتابت کا شرف حاصل ہوا۔

اور

اپنی ماں کے نام جن کی گود ہماری پہلی درس گاہ تھی........

محمد نافع عارفی
(بیت العلم ہرسنگھ پور، دربھنگہ)
۵؍رجب ۱۴۲۸ھ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

پیش لفظ

فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

اللہ تعالیٰ نے جس طرح انسان کی جسمانی غذاؤں کا سروسامان فرمایا ہے، اسی طرح اس کے لئے روحانی غذا بھی مہیا کی ہے، یہ روحانی غذا اللہ کے پیغمبروں اور ان پر نازل ہونے والی کتابوں کے ذریعہ فراہم ہوتی ہے، خدا نے ہمیشہ اپنے بندوں کے لئے روحانی دسترخوان سجایا ہے، لیکن اس کی آخری صورت قرآن مجید ہے یہ کتاب قیامت تک کے لئے ہے اور جس پیغمبر پر یہ کتاب برحق نازل ہوئی ان کی نبوت بھی قیامت تک کے لئے ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی حفاظت کا خاص طور پر وعدہ فرمایا ہے، بلکہ خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے:

﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰـفِظُوۡنَ ۝﴾ (الحجر:۹)

من جانب اللہ اس کی حفاظت کا نتیجہ ہے کہ آج قرآن کی جمع وتدوین کی پوری تاریخ روشنی میں ہے قرآن مجید آپ ﷺ پر کس طرح نازل ہوا؟ نزول وحی کے وقت آپ ﷺ کی کیا کیفیت ہوتی تھی؟ سب سے پہلے کون سی آیت نازل ہوئی؟ سب سے آخر میں کس آیت کا نزول ہوا؟ ہجرت سے پہلے نازل ہونے والی آیتیں، ہجرت کے بعد نازل ہونے والی آیتیں، دن میں نازل ہونے والی آیتیں، اور رات میں نازل ہونے والی آیتیں، کون سی آیتیں آسمان پر نازل ہوئیں؟ اور کون سی آیتیں براہ راست حق تعالیٰ نے آپ پر القاء فرمائیں؟ پھر رسول اللہ ﷺ کس طرح اور کن لوگوں کو آیات ... بار کہ لکھایا کرتے تھے، کن کن حضرات کو کتابتِ وحی کا شرف حاصل ہوا، آیتوں اور سورتوں کی ترتیب کیسے مقرر

ہوئی؟ آپ ﷺ کے بعد عہدِ صدیقی اور عہدِ عثمانی میں جمع قرآن کے ارتقائی مراحل کیوں کر طے ہوئے؟ وغیرہ، نہ جانے کتنی جزئیات ہیں، جن کو علمائے اسلام نے اپنی بحث کی جولان گاہ بنایا ہے، اور نہایت دقتِ نظر کے ساتھ ایک ایک نقطہ پر شافی وکافی بحث کی ہے، دنیا کے کسی مذہبی صحیفہ بلکہ غیر مذہبی کتاب کے سلسلہ میں بھی ان تفصیلات کا عشرِ عشیر معلوم ہونا دشوار ہے۔

غور کیا جائے تو قرآن مجید کی لفظی ومعنوی حفاظت اور اس حفاظت کی تاریخ کی بھی حفاظت قرآن مجید کا بجائے خود ایک زندہ معجزہ ہے، اور کوئی انسان صرف اسی پہلو پر غور کرے تو اس کی ہدایت کے لئے کافی ہے کیونکہ قدرت کا نظام یہی ہے کہ جو چیز انسانیت کے لئے مفید ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اسے باقی رکھتا ہے، اور جو چیز اپنا نفع کھو دیتی ہے، وہ دنیا میں محفوظ نہیں رہتی، قرآن مجید چونکہ انسان کی ہدایت ورہنمائی کے لئے ایک ضرورت ہے، اور قیامت تک ہدایت اسی کتاب سے متعلق ہے، اسی لئے من جانب اللہ اس کی حفاظت کا ایسا نظم کیا گیا ہے کہ آج تک اس میں ایک نقطہ اور شوشہ کی تبدیلی بھی نہیں کی جا سکی، اور نہ ان شاء اللہ قیامت تک ایسا ہو سکے گا۔

اسلام کے معاندین اور دین حق کے مخالفین نے خاص طور پر قرآن کو ہدف بنانے کی کوشش کی ہے، اور اس کی جمع وترتیب کے سلسلے میں شکوک وشبہات پیدا کئے ہیں، اس سے آگاہ ہونا چاہیے، چنانچہ مختلف اہل علم نے علوم القرآن کے ذیل میں اس موضوع پر قلم اُٹھایا ہے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے عزیزی گرامی قدر مولانا محمد نافع عارفی کو کہ انہوں نے اس موضوع پر سہل اور آسان اسلوب میں مثبت انداز پر روشنی ڈالی ہے، اور اپنی اس تالیف میں مستند اور معتبر مراجع سے استفادہ کرتے ہوئے گفتگو کی ہے، اس کتاب کے مطالعہ سے ان شاء اللہ قارئین ”قرآن کی کہانی“ سے واقف ہو سکیں گے، کہ یہ کتاب مبین کس طرح نازل ہوئی ہے؟ کیونکر اس کی جمع وترتیب عمل میں آئی؟ اور پھر عہد بہ عہد اس کی کیا خدمت سرانجام پائی، نیز کن خوش نصیب لوگوں کو اس سعادت میں شریک وسہیم ہونے کا موقع ملا۔

مؤلف عزیز دار العلوم دیوبند جیسی عظیم دینی درس گاہ کے فاضل ہیں، پھر

سے پورے علاقہ میں ممتاز ہے، اور خود مؤلف عزیز کے والد ماجد مخدومی حضرت مولانا محمد سعد اللہ صدیقی صاحب دامت برکاتہم ایک عمیق العلم عالم اور جید استاذ بلکہ استاذ الاساتذہ ہیں۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیزی سلمہ کو اسم بامسمّٰی بنادے، ان کے نفع کو عام و تام فرمائے اور اس کتاب کو عند اللہ اور عند الناس قبول حاصل ہو۔ وَاللّٰہُ ھُوَ الْمُسْتَعَانُ

خالد سیف اللہ رحمانی
خادم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد
۲۶؍ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ
۳؍ جون ۲۰۰۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

مُقَدِّمَۃ

تمام تعریف اس اللہ کی ہے جس نے حضرت انسان کے لئے کائنات کی بستی بسائی اور اسے اس شان سے یہاں رکھا کہ اس کی ایک ایک ضرورت اور راحت کا سامان فراہم کیا۔ پھر جس طرح اس کی جسمانی غذاؤں کی تکمیل کا سروسامان پیدا کیا اسی طرح اس کی روحانی تشنگی کو بجھانے کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کی جماعت کو مبعوث فرمایا اور انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے کتابیں نازل کیں اور اس کی اخلاقی و روحانی تربیت کا خاص اہتمام فرمایا:

﴿ رَبُّنَا الَّذِیۡۤ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ○ ﴾ (طٰہٰ: ۵۰)

"اور ہر ہر قوم کی ہدایت کے لئے اسی کی زبان میں گفتگو کرنے والا پیغمبر بھیجا۔"

﴿ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ ﴾ (ابراہیم: ۴)

"تاکہ وہ لوگوں کو انہی کے اسلوب و زبان میں اللہ تعالٰی کے احکام بتلائے۔"

تاکہ لوگ ان کا کہا مان کر اللہ کی خوشنودی و رضا حاصل کر سکیں، لیکن ان کتب ہدایت کی آخری صورت قرآن مجید ہے، یہ کتاب قیامت تک کے لئے ہے، اور جس نبی برحق

پر یہ کتاب نازل ہوئی اس کی نبوت قیامت تک کے لئے ہے ـــــ اس لئے اللہ رب العزت نے اس کی حفاظت کا خاص طور پر ذمہ لیا ہے:

﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ ﴾ (الحجر:۹)

"کہ ہم نے ہی ذکر (قرآن کریم) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

من جانب اللہ اس کی حفاظت کا ثمرہ ہے کہ قرآن کریم کی پوری تاریخ روشنی میں ہے۔ قرآن مجید نبی ﷺ پر کتنے برسوں میں نازل ہوا؟ کن کن مقامات پر اور کن کن وقتوں میں نازل ہوا؟ جاڑے میں نازل ہونے والی آیتیں، گرمی میں نازل ہونے والی آیتیں، نازل ہوئیں؟ "نزولِ وحی" کے وقت آپ ﷺ کی کیا کیفیت ہوتی تھی؟ سب سے پہلے کون سی آیت نازل ہوئی؟ سب سے آخر میں کون سی آیت نازل ہوئی؟ ہجرت سے پہلے نازل ہونے والی آیتیں، ہجرت کے بعد نازل ہونے والی آیتیں، حضر میں نازل ہونے والی آیتیں، سفر میں نازل ہونے والی آیتیں، فرش پر نازل ہونے والی آیتیں، فضا میں نازل ہونے والی آیتیں، عرش پر نازل ہونے والی آیتیں۔

پھر نبی ﷺ نے کس طرح اور کن کن لوگوں سے کتابتِ وحی کا کام لیا۔ اور کن کن لوگوں کو کتابتِ وحی کا شرف حاصل ہوا، آیتوں اور سورتوں کی ترتیب کیسے مقرر ہوئی، عہدِ صدیقی اور عہدِ عثمانی میں تدوینِ قرآن کے ارتقائی مراحل کیونکر طے ہوئے؟ وغیرہ نہ جانے کتنے ایسے جزئیات ہیں، جن پر علمائے اسلام نے نہایت دقتِ نظر کے ساتھ بحث کی ہے، اور مستقل کتابیں لکھی ہیں، غور کیا جائے تو قرآن کریم کی حفاظت پھر اس حفاظت کی بھی حفاظت قرآن کریم کا ایک انوکھا معجزہ ہے۔ دنیا کی کسی کتاب بلکہ کسی مذہبی شخصیت کے بارے میں بھی ان تفصیلات کا عشرِ عشیر بھی معلوم ہونا ممکن نہیں۔

معاندینِ اسلام نے قرآن کریم کو ہدفِ تنقید بنایا ہے۔ اور اس کی تدوین و ترتیب میں طرح طرح کے شبہات پیدا کئے ہیں اور اس کتاب برحق کی صداقت و

حقانیت کو مجروح کرنے کی کوشش کی ہے، اس لئے علمائے حق نے علوم قرآن کے ضمن میں ان تمام اعتراضات کا جائزہ لیا ہے، اور اس پر مستقل اور ضخیم کتابیں لکھی ہیں، شاید ہی دُنیا کی کوئی اہم زبان ہو جس میں علوم قرآن پر مستقل اور اہم کتابیں موجود نہ ہوں۔

لیکن اس کوتاہ علم کی نظر سے کوئی ایسی قابل ذکر کتاب نہیں گزری جو ان نفوس قدسیہ کی تفصیلی سوانح پر ہو، جن کے پاکیزہ قلم کو "کتابتِ وحی" کا شرف حاصل ہوا، پھر اُردو تو کجا خود عربی زبان میں بھی اس عنوان سے مستقل کتاب نہیں، البتہ علامہ ابن کثیر جیسے بعض علماء نے "کتاب الوحی" کے عنوان سے بعض کاتبین کا ترجمہ مختصراً ذکر کیا ہے۔

عرصہ سے راقم الحروف کی خواہش تھی کہ اس اہم موضوع پر قلم اُٹھایا جائے، اور ان اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تابندہ نقوش کا ایک گلدستہ سجایا جائے۔ چنانچہ جب اس خواہش کا اظہار اس حقیر نے حضرت الاستاذ فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم سے کیا تو حضرت نے اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کام کے آغاز کا حکم دیا۔ پھر خیال ہوا کہ کیوں نہ ابتداء میں علوم قرآن کے اہم مسائل ذکر کر دیئے جائیں تاکہ تشنگانِ علوم قرآن کے دل کی تسکین کا سامان یہاں بھی ہو جائے۔ لہٰذا اس مقصد کے تحت علوم قرآن، اہم مباحث بھی ذکر کئے گئے۔ لیکن وہ اندازہ سے زیادہ طویل ہو گئے، یا ہونے دیئے گئے۔ یہ کتاب دو بابوں پر منقسم ہے، پہلے باب میں کتابتِ وحی سے متعلق مباحث ہیں، دوسرے باب میں چار ممتاز کاتبین وحی کی تفصیل سوانح ہے۔

راقم الحروف نے ابتداءً ذیلی عنوان ترتیب دیئے اور حضرت الاستاذ مولانا رحمانی کو دکھلایا، پھر کتاب کی ترتیب کے دوران حضرت سے وقتاً فوقتاً مشورہ کرتا رہا، اور مسودہ کی تکمیل کے بعد حضرت نے نہ صرف نظر ثانی فرمائی بلکہ اپنے بیش قیمت مقدمہ سے کتاب کو عزت بخشی، جس کے لئے ناچیز مؤلف حضرت کا تہہ دل سے شکر

گزار ہے۔

اس کتاب میں کوشش کی گئی ہے کہ "کتابتِ وحی" سے متعلق تمام اہم اور ضروری مباحث کا احاطہ کرلیا جائے اور "کاتبینِ وحی" کی حیاتِ مبارکہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے، اور ان کی زندگی کے ہر گوشہ کو اُجاگر کیا جائے۔ اس کتاب میں اس بات کا اہتمام کیا گیا کہ جو بھی بات لکھی جائے مستند مراجع کے حوالہ سے لکھی جائے۔ مواد کے اخذ کرنے میں ثانوی درجہ کے مراجع کی بجائے حتی المقدور بنیادی مراجع سے معلومات جمع کی جائیں، کیونکہ یہی طریق صواب اور قرین احتیاط ہے۔ نیز جو کچھ لکھا جائے وہ آسان زبان اور عام فہم اسلوب میں ہو۔

بڑی ناسپاسی اور احسان فراموشی ہوگی اگر اس موقع پر حضرت الاستاذ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا شکریہ ادا نہ کروں کہ ان کی رہنمائی و دستگیری کے صدقے میں اس کا اہل ہوسکا، اور اس کتاب کی ترتیب عمل میں آئی۔ اس موقع پر میں اپنے مخلص و محترم گرامی قدر جناب ڈاکٹر آفتاب اشرف صاحب (ایم ایل ایس کالج) کو کیسے فراموش کرسکتا ہوں کہ اس کتاب کی ترتیب میں ان کا علمی تعاون برابر شامل حال رہا، بڑی احسان فراموشی ہوگی اگر برادر مکرم حضرت مولانا معین احمد ندوی (ناظم تعلیمات مدرسہ چشمہ فیض ململ) کا شکریہ ادا نہ کروں کہ انہوں نے اپنی بے پناہ محبت سے مجھے نوازا اور چشمہ فیض کا کتب خانہ میرے حوالہ کردیا۔ کتاب کا بیشتر حصہ اسی کتب خانہ میں لکھا گیا ہے۔ میں اس موقع پر والد محترم حضرت مولانا محمد سعد اللہ صدیقی اور ان کے رفقاء اور دادا جان قطب عالم حضرت مولانا عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین کا شکرگزار ہوں کہ انہوں نے بڑی حوصلہ افزائی فرمائی۔

اخیر میں بارگاہِ رب ذوالجلال میں میری زبان و قلم اور میرا پورا وجود سجدہ ریز ہے کہ اس کی توفیق اگر شامل حال نہ ہو تو کوئی بہتر کام انسان انجام نہیں دے سکتا۔

جو کچھ ہوا تیرے کرم سے ہوا
جو ہوگا تیرے کرم سے ہوگا

دُعا گو ہوں کہ اس حقیر کوشش کو اللہ تعالیٰ شرف قبول سے نوازے، میرے اور میرے والدین کے لئے ذخیرہ آخرت بنادے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○

وَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

محمد نافع عارفی

بیت العلم ہرسنگھ پور دربھنگہ، بہار

۵؍رجب ۱۴۲۸ھ

بَابْ ۱

کتابتِ وحی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

حصولِ علم کے جتنے بھی ذرائع ہو سکتے ہیں ان کی ایک حد اور انتہاء خدا کی جانب سے مقرر و متعین ہے، اللہ رب العزت نے تین چیزیں ایسی بنائی ہیں جن پر معلوماتِ انسانی کی بنیاد اور انحصار ہے اور وہ حواسِ خمسہ یعنی آنکھ، کان، منہ، ہاتھ، پاؤں ہیں اور عقل ہے۔ جن باتوں کا ادراک حواسِ خمسہ سے ممکن نہیں اور حواسِ خمسہ وہاں جواب دے، جاتی ہیں وہاں عقل کی رہنمائی شروع ہوتی ہے۔ لیکن جہاں عقل کی پرواز ختم ہوتی ہے اور انسان معذرت طلب نگاہ سے دیکھنے لگتا ہے وہیں سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دستگیری اور رہنمائی "وحی" کے ذریعہ فرماتا ہے۔ غرض جہاں تک حواسِ خمسہ کام دیتے ہیں وہاں عقل کے استعمال کی ضرورت نہیں ہوتی اور جہاں پہنچ کر حواس کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں وہاں سے عقل کی رہنمائی کی ابتداء ہوتی ہے، پر کیا کیا جائے کہ عقل کی رہنمائی بھی لامحدود نہیں بلکہ ایک مقام ضرور آتا ہے، جہاں جا کر عقل بھی حیران و ششدر ہو جاتی ہے، اب یہیں سے باری تعالیٰ وحی کے ذریعہ انسانوں کو ان کی منزل دکھاتا ہے، اور انہیں گمراہی اور بے راہ روی سے بچا لے جاتا ہے۔ مذکورہ وضاحت سے معلوم ہو گیا کہ "وحی" ہی بنی آدم کے لئے وہ واحد اور اعلیٰ ترین ذریعہ ہے جو اس کی زندگی کے ہر موڑ پر اور ہر شعبہ میں رہنمائی کرتا ہے اس کی زندگی کے ان سوالات کا جواب مہیا کر دیتا ہے، جو حواس و عقل کی قدرت سے باہر ہیں، اس مختصری تمہید کے بعد قبل اس کے کہ "وحی" کی ابتداء، وحی کے نزول کی کیفیت، کاتبینِ وحی کی تعداد، ان کے اسماء اور ان کے احوال و اخلاق اور عادات کا ذکر آئے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وحی کی تعریف پیش کی جائے۔

وحی کی تعریف!

وحی لغت میں ایسی بات کو کہتے ہیں جو دوسروں پر ظاہر نہ ہو۔ [1] اور اصطلاح میں ہر

[1] دیکھئے: المعجم الوسیط ص: ۱۰۱۸

ایسی بات مراد ہے جس کا القاء اللہ نے اپنے نبیوں کی طرف کیا تا کہ وہ دوسروں تک اسے پہنچادیں۔[1] علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس کی وضاحت اس طرح کی ہے، چنانچہ آپ رقم فرماتے ہیں:

وَالْوَحْيُ لُغَةً ، اَلْاَعْلَامُ فِيْ خِفَا، وَالْوَحْيُ اَيْضًا اَلْكِتَابَةُ وَالْمَكْتُوْبُ وَالْبَعْثُ وَالْاَلْهَامُ وَالْاَمْرُ وَالْاِيْمَاءُ وَالْاَشَارَةُ وَالتَّصْوِيْتُ شَيْئًا بَعْدَشَيْءٍ ، وَ قِيْلَ : اَصْلُهُ اَلتَّفْهِيْمُ وَ كُلُّ مَا دَلَّتْ بِهٖ مِنْ كَلَامٍ اَوْ كِتَابَةٍ اَوْ رِسَالَةٍ اَوْ اِشَارَةٍ فَهُوَ وَحْيٌ، وَ شَرْعًا اَلْاَعْلَامُ بِالشَّرْعِ، وَ قَدْ يُطْلَقُ الْوَحْيُ وَ يُرَادُ بِهٖ اِسْمُ الْمَفْعُوْلِ مِنْهُ اَيِ الْمُوْحٰى، وَ هُوَ كَلَامُ اللّٰهِ الْمُنَزَّلُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ.[2]

”وحی لغت میں پوشیدہ بات کے اظہار کو کہتے ہیں، نیز وحی کتابت، مکتوب، بعثت، الہام، حکم، اشارہ اور ایک آواز کے بعد دوسری آواز کا آنا اور کہا جاتا ہے اس کی اصل تفہیم ہے اور ہر وہ چیز جو کسی کلام یا تحریر یا پیغام یا اشارہ پر دلالت کرے وہ وحی ہے، اور شرعاً وحی نام ہے احکام شرع کے اظہار کا، بسا اوقات وحی بولا جاتا ہے اور مفعولی معنی یعنی موحٰی (جس کی وحی کی گئی ہو) مراد ہوتا ہے موحٰی کے معنی ہیں اللہ کا کلام جو نبی ﷺ پر نازل ہوا۔

غارِ حرا کی جغرافیائی حیثیت

بعض اوقات کسی غیر اہم چیز کو بھی کسی عظیم نسبت کی وجہ سے عظمت و عزت حاصل ہو جاتی ہے، وہ چیز یا وہ جگہ انتہائی اہمیت حاصل کر لیتی ہے اور لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جاتی ہے یہی معاملہ ”غارِ حرا“ یا ”جبل النور“ کے ساتھ ہوا۔ دُنیا کے دوسرے غاروں اور پہاڑوں کی طرح یہ بھی ایک غار اور پہاڑ ہے لیکن ”وحی“ و رسالت اور آپ ﷺ کے مبارک و مسعود قیام نے اس پہاڑ کو بھی بڑی عزت و عظمت اور اہمیت بخش دی اور بڑی ہی قدر و منزلت سے

① دیکھئے: المعجم الوسیط ص: ۱۰۱۹
② فتح الباری ۹/۱ ، ابن حجر عسقلانی

نوازدیا، چنانچہ غارِ حراہی وہ مبارک مقام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی سب سے پہلی وحی کے لئے منتخب فرمایا اور یہ غار ہی سب سے پہلا مہبط وحی بن گیا۔ اس لئے مناسب خیال ہوتا ہے کہ پہلے اس مقام کی جغرافیائی حالت بیان کردی جائے تاکہ تصور ہی میں سہی اس کی تصویر دیکھ لینا ممکن ہوسکے۔ چنانچہ "غارِ حرا" کی جغرافیائی حیثیت بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اپنی معروف کتاب "جزیرۃ العرب" میں رقم فرماہیں:

"جبل النور جس میں غارِ حرا ہے جہاں حضور ﷺ نبوت سے پہلے بطور عبادت چند دن گزارا کرتے تھے، مکہ کے شمالی سمت جدھر سے طائف کو راستہ جاتا ہے، تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہے، مکہ کے پہاڑوں میں سے جبل النور صاف طور پر اور جبل الثور فاصلہ سے دکھائی دیتا ہے۔"[1]

اس مبارک و مسعود غار جس کو آپ ﷺ کے قیام کا شرف حاصل ہے کی لمبائی چار ذراع اور اس کی چوڑائی ایک ہاتھ اور تین بالشت ہے۔[2]

نزولِ وحی کے مختلف طریقے

نبی کریم ﷺ پر نزولِ وحی کا سلسلہ یکبارگی نہ شروع ہوا اور نہ ہی سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ کو مکمل قرآن ایک ہی دفع دے دیا گیا بلکہ "وحی" کے نزول کی ابتداء آپ پر رویائے صالحہ یعنی سچے خواب وغیرہ کی شکل میں ہوئی، غرض کہ اس کے نزول کی متعدد شکلیں تھیں، مشہور حنبلی عالم اور علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے سچے جانشیں علامہ ابن قیم جوزیہ رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث مبارکہ کے تتبع و جستجو کے بعد نزولِ وحی کی آٹھ صورتیں بیان کی ہیں:

رویاءِ صالحہ

آپ ﷺ پر نزولِ وحی کا ابتدائی اور سب پہلا طریقہ "رویاءِ صالحہ" یعنی سچے خواب کا تھا چنانچہ جب کبھی آپ ﷺ کوئی خواب دیکھتے تو اس کی تعبیر صبح کی روشنی کی طرح کھل کر سامنے آجاتی، پھر جب خوابوں کا مبارک سلسلہ شروع ہوا تو آپ کو تنہائی پسند آنے لگی اور آپ غارِ حرا میں خدا کی عبادت کے لئے قیام کرنے لگے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ام المومنین حضرت

---

① جزیرۃ العرب ص: ۲۳۳ ② الرحیق المختوم ۱/۱۰۱، للشیخ مبارک پوری

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں:

((كَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ)).[1]

"آپ جب کوئی خواب دیکھتے تو وہ صبح کی روشنی کی طرح سامنے آ جایا کرتا تھا۔"

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے رقم فرماتے ہیں:

((أَيْ مُشْبِهَةً ضِيَاءِ الصُّبْحِ أَوْ عَلَى صِفَةٍ لِمَحْذُوفٍ أَيْ جَاءَتْ مَجِيئاً مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ وَالْمُرَادُ بِفَلَقِ الصُّبْحِ ضِيَائُهُ)).[2]

مدینہ منورہ میں ایک مرتبہ ایک منافق نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کر دیا تھا اس واقعہ کی اطلاع اور اس کے دفعیہ کا طریقہ بھی آپ کو خواب ہی کے ذریعہ بتلایا گیا۔[3]

نفث فی الروع[؟]

نزول وحی کا دوسرا طریقہ یہ تھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام کسی بھی شکل میں آنے کے بجائے براہِ راست آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر القاء فرما دیتے تھے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((إِنَّ رُوحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِي رُوعِي)).[4]

"روح القدس جبریل علیہ السلام نے میرے دل میں بات ڈالی۔"

مستدرک حاکم میں بھی یہ روایت الفاظ کے تھوڑے فرق کے ساتھ اس طرح آئی ہے:

((إِنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَلْقَى فِي رُوعِي أَنَّ أَحَدًا مِنْكُمْ لَنْ يَخْرُجَ مِنَ الدُّنْيَا حَتَّى يَسْتَكْمِلَ رِزْقَهُ)).[5]

"جبریل علیہ السلام نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ تم میں سے کوئی دنیا سے

---

① بخاری ۱/۳، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ: بیروت لبنان
دیکھئے: زاد المعاد: ۱/۷۸، لابن قیم۔
② فتح الباری ۱/۲۲
③ بخاری باب السحر ابواب الطب: ۲/۸۵۸-۸۵۷، کراچی
④ زاد المعاد: ۱/۷۹-۷۸، دیکھئے: الحلیۃ: ۲۷-۲۶، عن ابی امامہ، الاتقان ۱/۱۲۸
⑤ المستدرک للحاکم، کتاب البیوع: ۲/۴، ط، دائرۃ المعارف دکن

نہیں جائے گا تاوقتیکہ اپنا رزق پورا نہ کرلے۔"

تمثّل ملک

وحی کا تیسرا طریقہ جس کا ذکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے، یہ تھا کہ فرشتہ انسانی شکل میں آتا، کلام الٰہی سناتا اور آپ سن کر محفوظ کرلیتے۔

((وَ اَحْیَانًا یَتَمَثَّلُ لِیَ الْمَلَكُ رَجُلًا فَیُكَلِّمُنِیْ فَاَعِیْ مَا یَقُوْلُ)). ①

"اور کبھی فرشتہ میرے سامنے ایک مرد کی صورت میں آجاتا ہے، اور بات کرتا ہے اور جو کچھ وہ کہتا ہے میں یاد کرلیتا ہوں۔"

ایسے مواقع پر عموماً حضرت جبرئیل علیہ السلام مشہور صحابی رسول حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں تشریف لاتے تھے، مشہور حنفی فقیہ اور محدث علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحابہ میں دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کا انتخاب غالباً اس لئے کیا گیا ہوگا کہ آپ نہایت ہی حسین و جمیل تھے، آپ اتنے خوبصورت تھے کہ آپ راستہ میں اپنے چہرے کو ڈھک کر چلا کرتے تھے۔ ② لیکن بسا اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اجنبی کی شکل میں تشریف فرما ہوتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مشہور روایت (حدیث جبرئیل) میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام بالکل ہی اجنبی کی صورت میں آئے تھے، اس لئے کہ وہاں مقصود ہی لوگوں کو چونکانا اور تعجب میں ڈالنا تھا کہ ایک اجنبی کتنی بے تکلفی اور دلیری سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے بارے میں دریافت کررہا ہے ③ اور امت کو یہ تعلیم دینا تھا کہ دینی اور شرعی امور میں تکلیف اور شرم سے کام نہ لینا چاہیے، بلکہ بلا تکلف مسائل دریافت کرلینا چاہیے تاکہ احکام شرع کی حفاظت ہوسکے، بہرکیف یہ صورت آپ کے لئے زیادہ دشوار کن نہیں ہوتی تھی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سہل ترین ہوتی تھی۔ چنانچہ صحیح ابوعوانہ کی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کی اس صورت کا ذکر کرکے فرمایا:

---

① بخاری ۱/۳، دیکھئے: زاد المعاد، ۱/۷۹
② دیکھئے مشکوۃ المصابیح ۱/۱۱ عن عمر بن الخطاب، کتاب الایمان، الفصل الاول
③ ملاحظہ ہو الاتقان: ۱/۱۲۸

((وَهُوَ اَهْوَنُهُ عَلَيَّ)).①

"اور یہ صورت میرے لیے سب سے زیادہ آسان ہوتی۔"

صلصلۃ الجرس:

وحی کے نازل ہونے کا ایک طریقہ جو آپ ﷺ کے لئے بہت ہی پُر مشقت ہوتی تھی یہ ہے کہ آپ ﷺ کو ایک قسم کی آواز سنائی دیتی تھی، جیسے کہ گھنٹہ بج رہا ہو، حدیث میں تو صرف اتنا ہی مذکور ہے کہ وہ گھنٹوں جیسی آواز ہوا کرتی تھی، اس لئے یہ کہنا ذرا مشکل ہے کہ یہ تشبیہ کیوں دی گئی، البتہ محدثین نے اس کی مختلف وجوہ بیان کی ہیں، چنانچہ علامہ خطابی رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ یہاں تشبیہ آواز کے ترنم میں نہیں، بلکہ اس کے تسلسل میں ہے جس طرح گھنٹے کی آواز میں تسلسل ہوتا ہے۔② علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے شیخ محی الدین ابن عربی سے تشبیہ کی دو وجہیں نقل کی ہیں، جو مذکورہ توجیہ سے زیادہ بہتر اور لطیف ہیں، ان کے خیال میں یہ تشبیہ صرف دو اعتبار سے ہے، پہلی توجیہ تو وہی ہے جسے علامہ خطابی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے اور دوسری توجیہ جو بڑی لطیف ہے، وہ یہ ہے کہ جب گھنٹی بجتی ہے تو اس کی آواز کی سمت متعین کرنے میں دشواری و پریشانی ہوتی ہے، کیونکہ اس کی آواز ہر سمت اور جہت سے آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ کلام متکلم ہی کی حیثیت کے مطابق اہمیت کا حامل ہوتا ہے، اور گھنٹوں کی آواز سے تشبیہ اس طرف اشارہ ہے کہ جس کے کلام کا نزول ہو رہا ہے، وہ بھی اسی طرح جہت و سمت اور مکان سے منزہ و مبرا ہے۔③

غرض وحی کی یہ صورت آپ ﷺ پر سب سے زیادہ سخت ہوا کرتی تھی، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے کہ:

((هُوَ اَشَدُّهُ عَلَيَّ)).④

---

① ملاحظہ ہو عمدۃ القاری ۴۷/۱

② دیکھئے فتح الباری ۲۰/۱، ط: بیروت لبنان، الاتقان ۱۲۸/۱

③ فیض الباری ۲۰/۱-۱۹

④ بخاری ۲/۱ ط: بیروت

اور یہ سختی اتنی زیادہ ہوتی کہ آپ پر جب وحی نازل ہوتی تو سخت ٹھنڈک کے موسم میں بھی آپ ﷺ کی پیشانی مبارک پسینہ سے شرابور ہو جاتی تھی، اسی حدیث کے آخر میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((وَلَقَدْ رَأَیْتُہٗ یَنْزِلُ عَلَیْہِ الْوَحْیُ فِی الْیَوْمِ الشَّدِیْدِ الْبَرْدِ فَیَفْصِمُ عَنْہُ وَإِنَّ جَبِیْنَہٗ لَیَتَفَصَّدُ عَرَقًا))۔ ①

"میں نے سخت جاڑوں کے دن میں آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتے ہوئے دیکھا ہے (ایسی سردی میں بھی) جب وحی کا سلسلہ ختم ہوتا تو آپ ﷺ کی پیشانی مبارک پسینہ سے شرابور ہو چکی ہوتی۔"

وحی کی اس کیفیت میں بعض دفعہ اتنی شدت پیدا ہو جاتی کہ اگر آپ ﷺ سواری پر ہوتے تو جانور "وحی" کے بوجھ کی تاب نہ لا کر بیٹھ جاتا، اور ایک مرتبہ آپ ﷺ اپنے زانو مبارک حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے زانو پر رکھے ہوئے تھے کہ "وحی" کا نزول شروع ہو گیا، حضرت زید رضی اللہ عنہ کو یوں محسوس ہونے لگا کہ ان کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی، بعض اوقات اس وحی کی ہلکی ہلکی آواز دوسروں کو بھی سنائی دیتی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح آواز سنائی دیا کرتی تھی۔ ②

خدا سے ہم کلامی

سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی طرح آپ ﷺ کو بھی براہِ راست خدا سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا ہے، لیکن یہ واقعہ صرف "معراج" کے موقع پر پیش آیا، اور نماز فرض کی گئی۔ اس کے علاوہ ایک مرتبہ خواب "میں بھی آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے ہیں۔ ③

خواب میں نزولِ وحی

ان صورتوں کے علاوہ حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے خواب میں بھی نزولِ وحی کی بات کہی ہے

---

① بخاری ۲/۱، ط: بیروت

② بخاری ۱۹۶، فی التفسیر عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ دیکھئے: زاد المعاد ۱/ ۸۰-۷۹

③ دیکھئے: الاتقان: ۱/ ۱۲۸، ط: بیروت، زاد المعاد: ۱/ ۸۰

اور سورہ "کوثر" کوانہوں نے اس قسم کی وحی میں شمار کیا ہے، جو خواب میں نازل ہوئی ہے۔[1]

نزول وحی کے مذکورہ طریقوں کے علاوہ بھی نزول وحی کے متعدد طریقے ہیں، علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے بقول علامہ حلیمی رحمۃ اللہ علیہ نے کل چھیالیس شکلیں نزول وحی کی ذکر کی ہیں۔[2] واللہ اعلم بالصواب

وحی کی قسمیں زمان ومکان کے اعتبار سے

محققین علماء نے زمان و مکان کے اعتبار سے وحی کی متعدد قسمیں بیان کی ہیں، اور اس کے جاننے کو ضروری قرار دیا ہے، حتیٰ کہ امام ابوالقاسم حسن بن محمد بن حبیب نیساپوری رحمۃ اللہ علیہ نے تو ایسے شخص کے لئے قرآن کریم کے سلسلہ میں گفتگو اور کلام کو ہی ناجائز قرار دیا ہے، جو قرآن کریم کی ترتیب نزول کا علم نہ رکھتا ہو، چنانچہ آپ اپنی معرکۃ الآراء تصنیف "اَلتَّنْبِيْهُ عَلٰى فَضْلِ عُلُوْمِ الْقُرْاٰنِ" میں رقم فرماتے ہیں:

مَنْ لَّمْ يَعْرِفُهَا وَ لَمْ يُمَيِّزْ بَيْنَهَا لَمْ يَحِلَّ لَهٗ اَنْ يَتَكَلَّمَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى.[3]

اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک طائرانہ نظر نزول قرآن کی قسموں پر بھی ڈال لی جائے۔

مکی ومدنی

وہ آیات وسور جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں، ان کو عام طور پر مکی کہا جاتا ہے، لیکن کسی بھی آیت یا سورہ کے مکی و مدنی ہونے کے بارے میں علماء محققین نے تین اقوال ذکر کئے ہیں، جس سے کسی بھی آیت کے مکی و مدنی ہونے کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

① جو آیات وسور جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں وہ مکی ہیں، جو آیات وسور ہجرت کے بعد نازل ہوئیں وہ مدنی ہیں، خواہ وہ مکہ ہی میں کیوں نہ نازل ہوئی ہوں، چنانچہ

---

① حوالہ سابق

② فتح الباری ۲۰/۱، ط: بیروت

③ دیکھئے: الاتقان ۲۷/۱، ط: بیروت

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الاتقان" میں اس ضمن میں ایک اثر نقل کی ہے۔

((مَا نَزَلَ بِمَكَّةَ وَ مَا نَزَلَ فِيْ طَرِيْقِ الْمَدِيْنَةِ قَبْلَ أَنْ يَبْلُغَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِيْنَةَ فَهُوَ مِنَ الْمَكِّيِّ وَ مَا نَزَلَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فِيْ اَسْفَارِهٖ بَعْدَ مَا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَهُوَ مَدَنِيٌّ)).[1]

"یعنی جو آیات و سور جو مکہ میں نازل ہوئیں، اور جو مدینہ کے راستہ میں آپ ﷺ کے مدینہ پہنچنے سے پہلے نازل ہوئیں، وہ مکی ہیں اور جو سورتیں مدینہ آنے کے بعد نازل ہوئیں وہ مدنی ہیں، خواہ سفر ہی میں کیوں نہ نازل ہوئی ہوں۔"

اس اثر کے نقل کرنے کے بعد علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس نوٹ کا اضافہ کیا ہے کہ اس اثر میں یہ لطیف اشارہ ہے کہ جو آیات سفر ہجرت کے دوران نازل ہوئیں، وہ بھی اصطلاحاً مکی کہی جائیں گی۔[2]

② جو آیات و سور مکہ میں نازل ہوئیں وہ مکی ہیں اور جو مدینہ میں نازل ہوئیں وہ مدنی ہیں، چاہے ہجرت کے بعد ہوں یا پہلے۔ اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ جو اسفار میں نازل ہوئیں، وہ آیات اور سورتیں نہ مکی ہیں اور نہ ہی مدنی اس قول کی دلیل حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جس کی طبرانی نے تخریج کی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((وَ اُنْزِلَ الْقُرْاٰنُ فِيْ ثَلَاثَةِ اَمْكِنَةٍ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ وَالشَّامِ)).[3]

"قرآن کریم تین مقامات پر نازل ہوا مکہ، مدینہ اور شام۔"

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ شام سے مراد تبوک ہے۔[4] اور ظاہر ہے کہ مکہ

---

① الاتقان ۲۸/۱، دیکھیے: فتح الباری ۹/۵
② طبرانی بحوالہ الاتقان ۲۸/۱
③ الاتقان ۲۸/۱، بحوالہ طبرانی الکبیر
④ ابن کثیر

مکرمہ اور مدینہ منورہ کے قرب و جوار کے علاقے بھی انہیں شہروں میں داخل ہوں گے مثلاً منیٰ، عرفاتؔ، حدیبیہ، بدر، اُحد، سلع وغیرہ جو مکہ مدینہ کے علاقے ہیں۔ چنانچہ علامہ سیوطی کہتے ہیں:

((قُلْتُ يَدْخُلُ فِي مَكَّةَ ضَوَاحِيهَا كَالْمُنَزَّلِ بِمِنًى وَ عَرَفَاتٍ وَالْحُدَيْبِيَّةِ وَفِي الْمَدِينَةِ ضَوَاحِيهَا كَالْمُنَزَّلِ بِبَدْرٍ وَ أُحُدٍ وَ سَلَعٍ)).[1]

③ وہ آیات و سور جن میں اہل مکہ سے خطاب ہے، وہ مکی ہیں اور جن میں اہل مدینہ کو مخاطب کیا گیا ہے، وہ مدنی ہیں۔[2]

آیاتِ قرآنی میں مکی و مدنی کے علاوہ محققین علماء نے کچھ اور تقسیم زمانہ کے اعتبار سے بھی کی ہے مثلاً

حضری: یعنی وہ آیات و سور جو آپ ﷺ پر آپ کے وطن میں نازل ہوئیں اکثر و بیشتر قرآنی آیات اسی قسم کی ہیں۔

سفری: وہ آیات ہیں جو آپ ﷺ پر حالت سفر میں نازل ہوئیں مثلاً ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ﴾ (البقرہ:۱۲۵) یہ آیت حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ میں نازل ہوئی، اس کے علاوہ بھی بہت ساری آیتیں سفر میں نازل ہوئی ہیں۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الاتقان میں ان آیات کو جمع کیا ہے، جن کی تعداد چالیس ہے۔[3]

نہاری:

وہ آیات ہیں جو دن کے وقت نازل ہوئیں، اکثر آیات دن ہی میں نازل ہوئی ہیں، چنانچہ علامہ ابن حبیب فرماتے ہیں:

((نَزَلَ اَكْثَرُ الْقُرْآنِ نَهَارًا)).[4]

لیلی: وہ آیات ہیں جو رات میں آپ ﷺ پر نازل ہوئیں، جیسے سورۂ مائدہ کی آیت ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ﴾ (المائدہ:۶۷) یہ آیت آپ ﷺ پر رات کے وقت نازل

① الاتقان ۲۸/۱ ② حوالہ سابق
③ دیکھیے: الاتقان ۵۳/۱ ④ الاتقان ۶۰/۱

ہوئی اور اسی آیت کے نزول کے بعد آپ ﷺ نے پہرے دار ہٹا دیئے۔ چنانچہ امام ترمذی اور امام حاکم رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے:

(١) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُحْرَسُ حَتّٰى نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ فَاَخْرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَاسَهٗ، مِنَ الْقُبَّةِ فَقَالَ لَهُمْ: يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنْصَرِفُوْا فَقَدْ عَصَمَنِي اللّٰهُ.[1]

امام طبرانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو حضرت عصمہ بن مالک الخطمی رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے نقل کیا ہے، جس سے رات میں نزول کی صراحت معلوم ہوتی ہے۔[2]

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے مزید ایک درجن مثالیں ذکر کی ہیں۔[3]

صیفی:

یعنی وہ آیات جو گرمی کے زمانے میں نازل ہوئیں، مثلاً سورہ نساء کی آخری آیت

﴿يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ﴾ (النساء:١٧٦)

حضرت عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق گرمی میں نازل ہوئی تھی، اور دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئیں، اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر جتنی آیتیں نازل ہوئیں وہ سب صیفی ہیں مثلاً:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ (المائدہ:٣)

شتائی:

وہ آیات ہیں جو موسم سرما میں نازل ہوئیں مثلاً سورۂ نور کی یہ آیت:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ....الخ﴾ (النور:١١) وغیرہ۔[4]

جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں کی تردید کی گئی ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں

---

① ترمذی ٥/٢٣٧، رقم الحدیث ٣٠٤٦، دیکھئے: تحفۃ الاحوذی ٨/٣٦٦، کشاف ١/٥١٤

② الاتقان ١/٦١ ③ الاتقان ١/٣٦-٦١

④ تفصیل کے لئے دیکھئے: الاتقان ١/٦٤

خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔[1] اسی طرح غزوۂ خندق کے بارے میں سورۂ احزاب کی آیتیں بھی شتائی ہیں کیونکہ اس غزوہ کا موسم سرما میں ہونا بہت ساری روایات سے ثابت ہے۔[2]

فراشی:

وہ آیات جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس حال میں نازل ہوئیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر مبارک پر تھے، چنانچہ سورۂ مائدہ کی آیت ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ (المائدہ:٦٧) اسی حالت میں نازل ہوئی۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس کی مزید دو مثالیں ذکر کی ہیں۔[3]

نومی:

بعض علماء کا خیال ہے کہ آیات کی ایک قسم "نومی" بھی ہے، یعنی وہ آیات جو حالت نیند میں نازل ہوئیں، اور اس کی مثال سورۂ کوثر ہے، جیسا کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں:

((بَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَ اَظْهُرِنَا اِذْ اَغْفَى اِغْفَاءَةً ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ فَتَبَسَّمَ، فَقُلْنَا: مَا اَضْحَكَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ؟ فَقَالَ: اُنْزِلَ عَلَيَّ آنِفًا سُوْرَةٌ فَقَرَأَ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝١ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝٢ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝٣﴾ (سورۃ الکوثر)[4]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود تھے کہ جھونکا آپ پر آیا، پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا اور مسکرانے لگے، تو ہم لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو کس بات نے ہنسایا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابھی ابھی ایک سورہ مجھ پر نازل ہوئی، پھر آپ نے پڑھا:

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝١ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝٢ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝٣﴾ (سورۃ الکوثر)

---

[1] بخاری [2] الاتقان ١/٦٥ [3] الاتقان: ١/٦٦ [4] حوالہ سابق

لیکن سچی بات یہ ہے کہ یہ نیند کا کوئی جھونکا نہیں تھا بلکہ یہ ایک کیفیت تھی جو عام طور پر نزولِ وحی کے وقت آپ پر طاری ہوتی تھی، چنانچہ اسی خیال کا اظہار امام رافعی نے کیا ہے، اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ بھی علامہ رافعی کے ہم خیال نظر آتے ہیں۔ چنانچہ رقم فرماتے ہیں:

((بَلْ نَقُوْلُ : نَزَلَتْ تِلْكَ الْحَالَةَ لَيْسَ الْإِغْفَاءُ إِغْفَاءَ نَوْمٍ بَلْ حَالَةَ الَّتِيْ كَانَتْ تَعْتَرِيْهِ عِنْدَ الْوَحْيِ)).[1]

"بلکہ ہمارا خیال ہے کہ ایسی حالت میں نازل ہوئی جو نیند کا جھونکا نہیں تھا بلکہ وہ حالت تھی جو عام طور پر نزولِ وحی کے وقت طاری ہوتی ہے۔"

غرض کہ وحی کی یہ قسم (نومی) صحیح معتبر قول کے مطابق مصحف میں نہیں پائی جاتی۔

سماوی:

وہ آیات جو شبِ معراج میں آسمان پر ہی نازل ہوئیں۔ اس سلسلہ میں صرف ایک روایت ملتی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ بقرہ کی آخری آیات معراج کی شب سدرۃ المنتہیٰ کے قریب نازل ہوئیں۔[2]

فضائی:

علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے چند آیتیں ایسی بھی ذکر کی ہیں جو نہ زمین پر نازل ہوئیں اور نہ آسمان پر، ان کا کہنا ہے کہ سورہ صافات کی آیت ﴿وَمَا مِنَّآ إِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۝﴾ اور سورہ زخرف کی آیت ﴿وَسْئَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ﴾ (الزخرف:۴۵) ایسی ہی آیتیں ہیں جو فضا میں نازل ہوئیں، لیکن علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے اس کی کوئی سند نہیں مل سکی۔[3] اور واقعہ یہی ہے کہ اس کا ثبوت نہیں۔

وحی متلو اور غیر متلو:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی نازل ہوئی وہ دو طرح کی ہیں:

ایک تو خود قرآن کریم جس کے الفاظ اور معنی و مفہوم دونوں اللہ کی طرف سے ہیں اور جو ہمیشہ ہمیش کے لیے اس طرح محفوظ کر دی گئی ہیں کہ قیامت تک اس میں کسی طرح کا

---

①، ②، ③ الاتقان ۶۷/۱

ردّو بدل اور تبدیلی ممکن نہیں، اس کا ایک شوشہ، ایک حرف، ایک نقطہ بھی نہیں بدلا جا سکتا، اسی وحی کو علماء ”وحی متلو“ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی وہ وحی جس کے الفاظ کی تلاوت کی جاتی ہے۔

دوسری قسم اس وحی کی ہے جو قرآن کریم کا جزء نہیں ہے لیکن اسلام نے بیشتر احکام امت مسلمہ کو اس کے ذریعہ دیئے ہیں، یعنی حدیث نبوی، اس کو وحی غیر متلو کہا جاتا ہے، کیونکہ ان کے الفاظ کی تلاوت نہیں کی جاتی، عام طور پر قرآن کریم میں اسلام کے اصولی عقائد اور بنیادی تعلیمات کی تشریح پر اکتفاء کیا گیا ہے، اور اس کی جزوی تفصیل اور جزوی مسائل وحی غیر متلو کا حصہ ہیں۔ جس کے مضامین تو من جانب اللہ ہیں پر الفاظ آپ ﷺ کے ہیں اور اس کا ثبوت خود قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں موجود ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝﴾ (النجم:۳-۴)

اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

((اُوْتِيْتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ)).

اس لئے جو شخص بھی خود کو مسلمان کہتا ہے، اور اپنے اسلام کا مدعی ہے اس پر لازم ہے کہ وحی متلو (قرآن) کی طرح وحی غیر متلو (احادیث) پر بھی ایمان رکھے اور اس کے ذریعہ دیئے گئے احکام کو واجب العمل مانے۔

اثبات وحی ورسالت

نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات اہل مکہ ہی نہیں بلکہ عرب کے لئے بھی کوئی اجنبی ذات نہیں تھی، آپ ﷺ کی شخصیت ان کے لئے جانی پہچانی اور آزمائی ہوئی تھی۔ عرب کا بچہ بچہ آپ ﷺ سے آپ کی صداقت وامانت اور دیانت وراست گوئی کی وجہ سے واقف تھا۔ یہی وجہ تھی کہ لوگوں نے آپ ﷺ کو صادق اور امین کے لقب سے نوازا تھا یہی نہیں بلکہ عرب نے سال دس سال نہیں بلکہ پورے چالیس سال تک آپ کے روز وشب کو دیکھا تھا، اس طویل مدت میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ ﷺ نے کسی استاذ کے سامنے زانوتلمذ تہہ کیا ہو۔ جس کی تعلیم وتربیت اور صحبت کے ثمرہ دعوئ نبوت کے ساتھ ہی علوم ومعارف کے چشمے آپ کی زبان مبارک سے جاری ہوگئے ہوں، اور اس کے سوتے آپ کے قلب اطہر

سے پھوٹ پڑے ہوں، اور نہ ہی یہ دیکھنے میں آیا کہ آپ نے ان مسائل میں دلچسپی لی ہو ان مباحث پر گفتگو اور ان خیالات و نظریات کا اظہار کیا ہو، حد تو یہ ہے کہ عزیز ترین دوست قریبی رشتہ دار نے ان چالیس سالوں میں کوئی ایسی حرکت نہ محسوس کی جسے اس عظیم دعوت کی تمہید کہا جاسکے۔ جس کی تبلیغ و اشاعت آپ ﷺ نے چالیسویں سال میں کرنی شروع کر دی۔ یہ اس بات کا واضح اور بین ثبوت ہے کہ آپ نے جو کچھ کہا خواہ قرآن کریم کی شکل میں ہو یا احادیث مبارکہ کی صورت میں، وہ آپ کے اپنے قلب و دماغ کی اپج اور پیداوار نہیں، بلکہ الہام خداوندی اور منشاء ایزدی تھا۔

﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝﴾ (القصص: ۴۴-۴۶)

"اور آپ مغربی جانب میں موجود نہ تھے، جب کہ ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو پیغام دیئے تھے، اور آپ ان لوگوں میں سے نہ تھے جو موجود تھے، لیکن ہم نے بہت سی نسلیں پیدا کیں، پھر ان پر زمانہ دراز گزر گیا اور آپ اہل مدین میں بھی قیام پذیر نہ تھے کہ آپ ہماری آیتیں ان لوگوں کو پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہوں، لیکن ہم ہی رسول بنانے والے ہیں، اور آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والے نہ آئے، کیا عجب ہے کہ نصیحت قبول ہو جائے۔"

ان آیات کی تفسیر پر غور کیا جائے تو بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کی رسالت من جانب اللہ ہے اور آپ بھی اللہ کے رسول ہیں جنہیں اللہ نے لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا ہے۔ کیونکہ قطعی خبر کے لئے علم قطعی ضروری ہے اور علم قطعی کا حصول صرف چار چیزوں میں منحصر ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر بیان القرآن میں اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں نبی کریم ﷺ کی رسالت کا اپنے اچھوتے انداز میں

کچھ اس طرح اثبات کرتے ہیں:

"اور لوگ پھر محتاج تجدید ہدایت ہوئے تو اپنی سنت مستمرہ کے موافق ہم نے آپ ﷺ کو رسول بنایا، جس کے دلائل میں سے ایک یہی واقعہ موسویہ کی یقینی خبر دینا ہے کیونکہ قطعی خبر دینے کے لئے کوئی طریق علم کا "ہونا" ضروری ہے، وہ طریق منحصر ہے چار میں، امور عقلیہ میں عقل، موسویہ واقعہ امور عقلیہ میں سے تو ہے نہیں، اور امور نقلیہ میں یا سماع اہل علم سے جو کہ دوسرا طریق ہے، سو یہ بھی بوجہ عدم مخالطت وعدم مدارست اہل اخبار کے منتفی ہے یا اپنا مشاہدہ جو کہ تیسرا طریقہ ہے۔ سو اس کی نفی نہایت ہی اظہر ہے، چنانچہ ظاہر ہے کہ آپ طور کے مغربی جانب موجود نہ تھے جبکہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو احکام دیئے تھے (یعنی تورات دی تھی) اور وہاں خواص تو کیا موجود ہوتے آپ تو ان لوگوں میں سے بھی نہ تھے، جو اس زمانے میں موجود تھے۔ پس احتمال مشاہدہ کا بھی نہ رہا لیکن بات یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد بہت سی نسلیں پیدا کیں۔ پھر ان پر زمانہ دراز گزر گیا، جس سے پھر علوم صحیحہ نایاب ہو گئے اور پھر لوگ محتاج ہدایت ہوئے اور گو درمیان درمیان انبیاء علیہم السلام آیا کئے مگر ان کے علوم بھی اسی طرح نایاب ہوئے، اس لئے ہماری رحمت مقتضی ہوئی کہ ہم نے آپ ﷺ کو وحی و رسالت سے مشرف فرمایا جو کہ چوتھا طریق ہے، خبر یقینی کا، اور دوسرے طریق علم ظنی کے ہیں جو بحث ہی سے خارج ہے، کیونکہ آپ کی یہ خبریں بالکل یقینی اور قطعی ہیں حاصل یہ کہ علم یقینی کے چار طریقے ہیں اور تین منتفی ہیں۔ پس چوتھا متعین اور یہی مطلوب ہے۔ اور (جیسے آپ نے عطاء تورات کا مشاہدہ نہیں کیا اور صحیح و یقینی خبر دے رہے ہیں اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے قیام مدین کا مشاہدہ نہیں فرمایا چنانچہ ظاہر ہے کہ) آپ اہل مدین میں قیام پذیر نہ تھے، کہ آپ (وہاں کے حالات دیکھ کر ان حالات کے متعلق) ہماری آیتیں (اپنے) ان (معاصر) لوگوں کو پڑھ کر سنا رہے ہوں، لیکن ہم ہی (آپ کو) رسول بنانے والے ہیں (کہ

رسول بنا کر یہ واقعات وحی سے بتلا دیئے) اور (اسی طرح) آپ طور کی جانب (غربی مذکور) اس وقت بھی موجود نہ تھے، جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو پکارا تھا ﴿یٰمُوْسٰۤی اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَ اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ﴾ (القصص) جو کہ ان کو نبوت عطاء ہونے کا وقت تھا) لیکن (اس کا علم بھی اسی طرح حاصل ہوا کہ) آپ اپنے رب کی رحمت سے نبی بنائے گئے تا کہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا (نبی) نہیں آیا کیا عجب نصیحت قبول کر لیں۔ ①

﴿وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ﴾ کے ضمن میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت ہی قیمتی اور مفید تفسیری نوٹ کا اضافہ کیا ہے جس کا یہاں ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہیں۔ چنانچہ آپ رقم فرماتے ہیں:

"یعنی جب موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی ﴿اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ تم وہاں کھڑے سن نہیں رہے تھے، یہ حق تعالیٰ کا انعام ہے آپ کو ان واقعات وحقائق پر مطلع کیا اور تمہارے ساتھ بھی اسی طرح کا برتاؤ کیا جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا تھا گویا "جبل النور" جہاں "غارِ حرا" ہے اور مکہ مدینہ میں "جبل طور" اور "مدین" کی تاریخ دُہرا دی گئی۔" ②

حضرت تھانوی رحمہ اللہ اور علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس چشم کشا تفسیری فوائد کے بعد مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن وحی الٰہی کے ناقدین کو سمجھنا چاہیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول کوئی انوکھا واقعہ اور نئی بات نہیں ہے بلکہ آپ سے پہلے بھی دنیا کے ایک لاکھ چوبیس ہزار صادق ترین انسانوں نے اس کا مشاہدہ کیا ہے اور انہوں نے بھی اسی ایک صداقت و حقیقت کو پیش کیا ہے جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کے سامنے پیش کیا تھا جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

① بیان القرآن ۱۹/۱، ص ۱۱۰
② تفسیر عثمانی ص ۵۳۴، سورۃ القصص

﴿اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ كَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ﴾ (النساء: ۱۶۳)

پھر کسی انسان پر وحی کا نزول یا بالفاظ دیگر بالواسطہ یا بالواسطہ خدا سے ہم کلامی عقل کی نظر میں بھی مستبعد نہیں، چنانچہ اس سائنٹفک دور میں تو نزول وحی کی حقیقت اور بھی قابل اعتماد ہوگئی ہے، اور خاص کر وہ لوگ جو عمل تنویم یا ہپناٹائزم پر اعتقاد رکھتے ہیں، کے لیے مان لینا اور بھی آسان ہوگیا ہے، کیونکہ عمل تنویم یا ہپناٹائزم کے ذریعہ بھی ایک انسان دوسرے انسان پر خیالی تصرف کرتا ہے، اور اپنی بات اس کے دل میں بلاواسطہ ڈال دیتا ہے۔

چنانچہ اس کیفیت کا حال بیان کرتے ہوئے ورلڈ فیملی انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے:

"اگر تنویم کا عمل ذرا ہلکا ہو تو معمول اس لائق رہتا ہے کہ وہ مختلف اشیاء کا تصور کر سکے، مثلاً اس حالت میں یہ ممکن ہے کہ وہ (عامل کی ہدایت کے مطابق) اپنے آپ کو کوئی اور شخصیت یقین کر لے، اسے کچھ خاص چیزیں (جو وہاں فی الواقع موجود نہیں ہیں) نظر آنے لگیں، یا وہ غیر معمولی حس اپنے اندر محسوس کرنے لگے اس لئے کہ وہ عامل کی ہدایت کا تابع ہوجاتا ہے۔"[①]

غرض کہ سحر یزم ہو، ہپناٹائیزم، یا عمل تنویم اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ ایک آدمی دوسرے انسان کو مسخر کر کے اپنے خیالات اور اپنے نظریات اور اپنی باتیں اس کے دل ودماغ میں ڈال دیتا ہے پھر وہ شخص اس عمل کی وجہ سے اسی آدمی کے تابع ہوکر رہ جاتا ہے۔ اب غور کیجیے کہ جس خدا نے ایک انسان کو تصور خیالی بالفاظ دیگر عمل تنویم میں اتنی قوت دی ہے کہ وہ معمولی معمولی مقاصد کے لئے بلکہ بعض اوقات بالکل ہی بیکار باتوں کے لئے دوسرے کے قلب ودماغ پر قابض ہوجاتا ہے تو کیا وہ خود اس امر پر قادر نہیں کہ خود ایک نبی کے قلب کو مسخر کر کے اپنا کلام اس میں ڈال دے اور اس طرح ضلالت وگمراہی میں بھٹکتے ہوئے لوگوں کی ہدایت اور انسانیت کی راہنمائی کا سامان مہیا کرے۔ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ ○

① The word Faimly Encyclopedia 1957، بحوالہ علوم القرآن ص ۴۷۔

سب سے پہلی وحی؟

محققین علماء نے اس موضوع کو بھی خاص اہمیت دی ہے کہ حضور اقدس ﷺ پر نازل ہونے والی سب سے پہلی وحی کون سی ہے؟ اور سب سے پہلی سورت یا آیت کون سی ہے؟

اس سلسلہ میں راجح ترین اور محقق بات یہ ہے کہ آپ ﷺ پر نازل ہونے والی سب سے پہلی آیتیں سورہ علق کی ابتدائی آیتیں ہیں، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سند سے ... یث نقل کی ہے کہ آپ ﷺ پر سب سے پہلی نازل ہونے والی آیت ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝۳﴾ (العلق) ہے۔[1]

دوسرا قول یہ ہے کہ سب سے پہلی نازل ہونے والی سورہ مدثر ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے ظاہری الفاظ سے یہ مغالطہ ہوتا ہے، لیکن غور کیا جائے تو خود حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلی نازل ہونے والی آیت سورہ مدثر کی ابتدائی آیات نہیں بلکہ سورہ علق ہی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ زہری رحمہ اللہ کی روایت اس طرح نقل کرتے ہیں۔

((عَنِ الزُّهْرِيِّ فَأَخْبَرَنِيْ اَبُوْسَلَمَةَ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَ هُوَ يُحَدِّثُ عَنْ فَتْرَةِ الْوَحْيِ ، فَقَالَ : فِيْ حَدِيْثِهٖ فَبَيْنَا أَنَا أَمْشِيْ إِذْ سَمِعْتُ مِنَ السَّمَاءِ فَرَفَعْتُ رَأْسِيْ، فَإِذَا الْمَلَكُ الَّذِيْ جَاءَنِيْ بِحِرَاءَ، جَالِسٌ عَلٰى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ فَجُئِثْتُ مِنْهُ رُعْبًا فَرَجَعْتُ فَقُلْتُ : زَمِّلُوْنِيْ زَمِّلُوْنِيْ فَدَثَّرُوْنِيْ فَنَزَّلَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَا اَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ إِلٰى وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ، قَبْلَ اَنْ تُفْرَضَ الصَّلَاةُ وَ هِيَ الْاَوْثَانُ ، قَوْلُهٗ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ يُقَالُ الرُّجْزُ وَالرِّجْسُ الْعَذَابُ)).[2]

---

[1] بخاری ۱/۳ رقم الحدیث ۳ ، نیز بخاری کتاب التفسیر

[2] بخاری کتاب التفسیر ۲۲۶-۳۲۱ ، ط : بیروت

"امام زہری سے مروی ہے وہ سلمہ بن عبدالرحمٰن کے واسطہ سے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فترت وحی کے سلسلہ میں بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دن میں چل رہا تھا کہ ایک آواز آسمان سے سنائی دی میں نے سر اٹھایا تو دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ جو حرا میں آیا تھا آسمان وزمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے تو میں بہت گھبرا گیا اور گھر لوٹ آیا اور کہا کہ مجھے کمبل اوڑھا دو، چنانچہ مجھے کمبل اُوڑھا دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿يَاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝﴾ (المدثر)۔"

یہ روایت صاف بتلا رہی ہے کہ یہ نزول "وحی" کا پہلا واقعہ نہیں تھا بلکہ اس سے پہلے بھی فرشتہ "وحی" لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آچکا تھا۔ چنانچہ آپ کا یہ ارشاد فرمانا ((فَاِذَا الْمَلَكُ الَّذِیْ جَآءَنِیْ بِحِرَاءٍ)) خود اس بات کی دلیل ہے، اور رہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وہ روایت جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت سورہ مدثر ہے، تو وہ علماء کے نزدیک مؤوّل ہے اور علماء سے اس کی متعدد تاویلیں منقول ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

ہو سکتا ہے کہ اس روایت سے مراد یہ ہو کہ فترۃ کے بعد نازل ہونے والی پہلی سورہ "سورہ مدثر" ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حدیث مرفوع نہ ہو بلکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا اپنا اجتہاد ہو، یعنی ان کے خیال میں سب سے پہلی نازل ہونے والی سورہ "سورہ مدثر" ہو۔ مشہور محدث علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہی بات میرے نزدیک زیادہ راجح اور درست ہے:

اِنَّهٗ اِجْتِهَادٌ مِنْ جَابِرٍ وَلَيْسَ مَرْفُوْعًا وَهُوَ الْاَصْوَبُ عِنْدِیْ.①

اور اسی کے قائل علامہ کرمانی رحمہ اللہ بھی ہیں، جیسا کہ حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے۔②

---

① فیض الباری ۲۵/۱ ② فتح الباری ۷۷۸/۸

لیکن علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی تاویل کو بھی مستحسن قرار دیا ہے، ان کے علاوہ متعدد تاویلیں علماء سے منقول ہیں جس کا علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ ①

سورہ اقراء کے نزول کی حکمت اور اسلام کا پیغام

ظہورِ اسلام اور بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پوری دُنیا خاص کر عرب کا کیا حال تھا؟ یہ اہل علم و دانش اور تاریخ سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والے لوگوں کی نظروں سے بھی اوجھل نہیں ہے، چوری، زنا، ڈاکہ زنی، شراب نوشی، حرام خوری، ظلم وزیادتی، تکبر اور خاندانی عصبیت حتیٰ کہ اپنی لاڈلی اور معصوم بیٹی کو زندہ درگور کر دینا بھی ان لوگوں کے لئے کوئی اہمیت کی بات نہ تھی، جس زیادتی کا شاہد خود قرآن کریم ہے:

﴿ وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝۸ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝۹ ﴾ (التکویر)

غرض کہ کون سی برائی تھی جو ان میں نہیں پائی جاتی تھی پھر اس ماحول میں اور ایسی حالت میں "اِقْرَاْ" یعنی پڑھنے، کا حکم کچھ عجیب وغریب معلوم ہوتا ہے، لیکن اگر اس پر غور کیا جائے اور گہری نظر ڈالی جائے تو خدا کی عظیم حکمت وحی کے نزول کی ابتداء میں پوشیدہ نظر آتی ہے، یہ آیت ہمیں بتاتی ہے کہ ہر طرح کے بگاڑ کا سرچشمہ جہالت ہے اور تمام نیکیوں اور بھلائیوں کی اساس علم ومعرفت ہے، علم آئے گا تو خود بخود برائیوں کی گھٹائیں چھٹ جائیں گی، اس آیت کے نزول میں اس طرف بھی اشارہ تھا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم (جو کہ اُمی تھے) دُنیا کے سب سے بڑے معلم اور مربی ہوں گے، اور مذہب اسلام دُنیا میں تعلیم کا سب سے بڑا علمبردار ہوگا اور تعلیم ہی دُنیا کی سب سے بڑی نعمت و دولت ہے۔ چنانچہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ ﴾ پر جو تفسیری نوٹ ہے اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے:

"حاصل یہ ہے کہ امرِ اوّل ﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ ﴾ سے مقصودیت قید کا شبہ نہ کیا جائے، بلکہ خود (قراۃ) تعلیم بھی فی نفسہا مقصود ہے، کیونکہ تبلیغ کا ذریعہ بھی قرأت

---

① الاتقان: ۱/۷۲-۶۹؛ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں اور بھی اقوال ذکر کئے ہیں دیکھئے: الاتقان ۱/۷۲-۶۹

(تعلیم) ہے اور تبلیغ ہی اصل کام صاحب وحی کا ہے۔"[1]

الغرض سورہ اقرأ کے نزول میں یہی حکمت ہے کہ انسانیت کی فلاح و بہبود اور کامیابی و کامرانی کے لئے تعلیم ضروری ہے، اور انسانیت کی نجات کا راز اسی میں پوشیدہ ہے۔

قرآن کریم اور اس کے حفظ کی فضیلت؟

وحی الٰہی کے سلسلے میں اس مختصر سی بحث کے بعد مقصود سے پہلے مناسب خیال ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے کچھ فضائل اور مسائل بیان کر دیئے جائیں۔ چنانچہ علماء کا متفقہ قول ہے کہ قرآن کے اتنے حصہ کا حفظ کرنا جس سے نماز ادا ہو جائے فرض عین ہے۔ اور پورے قرآن کریم کا حفظ فرض کفایہ ہے۔ خدانخواستہ اگر کسی آبادی میں ایک بھی حافظ نہ ہو تو پوری آبادی کے مسلمان گنہگار ہوں گے، اتنا ہی نہیں زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے تو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ سے یہاں تک نقل کیا ہے کہ کسی شہر یا گاؤں میں کوئی قرآن پڑھنے والا نہ ہو تو سب کے سب گنہگار ہوں گے۔ یہ تو بہت بڑی بات ہوگی اور بڑی ہی ضلالت و گمراہی کا سبب ہوگا کہ حفظ قرآن کو فضول سمجھا جائے، اس کے الفاظ کے رٹنے کو حماقت بتلایا جائے یا اس کو دماغ سوزی یا تضیع اوقات سے تعبیر کیا جائے (اللہ ہمیں محفوظ رکھے) قرآن کریم کے پڑھنے پڑھانے کی اور اس کے حفظ کی فضیلت میں بہت ساری احادیث وارد ہوئی ہیں۔ امام بخاری وغیرہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ حدیث نقل کی ہے:

((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ)).[2]

"کہ تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔"

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

"اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حافظ قرآن سے کہے گا کہ تم پڑھتے جاؤ اور چڑھتے جاؤ اور جنت میں تمہیں وہی مقام نصیب ہوگا جہاں تمہاری تلاوت ختم ہو جائے گی۔"[1]

---

① بیان القرآن ۱۲/۱۰۹ ② بخاری ۵۰۲۸-۵۰۲۷ ③ ترمذی حدیث نمبر ۲۹۱۴

قرآن کریم کے حفظ کی برکت کا مظہر قیامت کے دن اس انداز میں بھی دیکھنے کو ملے گا کہ اللہ تعالیٰ حفاظ کرام کے اعزاز و اکرام اور ان کے مراتب کے اظہار کے لئے ان کے والدین کی تاج پوشی کرے گا۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَ عَمِلَ بِمَا فِیْہِ اُلْبِسَ وَالِدُہٗ تَاجًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ضَوْءُہٗ اَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِیْ بُیُوْتِ الدُّنْیَا لَوْ کَانَتْ فِیْکُمْ فَمَا ظَنُّہٗ بِالَّذِیْ عَمِلَ بِھٰذَا)).

"آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے اور اس پر عمل کرے اس کے والدین کو قیامت کے دن ایک تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی آفتاب کی روشنی سے بھی زیادہ ہوگی۔ اگر وہ آفتاب تمہارے گھروں میں ہو، پس کیا گمان ہے تمہارا اس شخص کے متعلق جو خود اس عمل کو انجام دینے والا ہو۔"

اتنا ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو کیونکر گوارہ ہو سکتا تھا کہ اس کے کلام کو اپنے سینے میں محفوظ رکھنے والا آدمی جنت میں مزے اڑائے، اور اس کے اہل خانہ جہنم کا عذاب بھگتیں یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حافظ قرآن کو اجازت دے گا کہ وہ اپنے گھر والوں میں سے ان دس لوگوں کی شفاعت کرے جن پر جہنم واجب ہو چکی ہے اور اس کی سفارش قبول کرے گا۔ چنانچہ صادق و مصدوق ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَاسْتَظْھَرَہٗ فَاَحَلَّ حَلَالَہٗ وَ حَرَّمَ حَرَامَہٗ اَدْخَلَہُ اللّٰہُ الْجَنَّۃَ وَ شَفَّعَہٗ فِیْ عَشَرَۃٍ مِنْ اَھْلِ بَیْتِہٖ کُلُّھُمْ قَدْ وَجَبَتْ لَہُ النَّارُ)).①

"جس شخص نے قرآن پڑھا پھر اس کو یاد کیا اور اس کے حلال کو حلال جانا اور حرام کو حرام، حق تعالیٰ شانہ اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے، اور اس کے گھر میں سے ان دس آدمیوں کے حق میں اس کی شفاعت قبول فرمائیں گے جن پر جہنم واجب ہو چکی ہے۔"

اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت کا مشاہدہ کیجئے کہ اس ذات واحد نے اپنی رحمتوں کی

① ابن ماجہ

بارش صرف انہیں لوگوں کے لئے مخصوص نہیں کر دی جنہوں نے قرآن کریم کو اپنے سینوں میں محفوظ کر لیا ہے بلکہ اس کی رحمت واسعہ ان لوگوں کو بھی شامل ہے جو کلام الٰہی کو دیکھ کر ہی پڑھتے ہیں، چنانچہ اپنے محبوب نبی کی مبارک زبان سے یہ اعلان کروا دیا اور مژدہ سنایا کہ

قِرَاءَةُ الرَّجُلِ الْقُرْآنَ فِيْ غَيْرِ الْمُصْحَفِ أَلْفُ دَرَجَةٍ وَ قِرَأَتُهُ فِي الْمُصْحَفِ تُضَعَّفُ عَلَى ذَالِكَ إِلَى أَلْفَيْ دَرَجَةٍ)).[1]

"کسی آدمی کا زبانی تلاوت کرنا ایک ہزار درجہ ثواب کا باعث ہے تو قرآن دیکھ کر پڑھنا دو ہزار درجہ ثواب کے برابر ہے۔"

لیکن امام نووی رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ یہ فضیلت آدمیوں کے لحاظ سے مختلف ہوگی، ان لوگوں کے لئے دیکھ کر پڑھنا افضل ہے، جو دیکھ کر پڑھنے میں قرآن کریم میں زیادہ غور و خوض اور تدبر و تفکر سے کام لے سکتے ہیں اور ان لوگوں کے لئے زبانی پڑھنا افضل ہوگا جن کے لئے زبانی ہی پڑھنے میں غور و فکر کرنا آسان ہو۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی رائے کو پسند کیا ہے۔ ان احادیث کے علاوہ بھی متعدد روایتیں احادیث کی کتابوں میں ملتی ہیں جن سے قرآن کریم کی فضیلت اور حفظ قرآن کی اہمیت سمجھ میں آتی ہے۔ غرض قرآن کریم کا حفظ اور اس سے شغف باعث ثواب اور موجب رحمتِ خداوندی ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ

قرآن کریم کے سات حروف؟

امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے امام زہری رحمہ اللہ کی سند سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((أَقْرَأَنِيْ جِبْرَئِيْلُ عَلَى حَرْفٍ فَرَاجَعْتُهُ فَلَمْ أَزَلْ أَسْتَزِيْدُهُ وَ يَزِيْدُنِيْ حَتَّى انْتَهَى إِلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ)).[2]

"کہ حضرت جبرئیل (علیہ السلام) نے مجھے ایک حرف (ایک قرأت) کے مطابق

---

① بیہقی شعب الایمان

② بخاری ۲/۷۴۷، باب انزل القرآ، علی سبعة احرف رقم الحدیث: ۴۹۹۱

پڑھایا، پھر میں نے ان سے مراجعت کی اور برابر زیادتی قرأت کا میرا مطالبہ جاری رہا، حتیٰ کہ سات حروف (قرأت) پر جا کر ختم ہوا۔"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی باب کے تحت ایک طویل حدیث اس طرح نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب نے حضرت ابن حکیم رضی اللہ عنہ کو قرأت کرتے ہوئے سنا، تو انہیں خیال ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح پڑھایا، یہ اس طریقہ پر نہیں پڑھ رہے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے استفسار کیا کہ تمہیں اس طرح کس نے پڑھایا؟ انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ میں نے کہا تو جھوٹ بولتا ہے، مجھے تو اس طرح نہیں پڑھایا، پھر میں ابن حکیم کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم دونوں ہی کی قرأت سننے کے بعد ارشاد فرمایا:

((کَذَالِكَ اُنْزِلَتْ)).

"ایسے ہی قرآن نازل ہوا۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ اُنْزِلَ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ فَاقْرَؤُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ)).①

"یعنی یہ قرآن سات حروف کے مطابق نازل کیا گیا ہے تمہیں جیسی سہولت ہو پڑھو۔"

مذکورہ دونوں حدیثوں کے علاوہ بھی اصحاب حدیث نے متعدد ایسی روایتیں نقل کی ہیں، جن میں سات حروف کا ذکر آیا ہے اور اکیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ حدیث مروی ہے جن میں ابی بن کعب، انس، حذیفہ، عبدالرحمٰن بن عوف، عثمان بن عفان، عمر بن خطاب اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم کے نام قابل ذکر ہیں۔② رواۃ کی اس کثرت کو دیکھتے ہوئے مشہور محدث امام ابوعبید قاسم بن سلامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے متواتر ہونے کی صراحت کی ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

((اَقُوْلُ: رَوٰی اَحَدٌ وَ عِشْرُوْنَ صَحَابِيًّا حَدِيْثَ نُزُوْلِ الْقُرْآنِ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ حَتّٰى نَصَّ اَبُوْ عُبَيْدٍ عَلٰی تَوَاتُرِهٖ)).③

---

① حوالہ سابق ۲۰/۱ ② [illegible] ۲٤٧/۱ [illegible]

"سبعہ احرف کے متعلق نزول قرآن کی روایت اکیس صحابیوں سے مروی ہے

حتیٰ کہ ابو عبید نے اس کے متواتر ہونے کی صراحت کی ہے۔"

علامہ ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ فن قرأت کے معروف امام علامہ ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ نے تو ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے جس میں اس حدیث کے تمام طرق جمع کیا ہے، اور ان کے حسب بیان یہ حدیث مذکورہ صحابیوں سے مروی ہے، ان کے علاوہ دوسرے محدثین نے نقل کیا ہے کہ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ منبر سے اعلان کیا کہ وہ تمام حضرات کھڑے ہو جائیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتنی بڑی جماعت کھڑی ہو گئی جن کا شمار مشکل تھا۔ [1]

حروف سبعہ کا مفہوم؟

ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل کیا گیا لیکن سات حروف سے کیا مراد ہے اور اس کا کیا مطلب ہے؟ یہ علوم قرآن کے مشکل ترین مباحث میں سے ایک ہے اور یہ ایسی معرکۃ الآراء اور دقیق بحث ہے جس میں محققین علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ یہاں ہمارے لئے ان مباحث کا احاطہ ممکن نہیں اس لئے اس سے متعلق ضروری باتیں پیش خدمت ہیں:

اس حدیث میں سب سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ سات حروف پر قرآن کریم کے نازل ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس سلسلہ میں علماء کرام کے نظریات اور ان کی آراء میں شدید اختلاف ملتا ہے، ابو حاتم بن حبان رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے پینتیس اقوال لکھے ہیں، جبکہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے روح المعانی کے مقدمے میں سات اقوال ذکر کئے ہیں، جو مختصراً یہاں ذکر کئے جاتے ہیں:

① یہ ایسا مشکل ترین معاملہ ہے جس کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

② اس سے مراد قرائتیں ہیں، لیکن سات کے لفظ سے سات کا مخصوص عدد مراد نہیں بلکہ اس سے مراد کثرت ہے، اور عربی زبان میں سات کا لفظ محض کسی چیز کی کثرت کو بیان

① فتح الباری ۲۶/۹

کرنے کے لئے اکثر استعمال ہوتا ہے، لہٰذا اس حدیث کا مقصد یہ نہیں کہ قرآن کریم متعدد طریقوں سے نازل ہوا، متقدمین علماء میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے[1] اور علماء ہند میں مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اسی قول کو پسند فرمایا ہے۔ لیکن یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث:

((إِنَّ جِبْرَئِيلَ وَ مِيكَائِيلَ أَتَيَانِي فَقَعَدَ جِبْرَئِيلُ عَنْ يَمِينِي وَ مِيكَائِيلُ عَنْ يَسَارِي فَقَالَ جِبْرَئِيلُ: إِقْرَءِ الْقُرْآنَ عَلَى حَرْفٍ فَقَالَ مِيكَائِيلُ اِسْتَزِدْهُ حَتَّى بَلَغَ سَبْعَةَ أَحْرُفٍ)).[2]

سے معارض معلوم ہوتی ہے، اس لئے درست نہیں ہے، اسی حدیث کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں اس طرح نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنو غفار کے تالاب کے پاس تھے:

((فَأَتَاهُ جِبْرَئِيلُ فَقَالَ: إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقْرَأَ أُمَّتُكَ الْقُرْآنَ عَلَى حَرْفٍ، فَقَالَ: أَسْأَلُ اللّٰهَ مُعَافَاتَهُ وَ مَغْفِرَتَهُ وَ إِنَّ أُمَّتِي لَا تُطِيقُ ذَالِكَ، ثُمَّ أَتَاهُ الثَّانِيَةَ، فَقَالَ: إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقْرَأَ أُمَّتُكَ الْقُرْآنَ عَلَى حَرْفَيْنِ، فَقَالَ: أَسْأَلُ اللّٰهَ مُعَافَاتَهُ وَ مَغْفِرَتَهُ وَ إِنَّ أُمَّتِي لَا تُطِيقُ ذَالِكَ، ثُمَّ جَاءَهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ: إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقْرَأَ أُمَّتُكَ الْقُرْآنَ عَلَى ثَلَاثَةِ أَحْرُفٍ فَقَالَ: أَسْأَلُ اللّٰهَ مُعَافَاتَهُ وَ مَغْفِرَتَهُ وَ إِنَّ أُمَّتِي لَا تُطِيقُ ذَالِكَ ثُمَّ جَاءَهُ الرَّابِعَةَ: فَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقْرَأَ أُمَّتُكَ الْقُرْآنَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَأَيُّمَا حَرْفٍ قَرَأُوا عَلَيْهِ فَقَدْ أَصَابُوا)):[3]

"پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ کی (پوری) امت قرآن کریم کو ایک ہی حرف پر پڑھے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ سے معافی اور مغفرت مانگتا ہوں،

---

① روح المعانی ۲۰/۱
② نسائی، عن ابی بن کعب بحوالہ فتح الباری ۲۴/۹، نیز دیکھیے روح المعانی ۲۰/۱
③ مناہل العرفان ۱۳۳/۱

میری امت میں اس کی طاقت نہیں، پھر جبرئیل علیہ السلام دوبارہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ کی امت قرآن کریم کو دو حرف پر پڑھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت مانگتا ہوں، میری امت میں اس کی طاقت نہیں ہے۔ پھر وہ تیسری بار آئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ کی امت قرآن کریم کو تین حروف میں پڑھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہوں، میری امت میں اس کی طاقت نہیں ہے۔ پھر وہ چوتھی بار آئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ کی امت قرآن کو سات حروف پر پڑھے۔ پس وہ جس حرف پر بھی پڑھیں گے ان کی قرأت درست ہوگی۔"

اس طرح کی روایتوں کا سیاق صاف بتلا رہا ہے کہ روایت میں "سبعہ" سے مراد محض کثرت نہیں، بلکہ "سبعہ" کا مخصوص عدد ہے۔ اس لئے ان احادیث کی روشنی میں قاضی عیاض اور حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا قول درست نہیں معلوم ہوتا، چنانچہ جمہور نے بھی اس کی تردید کی ہے۔

③ بعض علماء کا خیال ہے کہ "سبعہ احرف" سے مراد سات لغات ہیں، چونکہ اہل عرب مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے گو کہ ان کی زبان عربی تھی، پھر بھی ہر قبیلے کی زبان دوسرے قبیلوں سے تھوڑی تھوڑی مختلف تھی، اور یہ اختلاف ٹھیک ایسا ہی تھا جیسا کہ بڑی بڑی زبانوں میں قبائل اور علاقے کے لحاظ سے رونما ہوتا رہتا ہے، شاید اسی لئے اللہ نے ان تمام قبائل کی رعایت کرتے ہوئے سات لغات میں پڑھنے کی اجازت دی، تا کہ ہر قبیلہ اسے اپنی لغت کے مطابق پڑھ سکے۔

بعض علماء نے ان سات قبائل کے اسماء یہ ذکر کیے ہیں:

① قریش ② ہزیل ③ تمیم الرباب ④ ازد

⑤ ربیعہ ⑥ ہوازن ⑦ سعد بن بکر

لیکن حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے بعض حضرات سے یہ قبائل نقل کئے ہیں:

ہزیل، کنانہ، قیس، ضبۃ، تیم الرباب، اسد ابن خزیمہ، قریش۔ ①

لیکن ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ قرآن صرف لغت قریش کے مطابق نازل ہوا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ﴾ (ابراہیم:۴) ②

ان کے علاوہ بہت سارے محققین مثلاً حافظ ابن عبد البر، علامہ جلال الدین سیوطی، علامہ ابن جزری رحمہم اللہ وغیرہ نے اس قول کی یہ کہتے ہوئے تردید کی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ کے درمیان قراءتوں کا اختلاف اس بات کی دلیل ہے کہ "سبعۃ احرف" سے مراد "سبعۃ لغات" نہیں اس لئے کہ دونوں ہی حضرات قریشی ہیں، پھر ان دونوں حضرات کے درمیان قرأت میں اختلاف کیا معنی رکھتا ہے؟ پھر یہ قول اس لئے بھی کمزور اور ضعیف معلوم ہوتا ہے کہ سات لغات کے لئے انہیں سات قبیلوں کا انتخاب کیوں کیا گیا، اور اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ یہ ترجیح بلا مرجح ہے، جو عقلاً اور اصولاً درست نہیں۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ہشام ابن حکیم رضی اللہ عنہ اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے درمیان قرأت کے اختلاف پر وارد ہونے والے اعتراض کو یہ کہہ کر ردّ کرنے کی کوشش کی ہے کہ

"ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میں سے کسی کو لغت قریش کے علاوہ کسی اور لغت میں پڑھایا ہو۔" ③

لیکن اس جواب کا ضعف عیاں ہے، کیونکہ قرآن کریم کے مختلف لغات میں نازل ہونے کا مقصد اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا کہ تمام قبائل والوں کو پڑھنے میں سہولت ہو، اور ہر قبیلہ والا اپنے قبیلے کی لغت کے اعتبار سے بسہولت پڑھ سکے۔ اس لئے یہ بات نبوت کی حکمت اور منصب رسالت سے بعید معلوم ہوتی ہے کہ آپ ایک قریشی آدمی کو لغت قریش کے علاوہ کسی اور لغت میں قرآن کی تعلیم دیں۔

① فتح الباری ۹/۳۷ ② دیکھئے: روح المعانی ۱/۲۱ ③ روح المعانی ۱/۲۲

اس قول کے قائلین پر امام طحاوی کا یہ اعتراض بڑا وزنی معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ اس حدیث میں "سبعہ احرف" سے مراد سات قبائل کے لغات ہیں، تو یہ اس آیت کے معارض ہوگا جس میں یہ ارشاد ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہٖ﴾ (ابراہیم:۴)

"اور ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر اس کی قوم کی زبان میں۔"

اور یہ بات مسلم الثبوت ہے اور تاریخی حقائق اور روایات سے ثابت ہے، جس سے کسی کو مجال انکار نہیں ہوسکتا، کہ آپ ﷺ قریشی تھے اور آپ کی قوم قریش تھی، اس لئے ظاہر ہے کہ قرآن صرف لغت قریش پر نازل ہوا۔[1]

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ جس وقت امیر المومنین سیدنا حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کے جمع ثانی کا ارادہ کیا اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو اس کام پر مامور فرمایا تو انہیں یہ ہدایت فرمائی کہ:

((اِذَا اخْتَلَفْتُمْ اَنْتُمْ وَ زَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ فِیْ عَرَبِیَّۃٍ مِنْ عَرَبِیَّۃِ الْقُرْآنِ فَاکْتُبُوْھَا بِلِسَانِ قُرَیْشٍ فَاِنَّ الْقُرْآنَ اُنْزِلَ بِلِسَانِہِمْ فَفَعَلُوْا)).[2]

"کہ اگر تمہارا اور زید بن ثابت کا لغت قرآن میں اختلاف ہو جائے تو لغت قریش کے مطابق لکھو، اس لئے کہ قرآن انہیں کی لغت کے مطابق نازل ہوا ہے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔"

سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں یہ تصریح ہے کہ قرآن صرف لغت قریش کے مطابق نازل ہوا ہے، پھر اس کے علاوہ اس قول کے قائلین اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ "احرف سبعہ" اور "قرأت سبعہ" دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ قرأت کا اختلاف تو آج بھی موجود ہے اور صرف ایک حرف یعنی لغت قریش کے اندر مشہور ہے۔ اور

---

① مشکل الآثار ٤/١٨٦-١٨٥، ط: دائرۃ المعارف، دکن حیدرآباد

② بخاری ٢/٢٤٥

باقی حروف یا تو منسوخ ہو گئے یا مصالح کے پیش نظر انہیں ختم کر دیا گیا، اس پر دوسرے اشکالات کے علاوہ کہ پورے ذخیرہ احادیث میں غالباً ایک بھی ایسی روایت نہیں ملتی کہ قرآن کریم کی تلاوت میں دو طرح کے اختلافات تھے ایک "سبعۃ احرف" دوسرے قرأت، بلکہ احادیث میں تو صرف سبعہ احرف کے اختلاف کا ذکر ملتا ہے، اور قرأت کا کوئی جداگانہ اختلاف بیان نہیں کیا گیا اور اس بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ "سبعۃ" کی تشریح "سبعہ لغات" سے کمزور معلوم ہوتی ہے۔

④ چوتھا قول یہ ہے کہ "سبعہ احرف" سے مراد سات اصناف ہیں، یعنی قرآن کریم کے احکام کی مختلف صورتیں مثلاً: محکم، متشابہ، ناسخ و منسوخ، عموم و خصوص، قصص وغیرہ۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سات اصناف سے مراد اظہار ربوبیت، ترغیب و ترہیب وغیرہ ہے، جب کہ بعض لوگ سات اصناف سے امر و نہی، وعد وعید اور اباحت و ارشاد وغیرہ سمجھتے ہیں۔ بعض لوگوں سے ان کے علاوہ بھی دوسری تشریحات منقول ہیں، غرض کہ اس قول کے قائلین سات اصناف پر تو متفق نظر آتے ہیں، لیکن اصناف کی تشریح میں ہر ایک کی الگ الگ رائیں ہیں اور اس تشریح میں کسی ایک موقف پر اتفاق نہیں ہے، غالباً اسی لئے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کے نقل کرنے کے بعد یہ Remark کیا ہے:

((الا انّہ لا مُستَنَدَ لہٗ وَلا وَجہَ لِلتَّخصِیص)).[1]

"کہ اس کی کوئی سند نہیں اور نہ اس کی کوئی وجہ تخصیص سمجھ میں آتی ہے۔"

⑤ "سبعۃ احرف" کی تشریح میں ایک قرین قیاس اور دل کو لگنے والا قول امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم نازل تو قریش کی لغت میں ہوا، لیکن چونکہ اہل عرب مختلف علاقوں، مختلف قبائل اور خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے اور ہر ایک کے لئے لغت قریش پر قرآن کریم کی تلاوت دشوار تھی، اسی بناء پر ابتداءً یہ اجازت دے دی گئی کہ وہ اپنی اپنی علاقائی زبان کے مطابق قرآن کریم کی تلاوت کر لیا کریں اور مرادف الفاظ کے ساتھ قرآن کریم پڑھ لیا کریں، چنانچہ جن لوگوں کے لئے قرآن کریم کے

① روح المعانی ۲۱/۱

اصلی الفاظ میں تلاوت مشکل تھی، ان کے لئے بذاتِ خود آپ ﷺ نے مرادف الفاظ متعین فرمادیئے تھے، جن سے وہ تلاوت کیا کرتے تھے، یہ مرادفات قریش اور غیر قریش کی لغات سے چن لئے گئے تھے اور یہ بالکل ایسے ہی تھے جیسے: "تَعَالٰی" کی جگہ "هَلُمَّ" یا "اَقْبِلْ" یا "اُدْنُ" پڑھ لیا جائے، معنی سب کے ایک ہی رہتے ہیں، گو الفاظ میں تبدیلی نظر آتی ہے۔ لیکن یہ اجازت اسلام کے صرف ابتدائی دور میں تھی، لیکن جب اہل عرب قرآن کی زبان سے آشنا اور رفتہ رفتہ عادی بھی ہو گئے اور ان کے لئے اس کی اصل لغت میں قرآن کی تلاوت سہل اور آسان ہو گئی تو آنحضرت ﷺ نے وفات سے پہلے رمضان میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ آخری دور کیا جسے "عرضہ اخیرہ" کہتے ہیں، اس موقع پر مرادفات سے پڑھنے کی اجازت ختم کر دی گئی اور صرف وہی طریقہ باقی رہ گیا جس پر قرآن نازل ہوا تھا، یعنی لغت قریش پر ہی پڑھنے کی اجازت باقی رکھی گئی۔ ①

غرض کہ امام طحاوی رحمہ اللہ کی رائے کے مطابق "حروف سبعہ" والی حدیث اسی عہد اور زمانے سے متعلق ہے جبکہ تلاوت میں مرادفات کے استعمال کی اجازت تھی، اور اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ قرآن کریم سات حروف میں نازل ہوا، بلکہ اس کا مفہوم یہ تھا کہ قرآن کریم اس وسعت سے نازل ہوا کہ ہر قبیلے اور علاقہ کے لوگ حسب سہولت ایک مخصوص مدت تک سات حروف میں پڑھ سکتے ہیں، اور سبعہ احرف سے یہ مراد نہیں ہے کہ قرآن کے ہر کلمہ میں سات حروف مرادف کے استعمال کی اجازت ہو، بلکہ اس سے مراد ہے کہ حد سے حد مرادفات سات ہی استعمال کر سکتے ہیں، اور وہ بھی اپنی مرضی سے نہیں بلکہ انہیں مرادفات کے استعمال کی اجازت ہوگی جس کی تعیین خود آپ ﷺ نے فرمادی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((وَلَيْسَ الْمُرَادُ اَنَّ كُلَّ كَلِمَةٍ وَ جُمْلَةٍ مِنْهُ تُقْرَأُ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ بَلِ الْمُرَادُ اَنَّ غَايَةَ مَا انْتَهٰى اِلَيْهِ عَدَدُ الْقِرَاءَاتِ فِي الْكَلِمَةِ الْوَاحِدَةِ اِلٰى

① مشکل الآثار ۴/۱۹۱-۱۸۶، دیکھئے: روح المعانی ۱/۲۸

سَبْعَةٍ ؟)).[1]

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ حضرت سفیان بن عیینہ، ابن وہب اور حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہم نے اسی قول کو پسند کیا ہے، اور حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اکثر اہل علم کا قول بتلایا ہے۔[2] یہ قول پچھلے تمام اقوال کے مقابلہ میں قرین قیاس ہے اور اس کے قائلین کا مستدل حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جسے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے:

((أَنَّ جِبْرَئِيلَ قَالَ : يَا مُحَمَّدُ اِقْرَإِ الْقُرْآنَ عَلٰى حَرْفٍ قَالَ مِيكَائِيلُ : اِسْتَزِدْهُ حَتّٰى بَلَغَ سَبْعَةَ أَحْرُفٍ قَالَ : كُلٌّ شَافٍ كَافٍ مَا لَمْ تَخْلِطْ آيَةَ عَذَابٍ بِرَحْمَةٍ أَوْ رَحْمَةً بِعَذَابٍ نَحْوُ قَوْلِكَ تَعَالَ وَ أَقْبِلْ وَ هَلُمَّ وَ اِذْهَبْ وَ اِسْرَعْ وَ عَجِّلْ)).[3]

"جبرئیل علیہ السلام نے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے) کہا اے محمد! قرآن کریم کو ایک حرف پر پڑھیے، میکائیل علیہ السلام نے کہا: اس میں اضافہ کروائیے یہاں تک کہ معاملہ سات حروف تک پہنچ گیا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک شافی و کافی ہے، تاوقتیکہ ایک عذاب کی آیت کو رحمت سے یا رحمت کو عذاب سے مخلوط نہ کریں، یہ ایسا ہی ہوگا جیسے آپ تَعَالَ (آؤ) کے معنی کو هَلُمَّ اور اِذْهَبْ (جاؤ) کے، اِسْرَعْ اور عَجِّلْ کے الفاظ سے ادا کریں۔"

اس قول پر بظاہر کوئی اعتراض نہیں وارد ہوتا، لیکن مشہور محقق مولانا تقی احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ مجھے اس قول میں کچھ اُلجھن محسوس ہوتی ہے، چنانچہ آپ رقم فرماتے ہیں:

"لیکن ایک اُلجھن اس میں بھی باقی رہتی ہے اور وہ یہ کہ قرآن کریم کی مختلف قراءتیں آج تک متواتر چلی آ رہی ہیں، اس قول کے مطابق ان کی حیثیت واضح نہیں

---

① فتح الباری ۲۳/۹

② فتح الباری ۲۶/۸، دیکھئے: الزرقانی ۱۱/۲، روح المعانی ۲۰/۱، البرھان فی علوم القرآن ۲۲٤/۱

③ ھذا لفظ روایۃ احمد و اسنادہ جید - اوجز المسالک ۳۵۷/۲، دیکھئے: روح المعانی ۲۰/۱، فتح الباری ۲٦/۹

ہوتی، اگر ان قراءتوں کو سات حروف سے الگ کوئی چیز قرار دیا جائے تو اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے، احادیث کے وسیع ذخیرے میں احرف کے اختلاف کے علاوہ قرآن کے کسی اور لفظی اختلاف کا ذکر نہیں ملتا پھر اپنی طرف سے یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت میں احرف سبعہ کے علاوہ ایک اور قسم کا اختلاف بھی تھا اس اُلجھن کا کوئی اطمینان بخش حل اس قول کے قائلین کے یہاں مجھے نہیں مل سکا۔"[1]

(٦) "سبعۃ احرف" کی ایک تشریح یہ کی گئی ہے کہ اس سے مراد قرآن کریم کی تلاوت کی کیفیات ہیں، یعنی ادغام، اخفاء، اظہار، اشباع، وغیرہ لیکن یہ قول کافی کمزور معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس تشریح اور توجیہ کو مان لینے کی صورت میں "سبعہ احرف" پر قرآن کریم کے نزول کا کوئی بڑا فائدہ سمجھ نہیں آتا ہے۔ چنانچہ علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں:

((فَلَيْسَ فِيْهِ حِيْنَئِذٍ جَلِيْلُ فَائِدَةٍ)).

وہ اقوال جو یہاں ذکر کئے گئے ہیں ان کے علاوہ بہت سے اقوال علماء سلف سے منقول ہیں، جو خوف طوالت کی وجہ سے چھوڑے جاتے ہیں۔

سبعۃ احرف کی صحیح ترین تشریح:

علماء سلف وخلف کے اقوال اور کتابوں کی مراجعت کے بعد ہمارے نزدیک صحیح ترین اور راجح ترین قول یہ ہے کہ "سبعۃ احرف" سے مراد احادیث مبارکہ میں سات قرائتیں ہیں، اور سات حروف کے اختلاف کی سب سے بہتر تشریح اور تعبیر یہ ہے کہ اس سے مراد "اختلاف قرأت" کی سات نوعیتیں ہیں، اگرچہ قرائتیں سات سے زیادہ ہیں لیکن ان میں جو اختلاف پائے جاتے ہیں وہ صرف سات میں منحصر ہیں (جن کی تفصیل آرہی ہے) غالباً یہ قول متقدمین میں سب سے پہلے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے، مشہور مفسر قرآن علامہ نظام الدین قمی نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں کہ "احرف سبعۃ" کے بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب منقول ہے کہ اس سے مراد قرأت میں مندرجہ ذیل سات قسم کے اختلافات ہیں:

---

① علوم القرآن ۱۰۶

① مفرد وجمع کا اختلاف، کہ ایک قرأت میں مفرد آیا اور دوسری میں صیغہ جمع، مثلاً تمت كَلِمَةُ رَبِّكَ اور كَلِمَاتِ رَبِّكَ۔

② تذکیر وتانیث کا اختلاف، کہ ایک میں لفظ مذکر استعمال ہوا اور دوسری میں مؤنث مثلاً لَا يُقْبَلُ اور لَا تُقْبَلُ۔

③ وجوہ اعراب کا اختلاف، کہ زیر وزبر وغیرہ بدل جائیں جیسے: هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللهِ اور غَيْرِ اللهِ۔

④ صرفی ہیئت کا اختلاف کہ ایک میں کسی باب سے استعمال ہوا اور دوسرے میں کسی اور باب سے جیسے يَعْرِشُوْنَ اور يَعْرُشُوْنَ۔

⑤ ادوات (حروف نحویہ) کا اختلاف جیسے لٰكِنَّ الشَّيَاطِيْنَ اور لٰكِنِ الشَّيَاطِيْنُ۔

⑥ لفظ کا ایسا اختلاف جس سے حروف بدل جائیں، جیسے تَعْلَمُوْنَ اور يَعْلَمُوْنَ، نُنْشِزُهَا اور نَنْشُرُهَا۔

⑦ لہجوں کا اختلاف جیسے تخفیف، تفخیم، ادغام، اَمالہ، مد اور قصر وغیرہ۔[①]

پھر یہی قول علامہ ابن قتیبہ، امام ابوالفضل رازی، قاضی ابوبکر بن الطیب اور محقق ابن الجزری رحمہم اللہ نے اختیار کیا ہے۔[②]

علامہ ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ جو قرأت کے مشہور ومعروف امام ہیں، اپنا یہ قول بیان کرنے سے قبل لکھتے ہیں:

> ”میں اس حدیث کے بارے میں تیس سال تک اشکالات میں مبتلا رہا اور اس پر تیس سال سے غور وفکر کرتا رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ایسی تشریح کھول دی جو ان شاء اللہ صحیح ہوگی۔“[③]

---

① دیکھئے: غرائب القرآن اور غائب القرآن، ہامش ابن جریر ۲۱/۱

② ملاحظہ ہو: فتح الباری ۹/۲۹-۲۸، نیز دیکھئے: الاتقان ۱/۲۲۷-۲۲۳، اور قاضی ابوبکر بن الطیب کا قول تفسیر قرطبی ۱/۴۵ میں دیکھا جا سکتا ہے۔

③ دیکھئے: النشر فی القرأت العشر ۱/۲۶، بحوالہ علوم القرآن ص ۱۰۷

یہ بھی حضرات اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ احادیث میں "سات حروف" سے مراد سات قرائتیں ہیں، لیکن پھر ان کی نوعیتوں کی تعیین میں ان کے درمیان تھوڑا تھوڑا فرق ملتا ہے اور اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ہر ایک نے اپنے اپنے طور اور اپنے اپنے ذوق کے مطابق الگ الگ قرأت کا استقراء کیا ہے، لیکن تمام حضرات میں حضرت الامام ابوالفضل رازی رحمۃ اللہ علیہ کا استقراء سب سے مستحکم اور جامع ہے، چنانچہ امام فرماتے ہیں کہ اختلاف قرأت سات اقسام میں منحصر ہیں:

① اسماء کا اختلاف جس میں واحد، تثنیہ، جمع اور تذکیر و تانیث دونوں کا اختلاف داخل ہے (جیسے تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ، جو ایک قرأت جمع کے ساتھ تَمَّتْ كَلِمَاتُ رَبِّكَ آیا ہے)۔

② افعال کا اختلاف، کسی قرأت میں ماضی اور کسی میں صیغہ مضارع اور کسی میں فعل امر استعمال ہوا ہو (اس کی مثال: "رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا" اور ایک قرأت "بَاعِدْ" کی جگہ بعّد فعل ماضی آیا ہے)۔

③ وجوہ اعراب کا اختلاف کہ اعراب یا حرکات مختلف قرائتوں میں مختلف ہوں (جیسے "وَ لَا يُضَارَّ كَاتِبٌ" اور ایک قرأت میں لَا يُضَارُّ اور ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ اور ایک قرأت میں ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدِ آیا ہے)۔

④ الفاظ کی کمی و زیادتی کا اختلاف کہ ایک قرأت میں کوئی لفظ کم اور دوسری قرأت میں کوئی لفظ زائد ہو، مثلاً ایک قرأت میں "وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى" ہے اور دوسری قرأت میں "وَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى" ہے، یعنی "مَا خَلَقَ" نہیں ہے۔ اسی طرح ایک قرأت میں "وَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِ الْاَنْهَارِ" اور دوسری میں "تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهَارُ" ہے۔

⑤ تقدیم و تاخیر کا اختلاف کہ ایک قرأت میں کوئی لفظ مقدم اور دوسری میں موخر ہے۔ "وَ جَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ" اور ایک قرأت میں "وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْحَقِّ بِالْمَوْتِ" آیا ہے۔

⑥ بدلیت کا اختلاف کہ ایک قرأت میں ایک لفظ ہے اور دوسری میں اس کی جگہ دوسرا لفظ

آیا ہوا ہے (جیسے نُنْشِزُ هَا اور دوسری قرأت میں نَنْشِرُ هَا، نیز فَتَبَيَّنُوْا اور دوسری قرأت فَتَثَبَّتُوْا اور طَلَحَ اور طَلَعَ)۔

⑦ لہجوں کا اختلاف، جس میں تفخیم، امالہ، ترقیق، فتح، اظہار، ادغام وغیرہ کے اختلاف شامل ہیں[1] (مثلاً موسیٰ ایک قرأت میں امالہ کے ساتھ ہے اور اسے موسیٰ پڑھا گیا اور دوسری میں بغیر امالہ کے ہے)۔

علامہ ابن قتیبہ، علامہ ابن الجزری اور قاضی ابوبکر ابن طیب رحمۃ اللہ علیہم کی بیان کردہ وجوہ اختلاف بھی اسی سے ملتی جلتی ہیں، لیکن امام ابوالفضل رازی رحمۃ اللہ علیہ کا استقراء زیادہ جامع ہے کیونکہ اس میں کسی قسم کا اختلاف چھوٹا نہیں ہے، جبکہ ان تین حضرات کے بیان کردہ وجوہ میں ساتواں اختلاف یعنی لہجوں کا اختلاف نہیں ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں لہجوں کا اختلاف ملتا ہے تو کمی بیشی، تقدم و تاخر اور بدلیت کا اختلاف نہیں ملتا ہے، برخلاف امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے کہ ان کا استقراء ان تمام اختلافات کو جامع اور محیط ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوالفضل رحمۃ اللہ علیہ کا قول بڑی اہمیت اور وقعت سے نقل کیا اور کسی طرح کا اعتراض کرنے سے بھی گریز کیا ہے، گویا ان کے نزدیک بھی امام ابوالفضل رحمۃ اللہ علیہ کا استقراء بڑا پسندیدہ ہے۔[2]

اس کے علاوہ خود حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان تینوں قولوں میں امام ابوالفضل رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دی ہے، چنانچہ انہوں نے علامہ ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے بعد لکھا ہے:

((هٰذَا وُجْهٌ حَسَنٌ)). "یہ اچھی توجیہ ہے۔"[3]

جبکہ امام ابوالفضل رازی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ساتوں وجوہ بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

((قُلْتُ: وَقَدْ اَخَذَ كَلَامَ ابْنِ قُتَيْبَةَ وَنَقَّحَهُ)).[4]

---

① فتح الباری ۹/۲۹

② دیکھئے: النشر فی القرأت العشر ۱/۲۸-۲۷، بحوالہ علوم القرآن: ۱۰۹ (مولانا تقی عثمانی)

③ فتح الباری ۹/۲۹ ④ ایضاً

"میرا خیال ہے کہ امام ابوالفضل رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول اختیار کر کے اسے نکھار دیا۔"

متاخرین علماء میں سے شیخ عبدالعظیم زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، اور اس کی تائید و توثیق میں متعلقہ دلائل پیش کئے ہیں۔[1]

الحاصل تشریح و توضیح میں گو اختلاف ہے، لیکن اس بات پر امام مالک، علامہ ابن قتیبہ، امام ابوالفضل رازی، محقق ابن الجزری اور قاضی باقلانی رحمہم اللہ متفق ہیں کہ حدیث میں سات حروف سے مراد قراءت کی سات نوعیتیں ہیں اور یہ اختلاف انہیں ساتوں نوعیتوں میں منحصر ہے۔

یوں تو یہ بات دعویٰ سے نہیں کہی جا سکتی ہے کہ احادیث میں "سبعۃ احرف" سے مراد قراءت کی یہی سات نوعیتیں ہیں، کیونکہ اس طرح کی تعیین کسی بھی حدیث سے ثابت نہیں، لیکن راقم الحروف کی ناچیز رائے میں حدیث مبارکہ کی یہ تشریح سب سے زیادہ بہتر ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ حدیث میں "سبعۃ احرف" سے مراد قراءت کی یہی سات نوعیتیں ہیں، اور اس کی تائید غالباً قرآن کریم کی آیت ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ (المزمل:۲۰) سے ہوتی ہے، غالباً اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ تمہیں جس قراءت میں سہولت ہو قرآن کریم کی تلاوت کرو، گو کہ علماء مفسرین اور فقہاء کرام سے یہ تفسیر منقول نہیں ہے۔ سات نوعیتیں کی تعیین میں امام رازی کی رائے سب سے بہتر ہے کیونکہ آپ کا استقراء موجودہ قراءت کی تمام انواع کو جامع اور محیط ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

اس قول کے راجح ہونے کے دلائل:

"سبعۃ احرف" کی تشریح و تعیین اور تعبیر میں اس قول کے قوی اور راجح ہونے کے دلائل یہ ہیں:

① اس قول کے مطابق "حروف" اور "قراءت" کو دو الگ الگ چیزیں نہیں قرار دینی پڑتی ہیں، جبکہ علامہ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال کو مان لینے کی صورت

① دیکھئے: مناہل العرفان، ص: ۱۵۵-۱۵۴

میں یہ قباحت اور اُلجھن سامنے آتی ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت میں دو قسم کے اختلافات تسلیم کرنے پڑیں گے، ایک حروف کا اختلاف دوسرے قرأت کا اختلاف، حروف کا اختلاف تو اب ختم ہوگیا اور قرأت کا اختلاف باقی ہے۔ حالانکہ احادیث کے پورے ذخیرے کو کھنگالا جائے اور کتب احادیث کی تمام کتابوں کی وَرق گردانی کرلی جائے تو ایک ضعیف حدیث بھی ایسی نہیں ملتی جس سے یہ ثابت کیا جاسکے کہ قرأت اور حروف دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ احادیث میں صرف حروف کے اختلاف کا ذکر ملتا ہے اور غالباً اسی کے لئے جابجا قرأت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور اگر قرأت ان حروف سے الگ کوئی چیز ہوتی تو حدیث کے اتنے بڑے ذخیرے میں کہیں نہ کہیں یہ بات ضرور مل جاتی، یا کم سے کم اشارہ ہی ملتا، کہ قرأت اور حروف کا اختلاف جدا گانہ ہے، اور یہ دونوں دو مختلف چیزیں ہیں۔ آخر کوئی تو وجہ ہے کہ حروف کے اختلاف کی احادیث حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں، اور قرأت کے اختلاف کا کہیں کوئی تذکرہ نہیں، پھر محض قیاس اور رائے کی بنیاد پر یہ کہنا کیونکر درست اور صحیح ہوسکتا ہے کہ قرآن کریم میں دو طرح کے اختلافات تھے۔

② علامہ ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ماننے کی صورت میں یہ بات بھی تسلیم کرنی ہوگی کہ "سات حروف" میں سے چھ حروف منسوخ یا متروک ہوگئے، صرف ایک حرف یعنی حرف قریش باقی رہ گیا ہے، اس نظریہ کی قباحتیں اور خرابیاں ارباب بصیرت اور اہل علم کی نظر سے پوشیدہ نہیں، جبکہ اس آخری قول میں یہ قباحتیں نہیں ہیں، کیونکہ اس کے مطابق آج بھی ساتوں حروف باقی اور محفوظ ہیں۔

③ اس قول کے مطابق "سبعۃ احرف" کے معنی بلا کسی تاویل اور بے جا تکلف کے صحیح ہو جاتے ہیں، جبکہ دوسرے اقوال کے ماننے کی صورت میں ساتوں حروف کی تاویل کرنی پڑتی ہے، خود "سات" کی تعداد کی تاویل میں اُلجھنا پڑتا ہے۔

④ اس رائے کے قائلین میں ایک نام ایسے شخص کا بھی ملتا ہے جو عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہے، اور اقوالِ نبوی کا رمز شناس اور احادیث کے بحر ذخار کے غواصوں میں

ہے، میری مراد امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ہے وہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

⑤ علامہ ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ اور محقق ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ یہ دونوں حضرات جوفن قرأت کے مسلّم امام ہیں بھی اسی کے قائل ہیں، ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ نے تو مکمل تیس سال کے غور وفکر اور غواصی کے بعد اس قول کو اختیار کیا ہے، ان ائمہ کا اس کا قائل ہونا بھی اس قول کے صحت اور ترجیح کے لئے ایک اہم قرینہ ہے۔ ①

اس قول پر وارد ہونے والے اعتراضات

ایک تحقیقی جائزہ

اب چلتے چلتے ایک طائرانہ نظر ان اعتراضات پر بھی ڈالتے چلیے، جو اس قول پر وارد ہوتے ہیں یا وارد کیے گئے ہیں۔

اس پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس قول میں جتنی وجوہ اختلاف بیان کی گئی ہیں، وہ زیادہ تر صرفی ونحوی اصطلاحات وتقسیمات پر مبنی ہیں، حالانکہ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے "سبعۃ احرف" کا مبارک جملہ نکلا تھا، اس وقت صرف ونحو کی یہ فنی اصطلاحات وتقسیمات رائج نہیں ہوئی تھیں، لوگ ان اصطلاحات سے آشنا نہیں تھے، ایسی صورت میں ان وجوہ اختلاف کو "سبعۃ احرف" قرار دینا مشکل معلوم ہوتا ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اعتراض نقل کرنے کے بعد جواب دیا ہے:

((قُلْتُ : وَ لَا يَلْزَمُ مِنْ ذَالِكَ تَوْهِيْنُ مَا ذَهَبَ اِلَيْهِ اِبْنُ قُتَيْبَةَ لِاِحْتِمَالِ اَنْ يَكُوْنَ الْاِنْحِصَارُ الْمَذْكُوْرُ فِيْ ذَالِكَ وَقَعَ اِتِّفَاقًا اِنَّمَا اَطَّلَعَ عَلَيْهِ بِالْاِسْتِقْرَاءِ وَ فِيْ ذَالِكَ مِنَ الْحِكْمَةِ الْبَالِغَةِ مَا لَا يَخْفٰى)). ②

"میرا خیال ہے کہ اس سے ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی کمزوری لازم نہیں آتی، اس لئے کہ ممکن ہے کہ مذکورہ انحصار اتفاقاً ہو گیا ہو، اور اس کی اطلاع استقراء کے

① تفصیل کے لئے دیکھیں: علوم القرآن ۱۱۱-۱۰۶

② فتح الباری ۹/۲۹

ذریعہ ہوگئی ہو، اور اس میں جو حکمت بالغہ ہے وہ پوشیدہ نہیں۔"

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ صحیح ہے کہ عہدِ رسالت میں یہ فنی اصطلاحات رائج نہ تھیں اور کیا عجب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "سبعۃ احرف" کی تشریح اسی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس دور میں نہ فرمائی ہو، لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ فنی اصطلاحات جن مفاہیم سے عبارت ہیں، وہ اس دور میں بھی پائے جاتے تھے، پھر اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مفاہیم کے اعتبار سے وجوہ اختلاف کو سات ہی میں منحصر کردیا ہو تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ ہاں اگر اس دور میں سات وجوہ اختلاف کی تفصیل کی جاتی تو شاید عامۃ الناس کی سمجھ سے بالاتر ہوتی اور وہ حیرانی و استعجاب میں مبتلا ہوجاتے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تفصیل کرنے سے گریز فرمایا ہو، اور صرف اتنا واضح کردیا کہ وجوہ اختلاف "سات" میں منحصر ہیں، بعد کو جب یہ اصطلاحات رائج ہوئیں تو علماء محققین نے استقراء کے ذریعہ ان وجوہ اختلاف کو اصطلاحی الفاظ سے تعبیر کردیا۔ یہ دعویٰ کرنا کہ فلاں شخص کا استقراء بعینہٖ درست ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہی ہے، مشکل ہے لیکن جب مختلف علماء کا استقراء یہ ثابت کررہا ہے کہ وجوہ اختلاف کل سات ہیں، تو اس بات کا یقین ہونے لگتا ہے کہ "سات حروف" سے آپ کی مراد یہی سات وجوہ اختلاف ہیں، ہاں یہ ممکن ہے کہ ان کی تفصیل بعینہٖ وہ نہ ہو جو بعد میں استقراء کے ذریعہ متعین کی گئی ہے، خاص طور پر جبکہ "سبعۃ احرف" کی دیگر توجیہات و تشریحات معقول نہیں معلوم ہوتی ہیں۔

سات قرأتوں کی آسانیاں

اوپر یہ بات گزری کہ قرآن کریم کو سات قرأتوں میں اس لئے نازل کیا گیا کہ امت کے لئے سہولت اور آسانی پیدا ہوسکے، حالانکہ یہ آسانی صرف علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں سمجھ میں آتی ہے، کیونکہ عرب مختلف قبائل میں بٹے ہوئے تھے، اور ہر ایک کی زبان و لغت علیحدہ تھی، اور ایک قبیلے کے لئے دوسرے قبیلے کی لغت میں تلاوت قرآن مشکل تھی، جبکہ امام مالک، امام رازی، امام ابن الجزری اور علامہ ابن قتیبہ رحمہم اللہ کی تشریحات کے مطابق ساتوں حروف لغت قریش ہی سے متعلق ہیں، اس لئے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی

کہ قرآن کریم ایک ہی لغت پر نازل کرنا تھا تو قرأت کے اختلاف کو باقی رکھنے کی کیا ضرورت پیش آئی اور اس سے امت کے لئے کون سی آسانیاں پیدا ہوگئیں؟

اصل میں اس اعتراض کی بنیاد اس بات پر ہے کہ آپ ﷺ نے تلاوت قرآن میں امت کے لئے جو سہولت طلب کی اس میں عربی قبائل کا اختلاف لغت آپ ﷺ کے پیش نظر تھا یا نہیں؟ حافظ ابن جریر رحمہ اللہ چونکہ یہ یقین کر بیٹھے ہیں کہ آپ ﷺ کے پیش نظر قبائل عرب کے لغتوں کا اختلاف ہی تھا، اسی لئے انہوں نے "سبعۃ احرف" کو "سبعۃ لغات" کا جامہ پہنا دیا، حالانکہ اس قول کی تائید میرے علم کے مطابق کسی حدیث سے نہیں ہوتی ہے، اس کے برخلاف ایسی حدیث ملتی ہے جس میں آپ ﷺ نے بڑے ہی واضح اور دوٹوک انداز میں یہ بیان فرمادیا ہے کہ سات حروف کی آسانی طلب کرتے ہوئے آپ ﷺ کے پیش نظر کیا چیزیں تھیں، اور آپ ﷺ نے کیونکر یہ سہولت مانگی تھی؟ چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ:

لَقِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جِبْرَئِیْلَ فَقَالَ: یَا جِبْرَئِیْلُ ! اِنِّیْ بُعِثْتُ اِلٰی اُمَّةٍ اُمِّیِّیْنَ مِنْهُمُ الْعَجُوْزُ وَالشَّیْخُ الْکَبِیْرُ وَالْغُلَامُ وَالْجَارِیَةُ ، وَالرَّجُلُ الَّذِیْ لَمْ یَقْرَأْ کِتَابًا قَطُّ قَالَ : یَا مُحَمَّدُ اِنَّ الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ)).[1]

"رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل (علیہ السلام) سے ملاقات کی اور کہا کہ اے جبریل علیہ السلام! میں ایک اَن پڑھ امت کی طرف بھیجا گیا ہوں، جن میں بوڑھیاں بھی ہیں بوڑھے بھی، لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی اور ایسے لوگ بھی جنہوں نے کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھی، حضرت جبریل (علیہ السلام) نے عرض کیا: اے محمد ﷺ بیشک قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا۔"

اس حدیث کا ظاہر صاف بتلا رہا ہے کہ امت کے لئے سات حروف کی آسانی طلب کرنے میں آپ ﷺ کے پیش نظر یہی بات تھی کہ آپ اُمی اور اَن پڑھ قوم کی طرف مبعوث

---

① ترمذی ۲/ ۱۸۸

کئے گئے ہیں، جس میں ہر طرح کے افراد ہیں اگر ایک قرأت ہی تلاوت کے لئے متعین کر دی جاتی تو یہ اُمی حضرات بڑی مشکل میں پڑ جاتے اور ان کے لئے قرآن کریم کا پڑھنا ایک زحمت بن کر رہ جاتا، اسی لئے ان سات قرأتوں کا مطالبہ کیا گیا تاکہ اگر کسی وجہ سے کسی کی زبان پر ایک لفظ جاری نہ ہو سکے تو وہ شخص متبادل لفظ استعمال کر لے، یا اگر کوئی معروف کا صیغہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو مجہول کا صیغہ ادا کر لے یا کسی کے لئے مفرد ادا کرنا دشوار ہو رہا ہو، تو وہ صیغہ جمع پڑھ لے، غرض کہ اسی طرح ایک قاری قرآن کے لئے خدا کی اس کتاب میں سات طرح کی سہولتیں اور آسانیاں مل جائیں گی۔

اس حدیث سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ آپ ﷺ کے پیش نظر کیا تھا، آپ ﷺ نے سات حروف کا مطالبہ کرتے ہوئے یہ نہیں فرمایا کہ جس امت کا میں نبی بنایا گیا ہوں وہ مختلف قبائل اور برادری سے تعلق رکھتی ہے، اور ان میں ہر ایک کی زبان جدا ہے، آپ ﷺ نے قبائلی اختلاف سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف عمروں کے تفاوت اور اُمی ہونے کی صفت پر زور دیا، یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ ﷺ کے پیش نظر قبائل عرب کا لغوی اختلاف نہیں، بلکہ اُمت کی ناخواندگی کو دیکھتے ہوئے امت کو تلاوت میں ایک عام قسم کی سہولت دینا پیش نظر تھا، جس سے امت کے تمام افراد بلاتفریق فائدہ اٹھا سکیں۔ واللہ اعلم

کیا حروف سبعہ اب بھی محفوظ ہیں؟

احادیث میں وارد "سبعۃ احرف" سات حروف کے معنی اور مفہوم متعین ہو جانے کے بعد یہ بحث اہم ہے کہ یہ سات حروف اب بھی باقی ہیں یا نہیں؟ اس سلسلہ میں متقدمین سے تین اقوال منقول ہیں:

پہلا قول حافظ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہمنواؤں کا ہے اور پہلے ہی گزر چکا ہے کہ ان کے نزدیک "احرف سبعہ" سے مراد قبائل عرب کی سات لغات ہیں، اس لئے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک قرآن کریم ان ساتوں حروف پر پڑھا جاتا رہا ہے، بعد کو جب عہد عثمانی میں اسلام اقطار عالم میں پھیل گیا اور لوگ "حروف سبعہ" سے

عدم واقفیت کی وجہ سے جھگڑنے لگے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سوائے لغت قریش کے تمام لغتوں کو ختم کر دیا، اور "حرف قریش" پر مصاحف مرتب فرما کر تمام روانہ فرمایا اور بقیہ مصاحف نذر آتش کر دیے، تاکہ اختلاف راہ نہ پا سکے، لہٰذا صرف لغت قریش باقی رہا اور بقیہ چھ حروف محفوظ نہیں رہے۔[1]

دوسرا نظریہ امام طحاوی رحمہ اللہ کا ہے چونکہ ان کے نزدیک قرآن کریم نازل تو صرف لغت قریش پر ہوا لیکن امت کی آسانی کے پیش نظر قرآن کریم کی تلاوت میں سات کی حد تک مترادفات کے استعمال کی اجازت دے دی گئی، اور مترادفات کو خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرما دیا، اور اسی اجازت کو زبان نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "سبعة احرف" سے تعبیر کیا، لیکن جب لوگ قرآنی لغت کے عادی ہو گئے تو خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات ہی میں یہ اجازت بھی منسوخ ہو گئی اور اب قرآن صرف لغت قریش ہی پر باقی ہے، اور باقی چھ لغتیں حذف کر دی گئیں۔

((وَ إِنَّ ضَرُوْرَةَ اِخْتِلَافِ لُغَاتِ الْعَرَبِ وَ مَشَقَّةَ نُطْقِهِمْ بِغَيْرِ لُغَتِهِمْ اِقْتَضَتِ التَّوْسِعَةَ عَلَيْهِمْ فِيْ اَوَّلِ الْاَمْرِ، فَأُذِنَ لِكُلٍّ مِنْهُمْ اَنْ يَقْرَأَ عَلٰى حَرْفِهٖ اَيْ عَلٰى طَرِيْقَتِهٖ فِي اللُّغَةِ، اِلٰى اِنِ انْضَبَطَ الْاَمْرُ فِيْ آخِرِ الْعَهْدِ، وَ تَدَرَّبَتِ الْاَلْسُنُ، وَ تَمَكَّنَ النَّاسُ مِنَ الْاِقْتِصَارِ عَلَى الطَّرِيْقَةِ الْوَاحِدَةِ فَعَارَضَ جِبْرَئِيْلُ النَّبِيَّ ﷺ اَلْقُرْآنَ مَرَّتَيْنِ فِي السَّنَةِ الْاَخِيْرَةِ، وَاسْتَقَرَّ عَلٰى مَا هُوَ الْآنَ فَنَسَخَ سُبْحَانَهٗ تِلْكَ الْقِرَأَةَ الْمَاذُوْنَ فِيْهَا)).[2]

"قبائل عرب کی لغتوں کا اختلاف اور دوسری لغت میں پڑھنے کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے ہر ایک کو یہ اجازت دی گئی کہ وہ اپنی لغت میں پڑھے، لیکن آخر زمانہ میں جب زبانیں عادی ہو گئیں اور لوگ ایک ہی طریقہ پر پڑھنے پر قادر

---

① تفسیر ابن جریر طبری ١/١٥، مناهل العرفان ١/٢١٣

② مناهل العرفان ١/٢١٣

ہو گئے، تو آخیر سال میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو دَور کئے اور قرآن کریم موجودہ حالت کی طرح باقی رہ گیا اور اللہ تعالیٰ نے تمام لغتوں کو جس کی اجازت دی گئی تھی منسوخ فرما دیا۔"

غرض کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی سات حروف اب باقی نہیں رہے، بلکہ صرف لغت قریش ہی باقی ہے، جیسا کہ علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے، لیکن کیا ان حضرات کا یہ نظریہ صحیح ہے، اور اس کو تسلیم کرنے میں کیا خرابیاں اور قباحتیں ہیں؟ اس کے بیان کا یہ رسالہ متحمل نہیں [1] اس لئے ہم اس قیل و قال سے صرف نظر کرتے ہوئے، صحیح اور راجح قول کو بیان کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

سب سے بہتر قول:

تیسرا قول جو سب سے بہتر اور بے غبار ہے، وہ یہی ہے کہ "سبعۃ احرف" سے مراد چونکہ اختلاف قرأت کی ہی سات نوعیتیں اور قسمیں ہیں۔ جس کا ذکر گزشتہ اوراق میں ہوا۔ اس لئے یہ ساتوں حروف آج بھی پوری طرح محفوظ اور باقی ہیں، ہاں ابتدائے اسلام میں قرأتوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، اور ان میں مرادف الفاظ کے استعمال کی کثرت تھی، جس کا مقصد یہ تھا کہ جو لوگ لغت قرآن کے عادی نہیں ہو پائے ہیں، ان کے لئے قرأت میں سہولت اور آسانی پیدا کی جائے، لیکن بعد کو جب عرب اس کے عادی ہو گئے تو مرادفات وغیرہ کے بہت سے اختلافات ختم کر دیئے گئے، چنانچہ "عرضۂ اخیرہ" میں یہ سب قرأتیں منسوخ کر دی گئیں لیکن جتنی قرأتیں اس وقت باقی رہ گئیں وہ تواتر کے ساتھ چلی آ رہی ہیں اور ان کی تلاوت ہوتی آ رہی ہے۔

سچی بات یہی ہے کہ "احرف سبعہ" کی مشکل اور پیچیدہ بحث میں یہی وہ بے غبار راستہ ہے جس پر تمام روایات اپنی اپنی جگہ منطبق ہو جاتی ہیں، اور ان میں کوئی تعارض یا اختلاف باقی نہیں رہتا ہے، اس قول کے قائلین میں اکابر اہل علم کی غالب اکثریت شامل ہے۔ یہاں ہم ان حضرات کے اسمائے گرامی اور حوالے ذکر کر دینا مناسب سمجھتے ہیں جنہوں نے

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے: الاتقان ۱/۱ النوع السادس، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ

اس قول کو اختیار کیا ہے، یا حافظ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کے نقطۂ نظر کی تردید کی ہے۔

اس قول کے قائلین؟

مشہور حنفی فقیہ اور محدث شارح بخاری علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((وَاخْتَلَفَ الْأُصُوْلِيُّوْنَ هَلْ يُقْرَأُ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، فَمَنَعَهُ الطَّبَرِيُّ وَغَيْرُهُ وَقَالَ: إِنَّمَا يَجُوْزُ بِحَرْفٍ وَاحِدٍ الْيَوْمَ، وَهُوَ حَرْفُ زَيْدٍ وَنَحَى إِلَيْهِ الْقَاضِيْ أَبُوْبَكْرٍ، وَقَالَ أَبُو الْحَسَنِ الْأَشْعَرِيُّ: أَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰى أَنَّهُ لَا يَجُوْزُ حَظْرُ مَا وَسَّعَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنَ الْقِرَاءَةِ بِالْأَحْرُفِ الَّتِيْ أَنْزَلَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَا يَسُوْغُ لِلْأُمَّةِ أَنْ تَمْنَعَ مَا لَا يُطْلِقُهُ اللّٰهُ تَعَالٰى، بَلْ هِيَ مَوْجُوْدَةٌ فِيْ قِرَاءَتِنَا مُفَرَّقَةً فِي الْقُرْآنِ غَيْرَ مَعْلُوْمَةٍ فَيَجُوْزُ عَلٰى هٰذَا، وَبِهِ قَالَ الْقَاضِيْ أَنْ يُقْرَأَ بِكُلِّ مَا نَقَلَهُ أَهْلُ التَّوَاتُرِ مِنْ غَيْرِ تَمْيِيْزِ حَرْفٍ مِنْ حَرْفٍ فَيُحْفَظُ حَرْفُ نَافِعٍ بِحَرْفِ الْكِسَائِيِّ وَحَمْزَةَ وَلَا حَرَجَ فِيْ ذٰلِكَ)).[1]

”اور اس بارے میں علماء اصولیین کا اختلاف ہے کہ قرآن کریم کو آج سات حروف میں پڑھا جا سکتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ علامہ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی اجازت نہیں دی ہے، اور کہا کہ آج قرآن کریم کی تلاوت ایک ہی حرف پر درست ہے، اور وہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا حرف ہے، اور قاضی ابوبکر بھی اسی طرف مائل ہیں، لیکن امام الحسن اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ نے جو حروف نازل کر کے امت کو سہولت عطا فرمائی تھی اس سے روکنا کسی کے لئے جائز نہیں ہے، اور امت اس بات کی مجاز نہیں کہ کسی چیز کی اجازت اللہ نے دی ہو اسے روک دے، اور یہی قاضی (عیاض) کا بھی خیال ہے کہ جتنے حروف تواتر کے ساتھ منقول ہیں، ان سب کا پڑھنا جائز ہے، اور ایک حرف کو دوسرے حرف سے ممتاز کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے،

---

① عمدۃ القاری کتاب الخصومات ۲۰۸/۱۲

چنانچہ نافع رحمہ اللہ کی قرأت کو کسائی اور حمزہ کی قرأت کے ساتھ (ملا کر) یاد کر لیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔"

اور علامہ بدرالدین، زرکشی اور قاضی ابو بکر رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((اَلسَّابِعُ : اِخْتَارَهُ الْقَاضِيْ اَبُوْبَكْرٍ ، وَ قَالَ : الصَّحِيْحُ اَنَّ هٰذِهِ الْاَحْرُفَ السَّبْعَةَ ظَهَرَتْ وَ اسْتَفَاضَتْ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَ ضَبَطَهَا عَنْهُ الْاَئِمَّةُ، وَاَثْبَتَهَا عُثْمَانُ وَالصَّحَابَةُ فِي الْمُصْحَفِ وَ اَخْبَرُوْا بِصِحَّتِهَا، وَ اِنَّمَا حَذَفُوْا مِنْهَا مَا لَمْ يَثْبُتْ مُتَوَاتِرًا وَ اِنَّ هٰذَا الْاَحْرُفَ تَخْتَلِفُ مَعَانِيْهَا تَارَةً اَلْفَاظُهَا اُخْرٰى، وَلَيْسَتْ مُتَضَادَّةً وَلَا مُنَافِيَةً)).[1]

"اور ساتواں قول قاضی ابو بکر (باقلانی) کا پسندیدہ ہے، اور انہوں نے فرمایا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ ساتوں حروف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شہرت کے ساتھ منقول ہیں، ائمہ نے انہیں محفوظ رکھا ہے، اور حضرت عثمان اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے انہیں مصحف میں باقی رکھا ہے اور ان کے صحیح ہونے کی خبر دی ہے، اور انہی حروف کو حذف کیا جو تواتر سے ثابت نہیں تھے، اور یہ حروف جن کے معنی اور الفاظ میں کبھی فرق ہو جاتا ہے، لیکن یہ ایک دوسرے کے منافی اور متضاد نہیں ہیں۔"

علامہ ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ نے بھی اپنے الفاظ میں حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ کے قول کی بڑے ہی شد و مد اور سخت انداز میں تردید کی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ چھ حروف کے ابطال اور تنسیخ کا قول بالکل ہی غلط اور بے بنیاد ہے، اور خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی ایسا کرنا چاہتے تو نہ کر سکتے تھے، اور ان کو اس کا اختیار نہیں تھا، کیونکہ عالم اسلام کا چپہ چپہ ان حروف کے حافظوں سے بھرا ہوا تھا اور ہزاروں لوگوں کے سینہ میں یہ حروف محفوظ تھے، چنانچہ آپ رقم فرماتے ہیں:

((وَ اَمَّا قَوْلُ مَنْ قَالَ اَبْطَلَ الْاَحْرُفَ السِّتَّةَ فَقَدْ كَذَبَ مَنْ قَالَ ذَالِكَ، وَلَوْ فَعَلَ عُثْمَانُ ذٰلِكَ اَوْ اَرَادَهُ لَخَرَجَ عَنِ الْاِسْلَامِ، وَ لَمَا عَطَلَ

[1] البرہان فی علوم القرآن ۱/۲۲۴-۲۲۳

سَاعَةً بَلِ الْاَحْرُفُ السَّبْعَةُ كُلُّهَا مَوْجُوْدَةٌ عِنْدَنَا قَائِمَةٌ كَمَا كَانَتْ مَثْبُوْتَةً فِي الْقِرَاَةِ الْمَشْهُوْرَةِ الْمَاثُوْرَةِ)). ①

"رہا یہ قول کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چھ حروف کو منسوخ کر دیا تو جس نے یہ بات کہی ہے اس نے بالکل غلط کہا ہے، اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایسا کرتے یا اس کا ارادہ بھی کرتے تو بلا کسی توقف کے وہ اسلام سے خارج ہو جاتے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ساتوں کی ساتوں قرأت ہمارے پاس بعینہٖ محفوظ ہیں جیسا کہ مشہور قرآتوں میں موجود تھیں۔"

ظاہر ہے کہ علامہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول اس صورت میں ہے جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایسا کرتے، لیکن جب انہوں نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا تو پھر ان کی عظمت میں کیوں کر کمی آ سکتی ہے، لیکن واضح ہونا چاہیے کہ اگر بالفرض ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کی بات صحیح مان لی جائے تب بھی وہ اتنے سخت ترین الفاظ کے مستحق نہیں کیونکہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے نظریہ کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے (معاذ اللہ) چھ حروف کی تنسیخ نہیں فرمائی تھی، بلکہ اسے ترک کر دیا تھا۔

ان حضرات کے علاوہ علامہ ابوالولید باجی رحمۃ اللہ علیہ، امام قرأت حافظ ابوالخیر محمد بن جزری، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ بھی اسی قول کے راجح ہونے کے قائل ہیں، چنانچہ حضرت امام غزالی اصول فقہ کی اپنی معرکۃ الآرا کتاب "المستصفی" میں قرآن کریم کی تعریف کرتے ہوئے رقم فرماتے ہیں:

((وَ مَا نُقِلَ اِلَيْنَا مَا بَيْنَ دَفَّتَيِ الْمُصْحَفِ عَلَى الْاَحْرُفِ السَّبْعَةِ الْمَشْهُوْرَةِ نَقْلًا مُتَوَاتِرًا)). ①

"وہ کلام جو مصحف کی دو دفتیوں میں مشہور سات حروف کے مطابق متواتر طریقہ پر ہم تک پہنچا ہے۔"

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تعریف سے بالکل ظاہر ہے کہ وہ "حروف سبعہ" کے آج تک

① المستصفی ۱/۱۰۱، ط: دیوبند

باقی رہنے کے قائل ہیں، اسی ضمن میں ملا علی قاری رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۱۴) لکھتے ہیں:

((وَ كَأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كُشِفَ لَهُ أَنَّ الْقِرَأَةَ الْمُتَوَاتِرَةَ تَسْتَقِرُّ فِي أُمَّتِهِ عَلَى سَبْعٍ وَهِيَ الْمَوْجُوْدَةُ الْآنَ)).[1]

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ پر منکشف ہو گیا تھا کہ متواتر قرائتیں آپ کی امت میں سات رہ جائیں گی، چنانچہ وہی آج تک موجود ہیں۔"

اب ہم یہاں آخری دور کے معروف محدث حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی تحقیق پیش کر دینا کافی سمجھتے ہیں، اور اس تحقیق کو اس باب میں حرفِ آخر ہی کہنا چاہیے، جس کے بعد مزید کسی بحث کی ضرورت نہیں، چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

وَاعْلَمْ اَنَّهُمْ اِتَّفَقُوْا عَلَى اَنَّهُ لَيْسَ الْمُرَادُ مِنْ سَبْعَةِ اَحْرُفٍ السَّبْعَةَ الْمَشْهُوْرَةَ، بِاَنْ يَكُوْنَ كُلُّ حَرْفٍ مِنْهَا قِرَأَةً مِنْ تِلْكَ الْقِرَأَةِ، اَعْنِيْ اَنَّهُ لَا انْطِبَاقَ بَيْنَ الْقِرَأٰتِ السَّبْعِ وَالْاَحْرُفِ السَّبْعَةِ، كَمَا يَذْهَبُ اِلَيْهِ الْوَهْمُ بِالنَّظْرِ اِلَى لَفْظِ السَّبْعَةِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ، بَلْ بَيْنَ تِلْكَ الْاَحْرُفِ وَالْقِرَأَةِ عُمُوْمٌ وَ خُصُوْصٌ وَجْهِيٌّ، كَيْفَ: وَاِنَّ الْقِرَأٰتِ لَا تَنْحَصِرُ فِي السَّبْعَةِ، كَمَا صَرَّحَ ابْنُ الْجَزَرِيِّ رحمه الله فِيْ رِسَالَتِهِ، اَلنَّشْرُ فِي الْقِرَأَةِ الْعَشْرِ، وَ اِنَّمَا اشْتَهَرَتِ السَّبْعَةُ عَلَى الْاَلْسِنَةِ، لِاَنَّهَا الَّتِيْ جَمَعَهَا الشَّاطِبِيُّ، ثُمَّ اِعْلَمْ اَنَّ بَعْضَهُمْ فَهِمَ اَنَّ بَيْنَ تِلْكَ الْاَحْرُفِ تَغَايُرًا مِنْ كُلِّ وَجْهٍ، بِحَيْثُ لَا رَبْطَ بَيْنَهَا، وَ لَيْسَ كَذَالِكَ؛ بَلْ قَدْ يَكُوْنُ الْفَرْقُ بِالْمُجَرَّدِ وَالْمَزِيْدِ، وَ اُخْرٰى بِالْاَبْوَابِ، وَ مَرَّةً بِاعْتِبَارِ الصِّيَغِ مِنَ الْغَائِبِ وَالْحَاضِرِ، وَ طَوْرًا لِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَةِ وَتَسْهِيْلِهَا، فَكُلُّ هٰذِهِ التَّغَيُّرَاتِ يَسِيْرَةً كَانَتْ اَوْ كَثِيْرَةً حَرْفٌ بِرَأْسِهِ، وَ غَلَطَ مَنْ فَهِمَ اَنَّ هٰذِهِ الْاَحْرُفَ مُتَغَايِرَةٌ كُلُّهَا بِحَيْثُ يَتَعَذَّرُ اِجْتِمَاعُهَا، اَمَّا اِنَّهُ كَيْفَ عَدَدُ السَّبْعَةِ، فَتَوَجَّهَ اِلَيْهِ ابْنُ الْجَزَرِيِّ، وَ حَقَّقَ اَنَّ التَّصَرُّفَاتِ كُلَّهَا

---

① مرقاۃ المفاتیح ۵/۱۵، دیو بند، الھند

تَرْجِعُ إِلَى السَّبْعَةِ ، وَ رَاجِعَ الْقُسْطَلَانِيَّ وَ الزُّرْقَانِيَّ، بَقِيَ الْكَلَامُ فِي أَنَّ تِلْكَ الْأَحْرُفَ كُلَّهَا مَوْجُودَةٌ أَوْ رُفِعَ بَعْضُهَا، وَ بَقِيَ الْبَعْضُ ، فَاعْلَمْ أَنَّ مَا قَرَأَهُ جِبْرَئِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْعَرْضَةِ الْأَخِيرَةِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ كُلُّهُ ثَابِتٌ فِيْ مُصْحَفِ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ ، وَ لَمَّا لَمْ يَتَعَيَّنْ مَعْنَى الْأَحْرُفِ عِنْدَ ابْنِ جَرِيْرٍ ذَهَبَ إِلَى رَفْعِ الْأَحْرُفِ السِّتِّ مِنْهَا، وَبَقِيَ وَاحِدٌ فَقَطْ)).[1]

"یہ ذہن نشین کرلیں کہ تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ سات حروف سے مراد مشہور سات قرائتیں ہیں، اور یہ بات نہیں ہے کہ ہر حرف میں سات قراتوں میں سے ایک قرات ہو، یعنی کہ سات قرائتیں اور سات حروف ایک چیز نہیں، جیسے کہ سات کے لفظ سے پہلی نظر میں وہم ہوتا ہے، بلکہ ان حروف اور سات قراتوں میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے، اور ایسا کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ قرائتیں صرف سات نہیں ہیں جیسا کہ علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ نے "النشر فی قراۃ العشر" میں ذکر کیا ہے، البتہ سات قراتوں کا لفظ زبان پر اس لیے مشہور ہوگیا کہ علامہ شاطبی رحمہ اللہ نے انہیں سات قراتوں میں جمع کیا ہے، پھر یہ بھی یاد رکھیے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سات حروف کے درمیان کلی تغایر ہے، اور ان میں کوئی باہم ربط نہیں ہے، حالانکہ واقعہ ایسا نہیں بلکہ بعض اوقات دو حرفوں میں فرق صرف صیغہ مجرد اور مزید کا ہوتا ہے اور بعض مرتبہ (صرفی) ابواب کا، اور بعض دفعہ غائب اور حاضر کے صیغوں کا، اور کبھی صرف ہمزہ کو باقی رکھنے اور اس کی تسہیل کا، تو یہ تمام تغیرات خواہ معمولی ہوں یا بڑے اور مستقل ہوں، اور جو لوگ سمجھتے ہیں کہ حروف کے درمیان کلی تغایر ہے، اور ان کا جواب علامہ ابن جزری نے دیا ہے اور محقق بات ہے کہ یہ سارے تغیرات سات قسم کے ہیں اور قسطلانی اور زرقانی نے اسی کی طرف رجوع کیا ہے۔

اب صرف یہ بات رہ گئی کہ یہ تمام حروف موجود ہیں، یا ان میں بعض ختم کردیے گئے

① فتح الباری ۳/ ۲۲۳-۲۲۱

اور بعض باقی ہیں، بس یہ سمجھ لیجئے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جتنے حروف قرآن کے اخیر میں پڑھے تھے وہ سب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مصحف میں موجود ہیں اور چونکہ علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ پر حروف کے معنی واضح نہیں ہو سکے، اس لئے انہوں نے یہ رائے اختیار کی چھ حروف ختم ہو گئے، اور صرف ایک باقی رہ گیا۔"

اسی طرح مشہور محقق علامہ زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۷۱) علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین کی رائے کو ایک سنگین اور خطرناک غلطی بتلاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ یہ ایک غلط اور خطرناک رائے تھی۔ جس پر علامہ ابن حزم نے بڑے شد و مد کے ساتھ تنکیر کی ہے، اور ان کی نکیر بجا بھی ہے، اور انہیں اس کا پورا حق تھا:

((هٰذَا رَأْيٌ خَطِيْرٌ قَامَ ابْنُ حَزْمٍ بِأَشَدِّ التَّنْكِيْرِ عَلَيْهِ فِي الْفَصْلِ وَ فِي الْأَحْكَامِ وَلَهُ الْحَقُّ فِي ذَالِكَ)).①

الحاصل گزشتہ تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ علامہ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ درست نہیں اور یہاں اس لئے یہ بحث بڑی تفصیل اور شرح و بسط سے ذکر کی گئی، کہ علامہ کے علو مرتبہ اور جلالت علم سے مرعوب ہو کر عام طور پر ان کا ہی قول ہر طرح سے صحیح سمجھا جانے لگا، اور دوسرے علماء کے بے غبار اور صحیح اقوال سے بے اعتنائی برتی گئی، لیکن سچی بات یہ ہے کہ امام مالک، علامہ ابن قتیبہ، علامہ ابو الفضل رازی، قاضی ابوبکر بن طیب، قاضی عیاض، علامہ ابن حزم، امام غزالی، امام ابوالحسن اشعری اور ملا علی قاری رحمہم اللہ جیسے اکابر اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ ساتوں حروف آج بھی محفوظ اور باقی ہیں، اور عرضہ اخیرہ (آخری دور) کے وقت جتنے حروف تھے، ان میں نہ تو کوئی متروک ہوا نہ ہی منسوخ، اور ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قدم آگے بڑھ کر اسے علماء جمہور کا مسلک قرار دیا ہے متاخرین میں مسند ہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، علامہ کشمیری، علامہ زاہد کوثری رحمہم اللہ وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں، اور مشہور محقق علامہ عبدالعظیم زرقانی کہتے ہیں علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے قابل اعتبار نہیں، چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

① مقالات کوثری ص ۲۰-۲۱

((فَصَارَى الْقَوْلَ اَنَّنَا بِاَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يَّكُوْنُوْا قَدْ وَافَقُوْا اَوْ فَكَّرُوْا فَضْلًا عَنْ اَنْ يَتَاَمَّرُوْا عَلٰى ضِيَاعَ اَحْرُفِ الْقُرْاٰنِ السَّبْعَةِ دُوْنَ نَسْخٍ بِهَا وَ حَاشَا عُثْمَانُ رضی اللہ عنہ اَنْ يَّكُوْنَ قَدْ اَقْدَمَ عَلٰى ذَالِكَ وَ تَزَعَّمَهٗ)).[1]

"یہ بڑی گری ہوئی بات ہوگی کہ ہم یہ سمجھیں کہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم متفق ہو گئے یا انہوں نے سوچا تو درکنار کہ انہوں نے قرآن کے چھ حروف کو ضائع کر دینے کا مشورہ کیا ہو باوجودیکہ وہ منسوخ نہیں، اور یہ تو عجیب بات ہوگی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے یہ قدم اٹھایا ہو اور اس کے بارے میں سوچا بھی ہو۔"

پھر علامہ چند سطور کے بعد رقم فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کے چھ حروف نہ تو تلاوتاً اور نہ ہی حکماً منسوخ ہوئے:

((وَ هٰذِهِ السَّبْعَةُ الْاَحْرُفُ لَمْ تُنْسَخْ لَا تِلَاوَةً وَ لَا حُكْمًا حَتّٰى تَذْهَبَ بِجَرَّةِ قَلَمٍ كَذَالِكَ، ثُمَّ يُبْخَلُ عَلَيْهَا بِالْبَقَاءِ لِلتَّارِيْخِ وَحْدَهٗ فِيْ اَعْظَمِ مَرْجِعٍ ، وَ اَقْدَسِ كِتَابٍ، وَ هُوَ الْقُرْاٰنُ الْكَرِيْمِ ، عَلٰى حِيْنٍ اَنَّ الصَّحَابَةَ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ حَفِظُوْا لِلتَّارِيْخِ اٰيَاتٍ نُسِخَتْ تِلَاوَتُهَا وَ نُسِخَتْ اَحْكَامُهَا، وَ عَلٰى حِيْنٍ اَنَّهُمْ حَفِظُوْا قِرَاءَاتٍ شَاذَّةً فِي الْقُرْاٰنِ ثُمَّ نُقِلَتْ وَ كُتِبَ لَهَا الْخُلُوْدُ اِلَى الْيَوْمِ وَ اِلٰى مَا بَعْدَ الْيَوْمِ)).[2]

غرض کہ علامہ زرقانی رحمہ اللہ کا نقطہ نظر وہی ہے، جو علماء سلف کا ہے اور انہوں نے اسے ثابت کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے، چنانچہ آپ ادلہ اور براہین سے ثابت کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میرے پاس "سبعۃ احرف" کی بقاء پر نقلی دلائل کے ساتھ ساتھ عقلی اور مادی دلائل موجود ہیں، اور وہ دلیل یہ ہے کہ امت آج بھی سہولت اور آسانی حروف سبعہ کی تلاوت میں محسوس کر رہی ہے، اور حروف سبعہ کے نزول میں یہی حکمت عظیم کارفرما تھی۔

((وَ لَدَيْنَا دَلِيْلٌ مَادِيٌّ اَيْضًا عَلٰى بَقَاءِ الْاَحْرُفِ السَّبْعَةِ جَمِيْعًا هُوَ

---

(1)، (2) مناهل العرفان ۱/۱۴۸

بَقَاءُ التَّيْسِيْرِ وَالتَّخْفِيْفِ وَ تَهْوِيْنُ الْاَدَاءِ عَلَى الْاُمَّةِ الْاِسْلَامِيَّةِ الَّذِیْ هُوَ الْحِكْمَةُ فِي الْاَحْرُفِ السَّبْعَةِ)).①

الغرض قرآن کریم کے ساتوں حروف آج بھی باقی ہیں اور قیامت تک باقی رہیں گے اور مصحف عثمانی ان تمام حروف کو جامع ہے، اگر دلائل سے صرف نظر کرتے ہوئے جو کسی قول کو ثابت کرنے کے لئے بنیادی اور اساسی حیثیت رکھتے ہیں۔ صرف ان اہل علم کی فہرست پر ہی نظر ڈالی جائے، جنہوں نے اس قول کو اختیار کیا ہے، اور اسے اپنا مسلک بنایا ہے، تب بھی یہی قول زیادہ راجح اور وزنی معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

خلاصہ بحث

سات حروف کی بحث اندازہ سے زیادہ طویل ہوگئی، بلکہ طویل ہونے دی گئی تاکہ طالبان علم کے لئے مفید اور نافع ثابت ہو، اس لئے دیگر دلائل و براہین سے صرف نظر کرتے ہوئے یہ بحث یہیں ختم کی جاتی ہے، لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے حاصل ہونے والے نتائج کو یہاں بیان کر دیا جائے تاکہ ذہن کے نہاخانوں میں انہیں محفوظ رکھنا آسان ہو۔

① امت کی آسانی اور سہولت کی خاطر آنحضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے یہ خواہش کی کہ قرآن کریم کی تلاوت کو ایک ہی قرأت میں نہ محدود رکھا جائے، بلکہ اسے مختلف طریقوں سے پڑھنے کی اجازت دی جائے، جس کی تعداد ایک کے بعد ایک کے اضافہ سے سات تک پہنچ گئی۔

② سات حروف پر نازل ہونے کا مطلب اور راجح ترین مفہوم یہ ہے کہ قرآن کریم کی "قرأت" سات نوعیتوں کے اختلاف پر رکھی گئی، جس کی وجہ سے بہت سی قرائین وجود میں آ گئیں۔

③ ابتداءً ان سات وجوہ اختلاف میں سے زیادہ تر کا تعلق اختلاف الفاظ و مترادفات سے تھا، یعنی ایک قرأت میں اسی کے ہم معنی دوسرا لفظ مستعمل ہوتا، لیکن عرضہ اخیرہ

① مناہل العرفان ۱/۱۵۱

میں (آخری دَور) میں یہ اختلافات بہت حد تک کم کر دیئے گئے، اور زیادہ تر تذکیر و تانیث افراد و جمع معروف و مجہول اور لہجوں ہی کا اختلاف باقی رہا۔

④ جو اختلاف عرضۂ اخیرہ میں باقی رہے، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مصحف "مصحف عثمانی" میں وہ تمام کے تمام موجود ہیں، البتہ وہ اس طرح جمع کئے گئے کہ حرکات اور نقطوں سے آیتوں کو خالی رکھا گیا اور اس طرح بیشتر قرائتیں اس میں سما گئیں۔ [1]

---

① یہ وضاحت یہاں مناسب معلوم ہوتی ہے کہ قرآن کریم کو نقطے اور حرکات و سکنات سے مزین کرنے کا عظیم کارنامہ مروان بن عبدالملک رحمہ اللہ کے عہد حکومت میں انجام پایا۔

قرآن کی کتابت اور تدوین اوّل

کتابتِ وحی:

قرآن کریم جو رب کائنات کا آخری پیام اور اس کی آخری کتاب ہے، جس کے بعد کوئی کتاب نازل نہیں ہوگی کیونکہ کوئی نبی جس پر کتاب نازل کی جائے نہیں آئے گا، اور وحی الٰہی کا سلسلہ ہمیشہ ہمیش کے لئے منقطع ہو چکا ہے:

((تَمَّ الدِّیْنُ وَانْقَطَعَ الْوَحْیُ)).

کتاب کی حفاظت کی ساری ذمہ داری خود صاحب کتاب نے لے رکھی ہے۔

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝﴾ (الحجر:۹)

"کہ ہم نے ہی کتاب کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔"

اس لئے کچھ ایسی تدبیریں کرنی ضروری تھیں کہ قیامت تک کے لئے اس کی حفاظت و صیانت کو ممکن بنایا جاسکے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حفاظت قرآن کے ایسے انوکھے اور اچھوتے انتظامات کیے، جس سے اس کے ضیاع کا خطرہ جاتا رہا، لیکن چونکہ قرآن کریم بیک وقت توراۃ کی طرح نازل نہیں ہوا، بلکہ تھوڑا تھوڑا ضرورت و حالات کے پیش نظر مختلف مقامات پر نازل ہوا، اس لئے ابتدائے نزول کے وقت اس کی حفاظت کا پورا مدار حافظہ پر تھا، اور قرآن کریم کو امتیاز حاصل ہے کہ اس کی حفاظت کتابت اور تحریری انداز سے زیادہ حفاظ کرام کے سینوں سے کرائی گئی۔

چنانچہ حدیث قدسی ہے:

((اِنِّیْ مُنَزِّلٌ عَلَیْكَ كِتَابًا لَا یَغْسِلُهُ الْمَاءُ)).

"میں آپ پر ایسی کتاب نازل کرنے والا ہوں جسے پانی نہیں دھو سکے گا۔"

غالباً یہی وجہ تھی کہ جب قرآن کریم نازل ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی پڑھنے کی

کوشش کرتے کہ خدانخواستہ کوئی آیت یاد کرنے سے رہ نہ جائے، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی آیات کو آپ کے ذہن نشین کرائے دینے کا وعدہ فرمالیا، تب جا کر آپ کو طمانیت قلب حاصل ہوا کہ اب بھول جانے کا کوئی خطرہ نہیں، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب التفسیر میں یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے آیت کریمہ ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ﴾ (القیامہ:١٦) کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

((قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا : كَانَ يُحَرِّكُ بِهِ شَفَتَيْهِ إِذَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ فَقِيْلَ لَهُ : "لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ يَخْشَى اَنْ يَّنْفَلِتَ عَنْهُ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ أَنْ يَجْمَعَهُ فِيْ صَدْرِكَ")).[1]

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر آیاتِ قرآنی کا نزول شروع ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ہونٹوں کو اس خوف سے کہ "وحی" کا کوئی حصہ ضائع نہ ہو جائے، جلدی جلدی حرکت دیتے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ آپ ایسا نہ کریں ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم آپ کے سینہ مبارک میں اسے محفوظ کر دیں۔"

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے رقم فرماتے ہیں:

((وَبَيَّنَ فِيْ رِوَايَةِ إِسْرَائِيْلَ أَنَّ ذَالِكَ كَانَ خَشْيَةَ أَنْ يَّنْسَاهُ)).[2]

"اسرائیل کی روایت میں یہ وضاحت ہے کہ آپ کا ایسا کرنا بھولنے کے خوف سے تھا۔"

اسی طرح امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یاد کرنے کی غرض سے اپنی زبان کو جلدی جلدی حرکت دیتے تھے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا:

"إِنَّا سَنَحْفَظُهُ عَلَيْكَ"[3]

غرض کہ اس طرح سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب اطہر قرآن کریم کا سب سے زیادہ محفوظ گنجینہ بن گیا، جس میں ادنیٰ غلطی یا ترمیم و تبدیلی اور تغیر کا امکان نہیں تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم

① بخاری ٢/٧٣٣ ②، ③ فتح الباری ٨/٨٨٢، کتاب التفسیر

مزید احتیاط برتتے ہوئے ہر سال حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ دَور کیا کرتے، اور جس سال آپ ﷺ اپنے رفیق اعلیٰ اور پروردگار سے جا ملے اس سال تو آپ ﷺ نے دو مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ دَور کیا۔ ①

پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو صرف معانی و مفاہیم کی ہی تعلیم نہیں دی بلکہ انہیں قرآن کریم کے الفاظ بھی یاد کرائے، اور اس سلسلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو ترغیب دی اور طرح طرح سے حفظِ قرآن پر ابھارا، چنانچہ امام ترمذی، امام داؤد وغیرہ نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قاریِ قرآن سے کہا جائے گا کہ پڑھتے جاؤ اور چڑھتے جاؤ تمہاری آخری منزل وہی ہوگی جہاں تم آخری آیت پڑھو گے۔ ②

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ)). ③

"کہ تم میں سے بہتر شخص وہ ہے جو قرآن سیکھتا اور سکھاتا ہے۔"

غرض کہ یہی وہ عوامل و اسباب اور دواعی و محرکات تھے جس نے تھوڑے ہی عرصہ میں حفاظ کرام کی اتنی بڑی تعداد پیدا کر دی کہ آپ ﷺ نے بعض اوقات صرف ایک قبیلے میں ستر ستر قرّاء کو قرآن حکیم کی تعلیم کے لئے بھیجا، چنانچہ صرف بیر معونہ کے موقعہ پر ستر قراء صحابہ کی شہادت کا ذکر روایات میں ملتا ہے۔ ④ پھر آنحضرت ﷺ کے بعد عہدِ صدیقی میں حفاظ صحابہ کی تقریباً اتنی ہی بڑی تعداد جنگ یمامہ میں شہید ہوئی، جو بارہ ہجری میں مسیلمہ کذاب سے ہوئی تھی۔ ⑤ اور بعض حضرات نے شہداء کی تعداد پانچ سو بیان کی ہے:

---

① دیکھئے: بخاری ۷٤۸/۲، باب کان جبرئیل یعرض القرآن علی النبی، عن ابی ہریرۃ۔ مسلم ۲٤۵۰۲ - ابوداؤد ۲۵۱۷

② دیکھئے: ابوداؤد ۱٤٦٤، ترمذی حدیث ۲۹۱٤، ابن ماجۃ حدیث ۳۷۸۰

③ بخاری حدیث ۵۰۲۸-۵۰۲۷، ابوداؤد حدیث ۱٤۵۲، ترمذی حدیث ۲۹۰۷

④ بخاری ۵۸٦/۲، عن انس بن مالک باب غزوۃ الرجیع و رعل و ذکوان، و بیر معونہ

⑤ دیکھئے: مناہل العرفان ۲۰۵/۱، الاتقان ۷۳/۱

((وَ اَنْهَاهُ بَعْضُهُمْ اِلٰی خَمْسِمِائَةٍ)).[1]

اور ایک روایت کے مطابق جنگ یمامہ کے موقع پر سات سو قراء صحابہ شہید ہوئے تھے۔[2]
ان کے علاوہ ایسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو بے شمار ہیں جنہوں نے قرآن کے متفرق حصے یاد کر لیے تھے، یا ایسے حفاظ صحابہ جن کا تذکرہ بحیثیت حافظ قرآن نہیں ملتا کی بھی ایک بڑی تعداد موجود تھی:

((وَ اَمَّا مَنْ جَمَعَهُ مِنْهُمْ، وَلَمْ يَتَّصِلْ بِنَا فَكَثِيْرٌ)).[3]

غرض کہ ابتدائے اسلام میں قرآن کی حفاظت کے لئے بنیادی طریقہ یہی اختیار کیا گیا، لیکن بعد کو پھر عہدِ رسالت ہی میں "کتابتِ وحی" کا بھی نظم کیا گیا اور صحابہ کی بڑی جماعت اس عظیم کام پر مامور کی گئی، جن کا تذکرہ ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں آئے گا۔

عہدِ نبوی میں کتابت قرآن

گو کہ قرن اوّل میں قرآن کی حفاظت کا اصل مدار حافظہ پر تھا، لیکن ایسے ٹھوس اور مضبوط دلائل وشواہد موجود ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذاتِ خود بھی "کتابتِ وحی" کا اہتمام فرمایا، چنانچہ کاتبِ وحی سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((اِنِّیْ قَاعِدٌ اِلٰی جَنْبِ النَّبِیِّ ﷺ يَوْمًا اِذَا وُحِیَ اِلَيْهِ قَالَ: وَ غَشِيَتْهُ السَّكِيْنَةُ وَ وَقَعَ فَخِذُهُ عَلٰی فَخِذِیْ، حِيْنَ غَشِيَتْهُ السَّكِيْنَةُ ، قَالَ زَيْدٌ: فَلَا وَاللّٰهِ مَا وَجَدْتُ شَيْئًا قَطُّ اَثْقَلَ مِنْ فَخِذِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ سُرِّیَ عَنْهُ فَقَالَ: "اُكْتُبْ يَا زَيْدُ" فَاَخَذْتُ كَتِفًا فَقَالَ: اُكْتُبْ لَا يَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَوِ الْمُجَاهِدُوْنَ... اَلْآيَةُ كُلُّهَا اِلٰی قَوْلِهٖ وَ اَجْرًا عَظِيْمًا" فَكَتَبْتُ ذٰلِكَ فِیْ كَتِفٍ)).[4]

"میں ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا کہ ان پر وحی نازل ہوئی حضرت

---

① مناهل العرفان ۱/۲۰۵ ② عمدة القاری ۲۰/۱۷-۱۶

③ البرهان فی علوم القرآن ۱/۲٤۲

④ مسند احمد ۵/۲٤٤ ، حدیث نمبر ۲۱٦٥٤

زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان پر سکینہ طاری ہوئی، اور جس وقت سکینہ طاری ہوئی، ان کی ران میری ران پر پڑ گئی، حضرت زید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بخدا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ران سے وزنی کوئی چیز کبھی بھی محسوس نہ کی، پھر ان سے یہ کیفیت دُور کر دی گئی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لکھو! اے زید رضی اللہ عنہ! چنانچہ میں نے مونڈھے کی ہڈی لی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لَا یَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ﴾ پوری آیت ﴿ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴾ تک چنانچہ میں نے اس آیت کو مونڈھے کی ایک ہڈی میں لکھا۔"

یہ حدیث اور اس طرح کی دوسری احادیث جو صحیح اور صریح ہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ رسالت میں "کتابتِ وحی" کا مکمل انتظام تھا، چنانچہ ایک دوسری روایت ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ ہی سے ان الفاظ میں مروی ہے:

((بَیْنَا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ نُؤَلِّفُ الْقُرْآنَ مِنَ الرِّقَاعِ)).[①]

"کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کپڑے کے ٹکڑے پر قرآن کی تالیف کر رہے تھے۔"

عہدِ رسالت کے بعد جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن کا ارادہ فرمایا تو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے اس عظیم کام پر مامور کیا کہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کتابتِ وحی کا کام کیا کرتے تھے، اس لیے قرآن کو تلاش کیجیے اور اسے جمع کیجیے۔

((کُنْتَ تَکْتُبُ الْوَحْیَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَتَتَبَّعِ الْقُرْآنَ فَاجْمَعْهُ)).[②]

غرض کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہی کتابتِ قرآن کا اہتمام کیا گیا، لیکن ایسا نہیں ہے کہ یہ کام صرف حضرت زید رضی اللہ عنہ ہی کیا کرتے تھے، بلکہ تقریباً چالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کتابتِ وحی کے فرائض انجام دیے ہیں، جن میں خلفاء راشدین بھی شامل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے عہد مبارک سے کتابتِ قرآن کا مکمل اہتمام کیا جانے لگا تھا، چنانچہ حضرت ام المومنین

① مسند احمد ۵/۳۳۶، حدیث نمبر ۲۱۵۹۶
② مسند احمد ۵/۲۴۱، حدیث نمبر ۲۱۶۳۳

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: "ایک مرتبہ آپ پر وحی نازل ہوئی" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے عثمان لکھئے!

((أُكْتُبْ عُثَيْمُ)).[1]

غرض کہ عہد رسالت میں قرآن کریم کے متعدد نسخے موجود تھے، گو وہ یکجا کتابی شکل میں موجود نہ تھے، ان میں ایک نسخہ تو وہ بھی تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی نگرانی میں لکھوایا تھا، اس کے ساتھ ہی بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اپنی یادداشت کے لئے قرآن کریم کی آیات اپنے پاس لکھ رکھی تھیں۔ اور یہ سلسلہ اسلام کے بالکل ابتدائی دور سے جاری تھا، جس کی شہادت اس بات سے ملتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور بہنوئی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی خبر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہوئی، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصہ سے بھرے ہوئے اپنی بہن کے گھر پہنچے تو ان کے سامنے ایک صحیفہ تھا، جس میں سورہ طٰہٰ کی آیات لکھی ہوئی تھیں، اور حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ انہیں پڑھا رہے تھے، جس کو پڑھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے۔[2]

اس کے علاوہ متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انفرادی طور پر اپنے پاس قرآن کریم کے مکمل یا نامکمل نسخے رکھ لیے تھے، مثلاً امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے:

((إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى أَنْ يُسَافَرَ بِالْقُرْآنِ إِلٰى أَرْضِ الْعَدُوِّ)).[3]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کو لے کر دشمن کی زمین میں سفر کرنے سے منع فرمایا۔"

نیز امام طبرانی رحمہ اللہ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم مصحف سے بغیر دیکھ کر پڑھنے کا ثواب ایک ہزار درجہ ہے اور دیکھ کر پڑھنے کا ثواب

---

① مجمع الزوائد للهيثمي ۹۹/۹، حديث نمبر ۱٤٥٢٦، باب كتابة الوحي

② مجمع الزوائد ۵۹/۹-۵۸، حديث ۱٤٤١٣- دار قطني ۱۲۹/۱، حديث ٤٣٥، عن انس بن مالك باب نهي المحدث عن مس القرآن

③ بخاری ۴۲۰/۱، باب كراهية السفر بالمصاحف الى ارض العدو، كتاب الجهاد

دو ہزار درجہ ہے:

((قِرَاْءَةُ الرَّجُلِ فِیْ غَیْرِ الْمُصْحَفِ اَلْفُ دَرَجَةٍ وَ قِرَاْءَتُهٗ فِی الْمُصْحَفِ تُضَاعَفُ عَلٰی ذٰالِكَ اَلْفَیْ دَرَجَةٍ)).①

ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے عہد اور زمانے میں کتابتِ قرآن کا مکمل اہتمام فرمایا، کیونکہ اگر اس زمانے میں قرآن کریم کے لکھے ہوئے نسخے موجود نہ ہوتے تو یہ فرمانا کہ قرآن دیکھ کر پڑھنے میں زیادہ ثواب ہے یا اسے دشمن کے علاقہ میں لے جانے کی ممانعت کیا معنی رکھتی ہے؟ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں تو یہ ممانعت بالکل بے وجہ ہو جاتی ہے، غالباً قرآن کریم کی کتابت میں انتہائی اہتمام اور بڑی ہی احتیاط ہی کی وجہ سے آپ ﷺ نے اپنے ابتدائی زمانہ میں حدیثوں کے لکھنے سے یہ کہتے ہوئے منع فرما دیا کہ صرف قرآن ہی لکھا کرو اور جس نے اس کے علاوہ کچھ لکھا ہے تو اسے مٹا دے تاکہ دونوں کے خلط ملط ہو جانے کے اندیشہ سے بچا جا سکے۔②

غرض کہ قرآن کریم کی تدوین و کتابت کا دورِ اوّل اور پہلا مرحلہ عہد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی میں انجام دیا جا چکا تھا، گو کہ کتابی شکل میں قرآن کریم اب تک مرتب نہ ہو سکا تھا، بعد کو عہد صدیقی پھر عہد عثمانی میں ہوا۔

اشیاءِ کتابت

جس زمانے میں آپ ﷺ کی بعثت ہوئی، اور قرآن کریم کا نزول شروع ہوا، وہ اتنا ترقی یافتہ زمانہ نہیں تھا، خاص کر جزیرۃ العرب بہت پچھڑا ہوا علاقہ تھا، جہاں لکھنے پڑھنے کی عصری سہولیات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، نہ کاغذ کی بہتات تھی اور نہ ہی پریس کا تصور، لیکن کاغذ پایا ضرور جاتا تھا اس لئے قرآن کریم کے بعض حصے کاغذ پر بھی لکھے گئے، لیکن اکثر و بیشتر قرآنی آیات پتھر کی سلوں، چمڑے کے پارچوں، کھجور کی شاخوں، بانس کے

---

① مجمع الزوائد ۷/۱۶۵

② مستدرک للحاکم، رقم الحدیث ۴۳۷

ٹکڑوں، کپڑے کے چیتھڑوں اور جانوروں کی ہڈیوں پر لکھی گئی تھیں۔ ①

غرض کہ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں یہی وہ اشیاء تھیں جو کتابت قرآن کے کام میں لائی جاتی تھیں۔

تدوین قرآن عہد صدیقی میں

عہد رسالت ﷺ میں گو کہ قرآن کریم کو ضبط تحریر کیا جا چکا تھا، اور اس کی کتابت کا کام ہو چکا تھا، لیکن اب تک قرآن کریم کو کتابی شکل نہیں دی جا سکی تھی، اور اس کے جتنے نسخے لکھے گئے تھے اس کی کیفیت یہ تھی کہ وہ متفرق اشیاء پر لکھے ہوئے تھے، کوئی آیت ہڈی پر لکھی ہوئی تھی تو کوئی سورہ چمڑے پر، زیادہ مکمل نسخے نہیں تھے، اسی طرح کسی صحابی کے پاس ایک سورت تھی تو کسی کے پاس دس پانچ سورتیں تھیں، اور کسی کے پاس صرف چند آیتیں تھیں، اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس آیات قرآنی کے ساتھ تفسیری نوٹ بھی لکھے ہوئے تھے، اس لئے یہ ضرورت پیش آئی کہ قرآن کریم کو ایک مکمل کتابی شکل دے دی جائے، اور اس کے منتشر اور متفرق حصوں کو یکجا کر کے اس کی حفاظت کو یقینی بنایا جائے، لیکن اس کی تدوین کے پس پردہ کون سے عوامل و اسباب اور محرکات تھے ان کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

واقعہ یمامہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فکر

آفتاب نبوت کے غروب ہونے کے بعد جب ارتداد کی آگ بھڑکی، مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا اور یمامہ کا اندوہناک واقعہ پیش آیا، جس میں حفاظ اور قراء کی ایک بڑی جماعت نے داد شجاعت دینے کے بعد جام شہادت نوش فرمایا، جن کی تعداد ستر یا پانچ سو یا بعض روایات کے مطابق سات سو تھی۔ ② اس وقت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ فکر

---

① دیکھئے: مسند احمد ۲۴۴/۵، حدیث نمبر ۲۱۶۵۴، نیز ص ۲۳۶، حدیث نمبر ۳۱۵۹۶، فتح الباری ۱۱/۹، مجمع الزوائد باب عرض الکتاب بعد املاۃ، عمدۃ القاری ۱۷/۲۰، مناھل العرفان ۲۰۵/۱۔

② دیکھئے مناھل العرفان ۲۰۵/۱، عمدۃ القاری ۱۷/۲۰-۱۶

دامن گیر ہوئی کہ حفاظ اسی طرح شہید ہوتے رہے تو عجب نہیں قرآن کریم محفوظ نہ رہ سکے، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی اس فکر کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان فرمایا اور جمع قرآن کا مطالبہ کیا کہ اب قرآن کریم کے منتشر اور متفرق حصوں کو کتابی شکل میں جمع کروا دیا جائے، تا کہ قرآن کریم ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائے۔ ①

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تردد ہوا کہ وہ ایسا کام کیسے کر سکتے ہیں؟ جس کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں نہیں کیا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بار بار اصرار اور مراجعت کی وجہ سے بعد کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو شرح صدر ہو گیا، اور آپ رضی اللہ عنہ اس کارِ عظیم کے لئے تیار ہو گئے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خود ارشاد فرماتے ہیں:

((قُلْتُ لِعُمَرَ، كَيْفَ تَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ عُمَرُ: هٰذَا وَاللّٰهِ خَيْرٌ، فَلَمْ يَزَلْ عُمَرُ يُرَاجِعُنِي حَتّٰى شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرِي لِذَالِكَ وَرَأَيْتُ فِي ذَالِكَ الَّذِي رَأَى عُمَرُ)). ②

"میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تم ایسا کام کیسے کرنا چاہتے ہو جس کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، بخدا اس میں خیر ہی خیر ہے، چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ برابر مجھ سے رجوع کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے میرا سینہ کھول دیا (میرا شرح صدر فرما دیا) اور میں نے بھی وہ مصلحت سمجھ لی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سمجھی تھی۔"

غرض کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بار بار رجوع کرنے سے آپ کا یہ تردد دور ہو گیا کہ وہ ایسا کام کیسے کریں جسے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہیں کیا تھا، مگر غور طلب امر یہ ہے کہ آپ کا تردد اور پس و پیش بھی بے جا نہیں تھا بلکہ بجا تھا، کیونکہ پہلی امتوں نے کتاب اللہ میں تبدیلی و تحریف کی تھی، اس لئے آپ کو یہ خوف دامن گیر تھا کہ کہیں یہ نیا کام تبدیلی و تحریف اور اختراع و ابداع کا سبب نہ بن جائے۔

---

① بخاری ۷۴۵/۲، دیکھئے: مسند احمد ۲۴۱/۵، حدیث نمبر ۲۱۶۳۴، مناہل العرفان ۲۰۵/۱

② بخاری ۷۴۵/۲، نیز دیکھئے، مناہل العرفان ۲۰۵/۱

يَخَافُ أَنْ يَجُرَّهُ التَّجْدِيْدُ إِلَى التَّبْدِيْلِ، أَوْ يَسُوْقُهُ الْإِنْشَاءُ وَالْإِقْتِرَاعُ))۔ [1]

بہر حال اللہ کو یہ منظور تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر یہ مصلحت عیاں ہوئی اور آپ نے یہ عظیم کارنامہ انجام دیا۔

تدوین قرآن اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا کارنامہ

۱۲ ہجری کے اندوہناک واقعہ کے بعد جب سیدنا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو قرآن کریم کے ضیاع کی فکر دامن گیر ہوئی اور آپ رضی اللہ عنہ مسلسل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے رجوع کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا شرح صدر فرما دیا اور وہ بھی جمع قرآن کے لئے تیار ہو گئے تو اس عظیم الشان کارنامے کی انجام دہی کے لئے امت کے دو افضل ترین اور دُور رس نگاہ کے حامل بزرگوں کی نگاہِ انتخاب حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ پر پڑی، جنہیں بارگاہِ رسالت ہی میں "کتابتِ وحی" کی سرفرازی حاصل ہو چکی تھی، لیکن جمع قرآن ایک ایسا کام تھا جس سے عہد رسالت ناآشنا تھا، اس لئے آپ رضی اللہ عنہ کے دل میں بھی وہی تردد اور خلجان پیدا ہوا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پہلے ہی ہو چکا تھا۔ چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں:

((وَاللّٰهِ لَوْ كَلَّفَنِيْ نَقْلَ جَبَلٍ مِنَ الْجِبَالِ مَا كَانَ أَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا أَمَرَنِيْ بِهِ مِنْ جَمْعِ الْقُرْآنِ، قُلْتُ: كَيْفَ تَفْعَلَانِ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ النَّبِيُّ ﷺ، فَقَالَ أَبُوْبَكْرٍ: هُوَ وَاللّٰهِ خَيْرٌ، فَلَمْ أَزَلْ أُرَاجِعُهُ حَتّٰى شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرِيْ لِلَّذِيْ شَرَحَ اللّٰهُ لَهُ صَدْرَ أَبِيْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ، فَقُمْتُ وَ تَتَبَّعْتُ الْقُرْآنَ أَجْمَعُهُ مِنَ الرِّقَاعِ وَالْأَكْتَافِ وَالْعُسُبِ وَ صُدُوْرِ الرِّجَالِ))۔ [2]

"خدا کی قسم! اگر وہ مجھے کسی پہاڑ کے منتقل کرنے کا حکم دیتے تو مجھ پر یہ اتنا گراں نہ ہوتا جتنا جمع قرآن کا کام میرے لئے مشکل تھا، میں نے ان دونوں سے کہا

---

① مناھل العرفان ۱/۲۰۵

② بخاری ۲/۶۷۶، کتاب التفسیر باب قولہ لقد جاءکم۔
نیز دیکھئے: بخاری حدیث نمبر ۴۹۸۶، ۲/۷۴۵، باب جمع القرآن

کہ آپ وہ کام کیسے کر رہے ہیں جسے نبی ﷺ نے نہیں کیا، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ کام بہتر ہی بہتر ہے، پھر اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بار بار رجوع کرتا رہا، حتیٰ کہ اللہ نے میرا سینہ اس رائے کے لئے کھول دیا جو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی رائے تھی، چنانچہ میں نے قرآن کو تلاش کرنا شروع کر دیا اور کھجور کی شاخوں، ہڈیوں، کپڑوں کے چھترے اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرنے لگا۔"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو باب جمع القرآن میں بھی الفاظ کے تھوڑے فرق کے ساتھ نقل کیا ہے، اور اس روایت میں "اراجعه" کی جگہ پر "يُرَاجِعُنِي" (یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھ سے بار بار رجوع کرتے رہے) کے الفاظ منقول ہیں، لیکن یہ روایت کا کوئی ایسا اختلاف نہیں جس کی تطبیق مشکل ہو، بلکہ واضح بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کبھی حضرت زید رضی اللہ عنہ سے اس سلسلہ میں رجوع کرتے رہے ہوں، اور کبھی حضرت زید رضی اللہ عنہ ہی ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی تشفی و تسلی کرتے رہے ہوں۔

یقیناً "جمع قرآن" کا کارنامہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا وہ عظیم کارنامہ ہے کہ اگر آپ کی زندگی کے دوسرے محاسن و کمالات اور روشن باب سے یکسر صرف نظر بھی کر لیا جائے تو صرف یہی ایک کارنامہ اتنا بڑا ہے کہ ساری امت تا قیامت ان کے احسان کا شکریہ ادا نہیں کر سکتی، ان شاء اللہ آئندہ صفحات پر آپ کی زندگی کے روشن اور تابندہ نقوش تفصیل اور شرح و بسط کے ساتھ ذکر کئے جائیں گے، تاہم یہاں یہ ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "جمع قرآن" کے سلسلے میں آپ رضی اللہ عنہ کا طریقہ کار کیا تھا؟

جمع قرآن کا طریقہ

اس موقع پر یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ سیدنا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے خود حافظ قرآن ہونے کے باوجود صرف اپنے حفظ اور یادداشت پر بھروسہ نہیں کیا، حالانکہ اگر وہ چاہتے تو پورا قرآن اپنی یادداشت سے لکھ سکتے تھے یا اپنے زمانے میں موجود حفاظ قرآن (جو کہ سینکڑوں کی تعداد میں تھے) کی ایک جماعت بنا کر بھی قرآن

لکھا جا سکتا تھا، نیز قرآن کریم کے جو نسخے عہد رسالت میں موجود تھے ان سے بھی نقل کیا جا سکتا تھا، لیکن حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے مکمل احتیاط کے تقاضے پر عمل کرتے ہوئے صرف کسی ایک طریقہ پر جمع قرآن نہیں فرمایا، بلکہ انہوں نے ان تمام ذرائع سے بیک وقت کام لیا اور اس وقت تک کوئی آیت قرآن میں نہیں لکھتے تھے جب تک اس کے متواتر ہونے پر تحریری اور زبانی شہادتیں نہیں حاصل کر لیتے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((وَ كَانَ لَا يَقْبَلُ مِنْ اَحَدٍ شَيْئًا حَتّٰى يَشْهَدَ شَاهِدَانِ وَ هٰذَا يَدُلُّ عَلٰى اَنَّ زَيْدًا كَانَ لَا يَكْتَفِيْ بِمُجَرَّدِ وِجْدَانِهٖ مَكْتُوْبًا حَتّٰى يَشْهَدَ بِهٖ مَنْ تَلَقَّاهُ سِمَاعًا)).[1]

"اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کسی سے کوئی آیت قرآنی اس وقت تک نہیں لیتے تھے جب تک کہ اس پر دو آدمیوں کی گواہی نہ لے لیتے، اور یہ اس بات پر دال ہے کہ وہ کوئی لکھی ہوئی آیت اس وقت تک نہیں لیتے تھے جب تک اس پر وہ شخص گواہی نہ دے دیتا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر لکھا ہے۔"

غرض کہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ انتہائی محتاط طریقہ سے قرآن کریم کے جمع کا کام کیا کرتے تھے اور ہر ممکن احتیاطی تدبیر اپناتے تھے، چنانچہ جمع قرآن میں وہ مذکورہ طریقہ کے علاوہ مندرجہ ذیل طریقوں سے تصدیق وتوثیق فرمایا کرتے تھے۔

① سب سے پہلے اپنی یادداشت سے توثیق فرماتے تھے۔

② صحیح ترین روایتوں سے ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت زید رضی اللہ عنہ کے معاون و مددگار کے طور پر مقرر فرما دیا تھا، اور جب کوئی شخص کوئی آیت قرآنی لے کر آتا تو یہ دونوں ہی حضرات مشترکہ طور پر اس سے وصول فرماتے تھے:

اَنَّ اَبَابَكْرٍ قَالَ لِعُمَرَ وَ لِزَيْدٍ! اُقْعُدَا عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ فَمَنْ جَاءَ كُمَا بِشَاهِدَيْنِ عَلٰى شَيْءٍ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَاكْتُبَاهُ)).[2]

---

① فتح الباری ۱۰/۱۷، عسقلانی الحافظ ابن حجر، دار الفکر ۱۴۱٦

② فتح الباری ۱۰/۱۷، بحوالہ ابن ابی داؤد عن طریق ھشام بن عروہ ورجالہ ثقات

لہٰذا اس روایت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نہ صرف یہ کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنے حافظہ سے اس کی توثیق فرمایا کرتے تھے۔

③ پھر ان لکھی ہوئی آیتوں کا ان مجموعوں سے موازنہ اور مقابلہ کیا جاتا جو مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تیار کئے ہوئے تھے:

((اِنَّمَا طَلَبَ الْقُرْآنَ مُتَفَرِّقًا لِيُعَارِضَ بِالْمُجْتَمِعِ عِنْدَ مَنْ بَقِيَ مِمَّنْ جَمَعَ الْقُرْآنَ لِيَشْتَرِكَ الْجَمِيعُ فِيْ عِلْمِ مَا جُمِعَ)).[1]

حضرت امام ابوشامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس طریق کار کا مقصد یہ تھا کہ قرآن کریم کی کتابت میں زیادہ سے زیادہ احتیاط کو ملحوظ رکھا جائے اور صرف حافظہ پر اکتفا کرنے کی بجائے بعینہ ان آیات سے نقل کیا جائے جو خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھی گئی ہوں۔[2]

غرض کہ یہ اکابر صحابہ "کتابت قرآنی" میں وہ کمال واحتیاط ملحوظ رکھتے تھے جس سے زیادہ احتیاط تصور میں بھی نہیں لائی جاسکتی ہے، اللہ تعالیٰ ساری امت کی طرف سے انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

تدوین صدیقی کی خصوصیات

بہر حال حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بڑی ہی احتیاط کے ساتھ آیات قرآنی کو جمع کر کے ان آیات کو کاغذ کے صحیفوں پر مرتب شکل میں تحریر فرمایا۔[3]

اس سلسلے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ نسخہ بھی چمڑے یا پارچوں پر لکھا گیا تھا، لیکن علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی روایت کو صحیح قرار دیا۔[4] چونکہ اس نسخہ میں ہر سورہ علیحدہ صحیفے میں لکھی گئی اس لئے یہ نسخہ متعدد صحیفوں پر مشتمل تھا[5] اور یہی نسخہ "ام" کہلاتا ہے، اور اس

---

① البرهان في علوم القرآن ٢٠٠١/١، الزركشي، دار الكتب العلميه بيروت: ١٤٠٨هـ

② قال ابو شامة: كان غرضهم ان لا يكتب الا من عين ما كتب بين يدي النبي ﷺ لا من مجرد الحفظ، الاتقان ١٦٦/١

③ الاتقان ١٧/١، نیز دیکھئے: فتح الباری ١٩/١٠

④ فتح الباری ١٩/١٠، الاتقان ١٦٠/١

⑤ فتح الباری ٢٦/١٠، مناهل العرفان ٢٤٦/١-٢٤٧

کی خصوصیات یہ تھیں:

① اس نسخہ میں آیاتِ قرآنی تو آپ ﷺ کی ذکر کردہ ترتیب ہی کے مطابق مرتب تھیں، لیکن سورتیں مرتب نہ تھیں، ہر سورت الگ الگ لکھی ہوئی تھی۔ ①

② اس نسخہ میں ساتوں حروف جمع تھے۔ ②

③ یہ نسخہ خط جہری میں لکھا گیا تھا۔ ③

④ اس میں صرف وہ آیتیں درج تھیں جن کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی تھی۔

⑤ اس کو مرتب کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ایک باضابطہ ترتیب دیا ہوا نسخہ امت کی اجتماعی تصدیق کے ساتھ تیار ہو جائے، اور اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ختم ہو جائے

اِنَّ جَمْعَ اَبِیْ بَکْرٍ کَانَ لِخَشْیَةِ اَنْ یَذْهَبَ مِنَ الْقُرْآنِ شَیْءٌ بِذَهَابِ جُمْلَتِهٖ. ④

اور ضرورت پڑنے پر اس کی طرف رجوع کیا جائے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لکھوائے ہوئے یہ صحیفے آپ رضی اللہ عنہ کی حیات میں آپ کے پاس رہے، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس رہے اور آپ کی شہادت کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق انہیں ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس منتقل کر دیا گیا ⑤ بعد کو مروان بن حکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے یہ صحیفے طلب کئے تو آپ نے دینے سے انکار کر دیا۔ لیکن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد مروان نے یہ صحیفے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے لے کر اس خوف سے نذر آتش کر دیئے کہ بعد کو کہیں لوگ شک وشبہ میں نہ پڑ جائیں جبکہ اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا تھا کہ رسم الخط اور ترتیب سور کے لحاظ سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے تیار کرائے ہوئے مصاحف کی اتباع لازم اور ضروری ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مروان بن حکم رضی اللہ عنہ کا قول ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

((اِنَّمَا فَعَلْتُ هٰذَا لِاَنِّیْ خَشِیْتُ اِنْ طَالَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ أَنْ یَرْتَابَ فِیْ شَانِ هٰذِهِ الْمُصْحَفِ مُرْتَابٌ)). ⑥

---

① الاتقان ۱/۱۶۰ ② تاریخ القرآن از عبدالصمد صارم ۴۳

③ فتح الباری ۱۰/۲۶ ④، ⑤، ⑥ حوالہ سابق ۱۰/۲۴

جمع قرآن کا تیسرا مرحلہ اور تدوین عثمانی کے محرکات؟

جب سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت کو زینت بخشی تو اس وقت تک اسلام حدود عرب سے نکل کر آفاق جہاں میں اپنی کامیابی کا پرچم لہرا چکا تھا، اور ایران سے روم تک اسلام کی روشنی پہنچ چکی تھی، ایران کی آتش کدہ اور روم کے کلیسا اور ہیکلوں میں اسلام کی آہٹ سنائی دینے لگی تھی۔ چنانچہ جہاں جہاں اسلام پہنچا اور وہاں کے لوگوں نے اسلام قبول کیا تو انہوں نے قرآن کریم ان مجاہدین اسلام یا ان تاجروں سے سیکھا اور پڑھا، جن کے صدقے طفیل انہیں ایمان واسلام کی نعمتِ عظمیٰ حاصل ہوئی تھی، اور پہلے ہی پڑھ چکے ہیں کہ قرآن کریم "سات حروف" میں نازل ہوا تھا، مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف قرأتوں کے مطابق سیکھا تھا، چنانچہ ہر صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگردوں کو اسی قرأت کے مطابق قرآن کی تعلیم دی، اور اس کی تلاوت سکھلائی جس قرأت کو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا تھا، اور اس طرح یہ اختلاف قرأت ہر اس جگہ پہنچ گیا جہاں اسلام کی روشنی پہنچی، شروع شروع میں تو اس کا کوئی نقصان دہ اثر سامنے نہ آیا، کیونکہ لوگ اس بات سے واقف تھے کہ قرآن کریم سات قرأتوں کے مطابق نازل ہوا ہے، لیکن بعد کو جب اسلام دوردراز ممالک میں پہنچا اور لوگوں میں یہ بات پوری طرح مشہور نہ ہو سکی کہ قرآن کریم سات حروف (سات قرأتوں) میں نازل ہوا ہے تو اب لوگوں میں جھگڑے پیش آنے لگے۔ بعض حضرات اپنی قرأت کو صحیح اور دوسرے کی قرأت کو غلط کہنے لگے، حالانکہ ساتوں ہی قرأتیں درست اور صحیح تھیں، قرآن کریم کے بارے میں ان جھگڑوں کی وجہ سے دو انتہائی خطرناک بات پیدا ہونے کا اندیشہ پیدا ہو گیا، جہاں ایک طرف یہ خطرہ تھا کہ لوگ قرآن کریم کی متواتر قرأتوں کو غلط قرار دینے کی سنگین غلطی کریں گے۔ دوسرے سوائے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لکھے ہوئے ایک نسخہ کے جو مدینہ منورہ میں موجود تھا، پورے عالم اسلام میں ایسا کوئی دوسرا معیاری نسخہ موجود نہ تھا، جو پوری امت کے لئے حجت اور دلیل بن سکے۔ اور اختلاف کی صورت میں امت اس نسخہ کی طرف رجوع کرے، اس لئے کہ دوسرے جتنے بھی نسخے تھے وہ انفرادی طور پر لکھے ہوئے تھے، اور اس میں ساتوں

قرأت جمع نہیں تھیں کہ امت کا سوادِ اعظم اسے قبول کر لیتا۔ اس لئے ان جھگڑوں کے تصفیہ کی قابل اعتماد اور یقینی سورت یہی تھی کہ ایسے معیاری نسخے تیار کئے جائیں جس میں ساتوں قرأت جمع ہوں، اور انہیں پورے عالم اسلام میں پھیلا دیا جائے، تاکہ انہیں دیکھ کر یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ کون سی قرأت درست ہے اور کون سی قرأت نادرست ہے، یہی وہ عظیم الشان کارنامہ ہے جو خلافتِ عثمانی میں پایہ تکمیل کو پہنچا اور جس کی وجہ سے پوری امت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مرہون منت ہے۔ جَزَاهُ اللّٰهُ عَنَّا وَعَنْ جَمِيْعِ الْمُسْلِمِيْنَ.

اس عظیم کارنامہ کی تفصیل متعدد روایتوں سے معلوم ہوتی ہے، جس کا خلاصہ اور ماحصل یہ ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ آرمینہ اور آذربائیجان کے محاذ پر جہاد میں مشغول تھے، وہاں آپ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگ قرآن کریم کی قرأتوں کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں، اس صورت حال نے انہیں پریشان کر دیا۔

((فَأَفْزَعَ اخْتِلَافُهُمْ فِي الْقِرَاءَةِ)).[1]

اور مدینہ منورہ واپس آتے ہی فوراً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے ان سے عرض کیا:

((يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ! أَدْرِكِ النَّاسَ، قَالَ وَ مَا ذَاكَ؟ قَالَ غَزَوْتُ فَرْجَ أَرْمِيْنِيَّةِ فَإِذَا أَهْلُ الشَّامِ يَقْرَؤُوْنَ بِقِرَاءَةِ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، فَيَأْتُوْنَ بِمَا لَمْ يَسْمَعْ أَهْلُ الْعِرَاقِ وَ إِذَا أَهْلُ الْعِرَاقِ، يَقْرَؤُوْنَ بِقِرَاءَةِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ فَيَأْتُوْنَ بِمَا لَمْ يَسْمَعْ أَهْلُ الشَّامِ، فَيُكَفِّرُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا)).[2]

"اے امیر المومنین! اس سے پہلے کہ یہ امت اللہ کی کتاب کے بارے میں اختلاف کا شکار ہو جائے، اس کی خبر گیری کیجئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کیا بات ہے؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، میں آرمینہ کے محاذ پر جہاد کر رہا تھا، میں نے شامیوں کو دیکھا کہ وہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرأت کے

---

① دیکھئے: بخاری بحوالہ فتح الباری ۲۱/۱۰

② فتح الباری ۲۱/۱۰

مطابق پڑھتے ہیں جس کو عراقیوں نے نہیں سنا اور اہل عراق کو دیکھا کہ وہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت پر پڑھتے ہیں جسے اہل شام نے نہیں سنا، اور اس کے نتیجہ میں ایک دوسرے کو کافر قرار دے رہے ہیں۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس خطرے کا احساس خود بھی پہلے ہی ہو چکا تھا، کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع ملی تھی کہ خود مدینہ طیبہ میں ایک معلم اپنے شاگردوں کو ایک قرأت کے مطابق پڑھاتا ہے اور دوسرا استاذ اپنے طالب علموں کو دوسری قرأت کے مطابق پڑھاتا ہے، اس طرح مختلف اساتذہ کے شاگردوں کی جب ایک دوسرے سے ملاقات ہوتی تو ان میں اختلاف پیدا ہو جاتا، اور کبھی تو یہ اختلاف اساتذہ تک پہنچ جاتا اور وہ بھی ایک دوسرے کی قرأت کو غلط بتلاتے اور ایک دوسرے کی تکفیر کرتے۔ پھر جب حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے اس خطرے کو محسوس کرتے ہوئے اس طرف توجہ مبذول کرائی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع فرما کر ان سے مشورہ طلب کیا اور فرمایا کہ

"مجھے اطلاع ملی ہے کہ بعض لوگ ایک دوسرے سے اس قسم کی باتیں کہتے ہیں، کہ میری قرأت تمہاری قرأت سے بہتر ہے، اور یہ کفر تک پہنچانے والی بات ہے، لہٰذا آپ لوگوں کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟"

صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ آپ نے اس بارے میں کیا سوچا ہے؟ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "میری رائے یہ ہے کہ ہم تمام لوگوں کو ایک "مصحف" پر جمع کر دیں، تاکہ کوئی اختلاف اور افتراق پیش نہ آئے، صحابہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس رائے کو پسند فرمایا اور اس کی تائید کی۔

چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کر کے ایک جامع خطبہ دیا اور فرمایا کہ:

"تم لوگ مدینہ میں میرے قریب ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کی تکذیب اور ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہو، تو وہ لوگ جو ہم سے دور ہیں ان میں یہ اختلاف اور بھی زیادہ سخت ہوگا، لہٰذا ہم تمام لوگ مل کر قرآن کریم کا ایک ایسا نسخہ تیار کریں جو سب کے لئے واجب الاقتداء ہو۔"

اسی غرض سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو یہ پیغام بھیجا کہ آپ (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے کے) جو صحیفے موجود ہیں، وہ ہمیں عنایت فرمائیں وہ صحیفے مصاحف میں نقل کرنے کے بعد آپ کو واپس کر دیئے جائیں گے، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے وہ صحیفے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مشتمل ایک ٹیم ترتیب دی، جن میں حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت سعید بن العاص اور حضرت عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم قریشی تھے، اور انہیں حکم فرمایا کہ آپ حضرات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صحیفوں سے نقل کر کے متعدد مصاحف تیار کریں، جن میں سورتیں مرتب ہوں، اور ان حضرات کو ہدایت فرمائی کہ "اگر تمہارا اور زید رضی اللہ عنہ کا قرآن کے کسی حصہ کے بارے میں اختلاف ہو جائے (یعنی کون سا لفظ کس طرح لکھا جائے) تو اسے قریش کی زبان کے مطابق لکھنا کیونکہ قرآن کریم انہیں کی زبان میں نازل ہوا۔"[1]

ابتداءً یہ کام انہیں چار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سپرد کیا گیا، لیکن بعد میں ان کی مدد کے لئے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی ان کے ساتھ شامل کر دیا گیا، یہاں تک کہ ابن ابی داؤد کی روایت کے مطابق ان حضرات کی تعداد بارہ تک پہنچ گئی، جن میں حضرت ابی بن کعب، حضرت کثیر بن افلح، حضرت انس بن مالک اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے نام شامل ہیں۔[2]

مصحف عثمانی کی خصوصیات و امتیازات:

① حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو نسخہ تیار ہوا تھا اس میں سورتیں مرتب نہیں تھیں، بلکہ ہر سورت الگ الگ لکھی ہوئی تھی، مصحف عثمانی میں تمام سورتوں کو ترتیب کے ساتھ ایک مصحف میں لکھا گیا۔[3]

---

① بخاری ۲/۷۴۶

② یہ مکمل تفصیل فتح الباری ۱۰/۲۴-۲۰، اور الاتقان فی علوم القرآن ۱/۱۶۹-۱۶۷ سے ماخوذ ہے۔

③ فتح الباری ۱۰/۲۲، نیز دیکھئے: مستدرک للحاکم ۲/۲۲۹

② اس مصحف میں قرآن کریم کی آیات اس طرح لکھی گئیں کہ رسم الخط میں تمام متواتر قرائتیں سما جائیں، اس لئے نہ تو اس پر نقطے لگائے گئے اور نہ ہی حرکات (زبر، زیر، پیش) تاکہ اسے تمام ہی متواتر قرائتوں کے مطابق پڑھا جا سکے، مثلاً "ںسسرھا" لکھا گیا تاکہ اسے "نَنْشُرُهَا" اور "نُنْشِزُهَا" دونوں ہی طرح سے پڑھا جا سکے، کیونکہ یہ دونوں ہی قرائتیں درست اور تواتر سے ثابت ہیں۔[1]

③ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جن حضرات کو اس مصحف کی تیاری پر مامور کیا تھا، انہوں نے بنیادی طور پر تو ان صحیفوں کو ہی سامنے رکھا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تیار کئے گئے تھے، اور مزید احتیاط کے لئے وہی طریق کار اختیار کیا جو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اختیار کیا گیا تھا۔ ان حضرات نے قرآن کریم کی وہ متفرق تحریریں جو مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تھیں انہیں دوبارہ طلب کیا ،ور از سر نو مقابلہ کر کے یہ نئے نسخے تیار کئے ،تاہم اس مرتبہ سورہ احزاب کی آیت

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ﴾ (الاحزاب: ۲۳)

علیحدہ لکھی ہوئی تھی، صرف حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ (جن کی تنہا گواہی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گواہوں کے قائم مقام قرار دیا تھا) کے پاس ملی۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ یہ آیت کسی اور صحابی رضی اللہ عنہ کو یاد نہیں تھی، کیونکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ خود ہی فرماتے ہیں:

((فَقَدْتُ آيَةً مِنَ الْأَحْزَابِ حِينَ نَسَخْنَا الْمُصْحَفَ قَدْ كُنْتُ أَسْمَعُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَأُ بِهَا فَالْتَمَسْنَاهَا فَوَجَدْنَاهَا مَعَ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيِّ "مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ، فَأَلْحَقْنَاهَا فِي سُورَتِهَا فِي الْمُصْحَفِ)).[2]

"جس وقت ہم نے مصحف کو لکھا، اس وقت ہم نے سورہ احزاب کی ایک آیت

① مناهل العرفان ۱/۲۵۴-۲۵۳
② بخاری ۲/۷۴۶، باب جمع القرآن

جسے نبی ﷺ کو پڑھتے ہوئے سنا کرتا تھا نہیں پائی پھر ہم نے تلاش کی تو یہ آیت ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ.... الآية﴾ حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ملی تو ہم نے اسے مصحف میں لکھ دیا۔"

اس سے بالکل واضح طور پر یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ یہ آیت حضرت زید رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو اچھی طرح یاد تھی، اور حضرات صحابہ حضور ﷺ سے اسے سنا کرتے تھے، اور اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ یہ آیت کہیں اور لکھی ہوئی نہ تھی کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو صحیفے تیار کئے گئے تھے، ظاہر ہے کہ یہ آیت ان میں موجود تھی، نیز دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس قرآن کریم کے جو انفرادی نسخے تھے، ان میں بھی یہ آیت شامل تھی، لیکن چونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے کی طرح اس بار بھی ان تمام متفرق تحریروں کو جمع کیا گیا تھا جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس لکھی ہوئی تھیں۔ اس لئے حضرت زید رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کرام نے اس وقت تک کوئی آیت ان مصاحف میں نہ شامل کی جب تک انہیں تحریروں میں بھی وہ نہ مل گئی، گویا کہ دوسری آیت تو متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تحریری شکل میں مل گئی، لیکن سورۂ احزاب کی یہ آیت حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی دوسرے صحابی کے پاس لکھی ہوئی دستیاب نہ ہو سکی۔

مصحف عثمانی کی تعداد؟

قرآن کریم کا مکمل اور معیاری نسخہ جو پوری امت کی اجتماعی تصدیق کے ساتھ لکھا گیا تھا، وہ صرف ایک تھا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا، لیکن حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ نے اس مرتب مصحف کی متعدد نقلیں تیار کیں، لیکن ان مصاحف کی تعداد کیا تھی؟ اہل علم نے ان مصاحف کی مختلف تعداد ذکر کی ہے۔ چنانچہ مشہور یہ ہے کہ ان مصاحف کی تعداد پانچ تھی، "اَلْمَشْهُوْرُ اَنَّهَا خَمْسَةٌ"① لیکن ابن ابی داؤد نے حضرت حمزہ زیات کی سند سے نقل کیا ہے کہ ان مصاحف کی تعداد چار تھی۔② البتہ امام ابوحاتم سجستانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کُل سات مصاحف تیار کئے

①، ② فتح الباری ٢٤/١٠، دیکھئے: الاتقان ١٧١/١

گئے تھے، جنہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مکہ، شام، بحرین، یمن، بصرہ اور کوفہ بھیجا، جبکہ ایک نسخہ مدینہ پاک میں اپنے پاس محفوظ فرما لیا۔ چنانچہ ابن حجر رحمۃ اللہ نے امام ابن ابی ابوداؤد کے حوالے سے امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

((سَمِعْتُ اَبَا حَاتِمٍ السِّجِسْتَانِیَّ یَقُوْلُ ! کُتِبَتْ سَبْعَةُ مَصَاحِفَ ، فَاَرْسَلَ اِلٰی مَکَّةَ ، وَالشَّامِ ، وَاِلَی الْیَمَنِ وَاِلَی الْبَحْرِیْنِ، وَاِلَی الْبَصْرَةِ وَ اِلَی الْکُوْفَةِ وَ حَبَسَ بِالْمَدِیْنَةِ وَاحِدًا)).[1]

مصاحف کو جلانا؟

جب قرآن کریم کی ترتیب کا عظیم الشان کام مکمل ہو گیا اور ایک سے زائد معیاری نسخے تیار کر لئے گئے، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان تمام انفرادی نسخوں کو جو متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تھے نذر آتش کرنے کا حکم صادر فرمایا:

((وَ أَمَرَ بِمَا سِوَاهُ مِنَ الْقُرْآنِ فِیْ کُلِّ صَحِیْفَةٍ أَوْ مُصْحَفٍ أَنْ یُحْرَقَ)).[2]

ان مصاحف کے علاوہ دیگر مصاحف کو جلانے میں یہ عظیم حکمت اور مصلحت تھی کہ رسم الخط مسلّم قراءتوں کے اجماع اور سورتوں کی ترتیب کے اعتبار سے تمام مصاحف یکساں ہو جائیں اور ان میں کوئی اختلاف باقی نہ رہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اس کارنامہ کو پوری تحسین کی نگاہ سے دیکھا اور سراہا گیا، تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کام میں ان کی تائید اور حمایت کی اور کسی نے ان پر نکیر نہیں کی

((لَمْ یُنْکِرْ ذٰلِكَ مِنْهُمْ اَحَدٌ)).[3]

صرف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس معاملہ میں کچھ ناراضگی ہوئی تھی، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ کام تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورہ اور اجماع سے کیا تھا۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

((لَا تَقُوْلُوْا فِیْ عُثْمَانَ اِلَّا خَیْرًا فَوَاللّٰهِ مَا فَعَلَ الَّذِیْ فَعَلَ فِی الْمَصَاحِفِ

---

① فتح الباری ۲۵/۱ ، بحوالہ ابن ابی داؤد، نیز دیکھئے: الاتقان ۱۷۰/۱، البرہان فی علوم القرآن ۳۰۳/۱

② بخاری ۷۴۶/۱ ③ فتح الباری ۲۵/۱۰

إِلَّا عَنْ مَلَإٍ مِنَّا)).[1]

"عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی بات ان کی بھلائی کے سوا نہ کہو کیونکہ انہوں نے مصاحف کے معاملہ میں جو کام کیا وہ ہم سب کی موجودگی میں کیا ہے۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چونکہ مصاحف کو جلانے کا حکم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عام مشورہ اور اجماع کے بعد دیا تھا، غالباً یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ فرمایا کرتے تھے "کہ اگر یہ کام میرے سپرد ہوتا تو میں بھی وہی کرتا جو عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا۔

"حَتّٰی قَالَ عَلِیٌّ "لَوْ وُلِّیتُ مَا وُلِّیَ عُثْمَانُ لَعَمِلْتُ بِالْمَصَاحِفِ مَا عَمِلَ)).[2]

آیاتِ قرآنی کی ترتیب

یہ ذکر آ چکا ہے کہ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے لوح محفوظ سے آسمان دُنیا پر یکبارگی نازل فرمایا۔ پھر وقتاً فوقتاً انسانی ضرورت وحاجت کے پیشِ نظر قرآن کریم کی آیات آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی رہیں، موقع کی نزاکت اور وقت کی مصلحت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ احکام بھیجتا رہا اور اس طریقہ سے تئیس سال میں قرآن کریم کا نزول مکمل ہوا۔ لیکن جب جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کاتبین وحی میں سے کسی کو بلاتے اور جس سورہ کی آیت ہوتی اسی سورہ میں لکھنے کا حکم فرماتے، اور جو آیت جس مقام کی ہوتی وہیں لکھنے کا حکم دیتے۔

غرض کہ قرآن کریم کی آیات کی ترتیب من جانب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہے، اور ترتیب آیات "توقیفی" ہے، چنانچہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ایک طویل روایت نقل کی ہے جس میں سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آیاتِ قرآنی کی ترتیب کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ کار ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((فَكَانَ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الشَّيْءُ دَعَا بَعْضَ مَنْ كَانَ يَكْتُبُ فَيَقُولُ: ضَعُوا

---

① الاتقان بحوالہ ابن ابی داؤد ۱۶۹/۱، دیکھئے: فتح الباری ۲۵/۱۰، اخرج ابن ابی داؤد بسند صحیح عن سوید بن غفلة ، البرهان ۳۰۲/۱

② البرهان فی علوم القرآن ۳۰۲/۱

هٰؤُلَاءِ الْآيَاتِ فِي السُّوْرَةِ الَّتِي يُذْكَرُ فِيهَا كَذَا وَ كَذَا، وَإِذَا نَزَلَتْ عَلَيْهِ الْآيَةُ فَيَقُوْلُ! ضَعُوْا هٰذِهِ الْآيَةَ فِي السُّوْرَةِ الَّتِي يُذْكَرُ فِيهَا كَذَا وَ كَذَا)).[1]

اس روایت کے علاوہ متعدد ایسی روایتیں موجود ہیں جن سے واضح طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آیاتِ قرآنی کی ترتیب توقیفی ہے، اس میں صحابہ کے اجتہاد کا کوئی دخل نہیں، چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کیا ہے: "کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ نے آیت کریمہ ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا﴾ (البقرہ: ۲۳۴) کو قرآن کریم میں کیوں لکھا؟ جبکہ یہ آیت منسوخ ہے" تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((يَا ابْنَ أَخِيْ! لَا أُغَيِّرُ مِنْهَا شَيْئًا عَنْ مَكَانِهِ)).[2]

"کہ اے میرے بھتیجے! قرآن کریم کی کسی آیت کو میں اس کی جگہ سے نہیں بدل سکتا ہوں۔"

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جواب اس بات پر دلیل ہے کہ آیات کی ترتیب توقیفی ہے:

((وَفِيْ جَوَابِ عُثْمَانَ دَلِيْلٌ، عَلٰى أَنَّ تَرْتِيْبَ الْآيَةِ تَوْقِيْفِيٌّ)).[3]

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی عثمان بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے:

كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ إِذْ شَخَصَ بَصَرَهُ ثُمَّ صَوَّبَهُ ثُمَّ قَالَ: أَتَانِيْ جِبْرَئِيْلُ فَأَمَرَنِيْ أَنْ أَضَعَ هٰذِهِ الْآيَةَ هٰذَا الْمَوْضِعَ مِنْ هٰذِهِ السُّوْرَةِ ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى﴾ الى اٰخِرِهَا.[4]

---

① ترمذی ۵/۲۵۴، حدیث ۳۰۸۶، باب ۱۰، کتاب التفسیر۔ نیز دیکھئے: ابوداود، باب من جهر بها، کتاب الصلاۃ، النسائی فی الکبریٰ، باب کتابۃ القرآن، تحفۃ الاحوذی ۸/۳۸۰

② بخاری ۲/۶۵۰، حدیث نمبر ۴۵۳۶-۴۵۳۰

③ فتح الباری ۱/۵۱ ④ اخرجہ احمد باسناد حسن، الاتقان ۱/۱۷۲

”کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ آپ ﷺ نے اپنی نگاہ اوپر اٹھائی، پھر نگاہ نیچی کرلی، اور فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل امین تشریف لائے اور مجھے حکم (اللہ کی طرف سے) دیا کہ میں اس آیت ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ... الآية﴾ کو اس سورہ کے اس جگہ پر لکھوں۔“

یہ روایت اس باب سے انتہائی بے غبار اور واضح ہے کہ آیاتِ قرآنی کی ترتیب توقیفی ہے، چنانچہ پوری امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ آیات قرآنی کی ترتیب توقیفی ہے اور اس ترتیب کی رعایت واجب اور ضروری ہے، اس ترتیب کے خلاف قرآن کریم پڑھنا ناجائز اور نادرست ہے۔ علامہ زرکشی تحریر فرماتے ہیں:

((فَأَمَّا الْآيَاتُ فِيْ كُلِّ سُوْرَةٍ، وَوَضْعُ الْبَسْمَلَةِ فِي أَوَائِلِهَا فَتَرْتِيْبُهَا تَوْقِيْفِيٌّ بِلَاشَكٍّ، وَلَا خِلَافَ فِيْهِ، وَبِهٰذَا لَا يَجُوْزُ تَعْكِيْسِهَا)).[1]

”تمام سورتوں میں آیات کی ترتیب اور ابتداء میں بسم اللہ لکھنا بلاشبہ توقیفی ہے اور جس میں کوئی اختلاف نہیں، اس لئے اس ترتیب کے خلاف کرنا جائز نہیں۔“

جبکہ قاضی ابوبکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیاتِ قرآنی میں ترتیب کی رعایت ایک واجب الاتباع اور لازمی حکم ہے۔

((تَرْتِيْبُ الْآيَاتِ أَمْرٌ وَاجِبٌ وَحُكْمٌ لَازِمٌ)).[2]

سورتوں کی ترتیب؟

آیاتِ قرآنی کی ترتیب کے من جانب اللہ اور توقیفی ہونے پر اجماع کے باوجود سورتوں کی ترتیب کے باب میں اہل علم سے تین طرح کے اقوال منقول ہیں:

① قرآن کریم کی سورتوں کی موجودہ ترتیب توقیفی نہیں ہے اور یہ ترتیب حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے اجتہاد سے قائم کی ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے یہ ذمہ داری امت کے سپرد فرمائی تھی۔

---

① البرهان ۱/۳۲۳

② البرهان ۱/۳۲۳، مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے الاتقان ۱/۱۷۴-۱۷۱

یہ قول جمہور علماء کا ہے اور یہی رائے امام مالک، قاضی ابوبکر بن طیب ؒ کی ہے۔ چنانچہ علامہ زرکشی لکھتے ہیں:

((مَذْهَبُ جُمْهُوْرِ الْعُلَمَاءِ مِنْهُمْ مَالِكٌ، وَالْقَاضِيْ أَبُوْبَكْرٍ بْنُ الطَّيِّبِ إِلَى الثَّانِيْ وَأَنَّهُ ﷺ فَوَّضَ ذَالِكَ إِلَى أُمَّتِهِ بَعْدَهُ)).①

قاضی ابومحمد بن عطیہ اور ابوجعفر بن زبیر ؒ وغیرہ کا خیال ہے کہ قرآن کریم کی اکثر سورتوں کی ترتیب تو نبی ﷺ کی زندگی ہی میں عمل میں آچکی تھی، یعنی ان سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے اور نبی ﷺ کے حکم کے مطابق ہے۔ البتہ ممکن ہے کہ بعض سورتوں کی ترتیب کی ذمہ داری امت کو سپرد کی گئی ہو۔ چنانچہ علامہ سیوطی ؒ رقم فرماتے ہیں:

((وَمَالَ ابْنُ عَطِيَّةَ إِلَى أَنَّ كَثِيْرًا مِنَ السُّوْرَةِ كَانَ قَدْ عُلِمَ تَرْتِيْبُهَا فِيْ حَيَاتِهِ ﷺ، كَالسَّبْعِ الطُّوَلِ② وَالْحَوَامِيْمِ وَالْمُفَصَّلِ، وَأَنَّ مَاسِوَى ذَالِكَ يُمْكِنُ أَنْ يَكُوْنَ قَدْ فُوِّضَ الْأَمْرُ إِلَى الْأُمَّةِ)).③

"ابن عطیہ کا خیال ہے کہ قرآن کریم کی بہت ساری سورتیں مثلاً سات طویل سورتیں حوامیم اور مفصل کی ترتیب نبی ﷺ کے زمانہ میں انجام پا چکی تھی، ہاں ممکن ہے کہ ان کے علاوہ جو سورتیں ہیں ان کی ترتیب کی ذمہ داری امت کو سپرد کی گئی ہو۔"

حضرت ابوجعفر بن زبیر ؓ کہتے ہیں کہ: ابن عطیہ ؒ کی یہ بات کہ قرآن کریم کی بیشتر سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے اور بہت کم ایسی سورتیں ہیں جن میں صحابہ کے اجتہاد و قیاس کا دخل ہے، زیادہ تر روایتیں اسی بات پر شاہد عدل ہیں:

((اَلْآثَارُ تَشْهَدُ بِأَكْثَرِ مِمَّا نَصَّ عَلَيْهِ ابْنُ عَطِيَّةَ)).④

---

① البرھان ۳۲۵/۱

② سبع طول سے مراد سورہ بقرہ تا سورہ برأت ہے، حوامیم سے مراد وہ سورتیں ہیں جو حٰمٓ سے شروع ہوتی ہیں، جبکہ مفصل سے مراد چھوٹی چھوٹی سورتیں ہیں۔ (دیکھیے الاتقان ۱/۱۷۸-۱۷۹)

③ الاتقان ۱۷۶، دیکھیے: البرھان ۳۲۵/۱ ④ البرھان ۳۲۵/۱

اور مسلم کی روایت

((اِقْرَءُوا الزَّهْرَاوَيْنِ الْبَقَرَ وَآلِ عِمْرَانَ)).[1]

سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان سورتوں کی موجودہ ترتیب نبی ﷺ کی بنائی ہوئی ترتیب کے مطابق ہے۔ یعنی ان کی ترتیب توقیفی ہے نہ کہ اجتہادی، ان حضرات نے سورتوں کی ترتیب کے توقیفی ہونے پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے کہ نبی ﷺ جب سونے کے لئے بستر پر تشریف لے جاتے تو سورۂ اخلاص اور معوذتین پڑھ کر دستِ مبارک پر پھونکتے اور چہرے اور بدن اور سر پر مسح فرماتے:

((عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَانَ إِذَا أَوَىٰ إِلَىٰ فِرَاشِهٖ كُلَّ لَيْلَةٍ جَمَعَ كَفَّيْهِ ثُمَّ نَفَسَ فِيْهِمَا فَقَرَأَ فِيْهِمَا قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ، قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ، ثُمَّ يَمْسَحُ بِهِمَا)).[2]

غرض کہ ذخیرۂ حدیث میں اس طرح کی متعدد روایتیں موجود ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے۔

③ قرآن کریم کی سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے اور یہ من جانب اللہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے قائم کی گئی ہے۔ اس ترتیب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا کسی دوسرے کے اجتہاد اور رائے کا کوئی دخل نہیں ہے۔ چنانچہ مشہور محدث امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((كَانَ الْقُرْآنُ عَلَىٰ عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ مُرَتَّبًا سُوَرَةً وَ آيَةً عَلَىٰ هٰذَا التَّرْتِيْبِ إِلَّا الْأَنْفَالَ وَبَرَاءَةً، لِحَدِيْثِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ)).[1]

"کہ قرآن کریم کی سورتیں اور آیات موجودہ ترتیب کے مطابق عہد رسالت ہی سے ہیں سوائے سورہ انفال اور براۃ کے، اس کی ترتیب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے قائم فرمائی ہے۔"

---

① مسلم ۲۷۰/۱، باب فضل قرأة القرآن و سورة البقرة

② بخاری ۷۵/۲، عن عائشة رضی اللّٰہ عنہا، باب فضل المعوذات

① المدخل للامام بیہقی بحوالہ الاتقان ۱۷۶/۱

سیدنا حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت اس باب میں بالکل ہی بے غبار ہے کہ قرآن کریم کی سورتوں کی موجودہ ترتیب توقیفی ہے، سوائے سورہ براۃ اور سورہ انفال کے کہ اس کی ترتیب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے اور اجتہاد سے قائم فرمائی ہے:

((قُلْتُ لِعُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ مَا حَمَلَكُمْ اَنْ عَمَدْتُمْ اِلَى الْاَنْفَالِ وَ هِيَ مِنَ الْمَثَانِي، وَاِلَى بَرَائَةٍ وَهِيَ مِنَ الْمِئِيْنَ فَقَرَنْتُمْ بَيْنَهُمَا وَلَمْ تَكْتُبُوْا بَيْنَهُمَا سَطْرَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَ وَضَعْتُمُوْهَا فِي السَّبْعِ الطُّوَلِ، مَا حَمَلَكُمْ عَلٰى ذَالِكَ؟ فَقَالَ عُثْمَانُ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِمَّا يَاْتِيْ عَلَيْهِ الزَّمَانُ وَ تَنْزِلُ عَلَيْهِ السُّوَرُ ذَوَاتُ الْعَدَدِ فَكَانَ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الشَّيْءُ دَعَا بَعْضَ مَنْ كَانَ يَكْتُبُ فَيَقُوْلُ: ضَعُوْا هٰؤُلَاءِ الْاٰيَاتِ فِي السُّوْرَةِ الَّتِيْ يُذْكَرُ فِيْهَا كَذَا وَ كَذَا وَ كَانَتِ الْاَنْفَالُ مِنْ اَوَائِلِ مَا اُنْزِلَتْ بِالْمَدِيْنَةِ وَ كَانَتْ بَرَائَةٌ مِنْ آخِرِ الْقُرْآنِ وَ كَانَتْ قِصَّتُهَا شَبِيْهَةً فَظَنَنْتُ اَنَّهَا مِنْهَا فَقُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَلَمْ يُبَيِّنْ لَنَا اَنَّهَا مِنْهَا فَمِنْ اَجْلِ ذَالِكَ قَرَنْتُ بَيْنَهُمَا وَ لَمْ اَكْتُبْ بَيْنَهُمَا سَطْرَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، فَوَضَعْتُهَا فِي السَّبْعِ الطُّوَلِ)).[1]

"میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ نے سورہ انفال اور سورہ براۃ کو بغیر بسم اللہ کے لکھے کیوں لکھا؟ حالانکہ انفال مثانی میں سے ہے اور براۃ مئین میں سے ہے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ جب متعدد آیتیں نازل ہوتیں، تو آپ ﷺ کاتبین وحی میں سے کسی کو بلاتے اور ان سے کہتے کہ ان آیات کو فلاں سورہ کے فلاں مقام پر لکھو اور جب ایک آیت نازل ہوتی تو آپ ﷺ فرماتے کہ اس آیت کو فلاں سورہ کی فلاں آیت کے بعد لکھو، اور سورۂ انفال ان سورتوں میں ہے جو مدینہ میں ابتدائی دور میں نازل ہوئیں، جبکہ سورہ براءۃ اخیر دور میں نازل ہوئی اور چونکہ دونوں ہی

① ترمذی ۲۵۴/۵، حدیث ۳۰۸۶، دیکھئے: ابوداؤد ۱۱۴/۱، باب من جهر بها كتاب الصلاة

سورتوں کے واقعات وقصص ایک دوسرے کے مماثل اور مشابہ ہیں، اس لئے میں نے خیال کیا کہ سورۃ براءۃ سورہ انفال ہی کا جز ہے، اور پھر یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوگیا اور آپ نے ان دونوں سورتوں کے سلسلہ میں کوئی ہدایت نہیں فرمائی، اس لئے میں نے دونوں سورتوں کو ایک جگہ لکھوایا اور ان دونوں کے درمیان "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" نہیں لکھا، اور اسے میں نے سات طویل سورتوں میں شامل کر دیا۔

یہ روایت اور اس طرح کی دوسری متعدد روایتیں ایسی ہیں جس سے آیات کی ترتیب کی طرح سورتوں کی ترتیب کا بھی توقیفی ہونا معلوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے امام احمد رحمہ اللہ کے حوالہ سے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی یہ نہایت ہی چشم کشا روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أُعْطِيتُ مَكَانَ التَّوْرَاةِ السَّبْعَ ، وَ أُعْطِيتُ مَكَانَ الزَّبُوْرِ الْمِئِيْنَ ، وَ أُعْطِيتُ مَكَانَ الْإِنْجِيلِ الْمَثَانِي وَ فُضِّلْتُ بِالْمُفَصَّلِ))۔ ①

"مجھے تورات کی جگہ سات طویل سورتیں، زبور کی جگہ مئین اور انجیل کے عوض مثانی عنایت کی گئی، جبکہ مجھے مفصل کے ذریعہ فضیلت عطا کی گئی۔"

ظاہر ہے کہ نبی ﷺ کا نام بنام ترتیب کے ساتھ ذکر فرمانا اس بات کی واضح اور بین دلیل ہے کہ سورتوں کی ترتیب آپ ﷺ کے حکم سے آپ ہی کے مبارک زمانہ میں قائم کی گئی ہے، چنانچہ ابن حصار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیات اور سورتوں کی ترتیب "وحی" کے ذریعہ قائم کی گئی ہے۔ ②

علوم اسلامی کے رمز شناس علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تمام اقوال کو بڑے ہی شرح بسط اور تفصیل کے ساتھ ذکر فرمانے کے بعد رقم طراز ہیں:

((قُلْتُ: وَ مَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ تَوْقِيفِيٌّ كَوْنُ الْحَوَامِيمِ رُتِّبَتْ وِلَاءً ، وَ

---

① مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ۷/۱۶۱، باب فضل القرآن ط: توسة المعارف، بیروت

② الاتقان ۱/۱۷۷

كَذَا الطَّوَاسِيْنُ، وَ لَمْ تُرَتَّبِ الْمُسَبِّحَاتُ وِلَاءً بَلْ فُصِّلَ بَيْنَ سُوَرِهَا، وَ فُصِّلَ طٰسِمْ الشُّعَرَاءُ وَ طٰسِمْ الْقَصَصِ بِطٰس مَعَ اَنَّهَا اَقْصَرُ مِنْهَا، وَلَوْ كَانَ التَّرْتِيْبُ اِجْتِهَادِيٌّ لَذُ كِرَتِ الْمُسَبِّحَاتُ وِلَاءً وَ اُخِّرَتْ طٰس عَنِ الْقَصَصِ وَالَّذِيْ يَنْشَرِحُ لَهُ الصَّدْرُ مَا ذَهَبَ إِلَيْهِ الْبَيْهَقِيُّ وَهُوَ أَنَّ جَمِيْعَ السُّوَرِ تَرْتِيْبُهَا تَوْقِيْفِيٌّ اِلَّا بَرَاءَةٌ وَالْاَنْفَالُ))۔ [1]

"میرا خیال ہے کہ حٰمٓ اور طٰسٓ سے شروع ہونے والی سورتوں کا لگاتار ذکر کرنا، اور سَبَّحَ سے شروع ہونے والی سورتوں کے درمیان فصل کرنا، اسی طرح سورہ شعراء اور قصص کے درمیان سورہ نمل کا لکھنا جبکہ دونوں ہی سورتیں طٰسٓمٓ سے شروع ہوتی ہیں اور سورہ نمل ان دونوں سے چھوٹی بھی ہے، اس بات پر دلیل ہے کہ سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے، کیونکہ اگر اس ترتیب میں اجتہاد کا دخل ہوتا ہے اور ترتیب اجتہاد اور رائے کے ذریعہ قائم کی گئی ہوتی تو سَبَّحَ کے لفظ سے شروع ہونے والی سورتوں کو بھی لگاتار بغیر کسی فصل کے ذکر کیا جاتا، اور طٰسٓ (نمل) کو قصص کے بعد رکھا جاتا، اور مجھے امام بیہقی کی اس رائے پر شرح صدر ہے کہ سورہ براءۃ اور سورہ انفال کے علاوہ تمام سورتوں کی (موجودہ) ترتیب توقیفی ہے نہ کہ اجتہادی۔"

اور یہی رائے اس کم مایہ اور کوتاہ علم کی ہے کہ قرآن کریم کی آیات ہی کی طرح قرآن حکیم کی سورتوں کی ترتیب بھی توقیفی اور من جانب اللہ ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

قرآن کریم کی تلاوت میں تسہیل کے اقدامات

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تدوین اور ترتیب کے بعد امت کا اس پر اجماع رہا ہے کہ قرآن کریم خط عثمانی کے علاوہ دوسرے کسی خط میں لکھنا جائز نہیں اور ابن فارسی رحمہ اللہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کا رسم الخط بھی توقیفی اور من جانب اللہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرمایا: ﴿عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝﴾ اور ﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝﴾ [2]

---

① الاتقان ۱/۱۷۸ ② الاتقان ۳/۴۶۹، نوع ۷۶

اس لئے اس رسم الخط کی اتباع لازمی اور ضروری ہے، چنانچہ اس کے بعد تمام مصاحف اسی طریقہ کے مطابق لکھے گئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ نے "مصحف عثمانی" کی نقول تیار کر کے قرآن کریم کی بڑی وسیع پیمانہ پر اشاعت فرمائی۔

لیکن جب اسلام عرب سے نکل کر عجمی (غیر عربی) ممالک میں بڑی ہی تیز رفتاری سے پھیلا اور اہل عجم نے نقطے اور حرکات کے نہ ہونے کی وجہ سے تلاوت قرآن میں دقت اور دشواری محسوس کی تو ضرورت محسوس کی گئی کہ قرآن کریم میں جو کہ اب تک نقطے اور زبر و زیر اور پیش سے خالی تھا، اعراب اور حرکات کا اضافہ کیا جائے تاکہ پوری امت خواہ عربی ہوں یا عجمی بآسانی تلاوت کر سکے، اس مقصد کے لئے مختلف کوششیں اور اقدامات کئے گئے جن کی مختصر تاریخ اس طرح ہے:

نقطے

ابتدائی دور میں عرب نقطے سے خالی غیر منقوط حروف لکھتے تھے اور ان میں خالی حروف لکھنے کا رواج عام تھا اور پڑھنے والے اس طرز تحریر کے اتنے عادی تھے کہ وہ غیر منقوط تحریر بنا کسی دشواری اور پریشانی کے پڑھ لیتے تھے، اور سیاق و سباق کی مدد سے مشتبہ حروف میں آسانی سے امتیاز برتتے تھے، بلکہ بعض لوگوں نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ عرب نقطوں کو معیوب سمجھتے تھے، چنانچہ مدائنی جو اپنے دور کے ایک بڑے مؤرخ ہیں، انہوں نے کسی ادیب کا یہ مقولہ نقل کیا ہے:

((كَثْرَةُ النُّقَطِ فِي الْكِتَابِ سُوْءُ ظَنٍّ بِالْمَكْتُوْبِ إِلَيْهِ)).[1]

"تحریر میں کثرت سے نقطے لگانا مکتوب الیہ کی ذکاوت اور فہم سے بدگمانی کے مترادف ہے۔"

غرض کہ اسی عمومی رواج کی وجہ سے مصحف عثمانی کو نقطوں سے خالی رکھا گیا، اس کے علاوہ ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ اس میں تمام متواتر قرأتیں سما جائیں، لیکن بعد کو ہم عجمی اور کم پڑھے لکھے عام مسلمانوں کی سہولت اور آسانی کی غرض سے قرآن کریم میں نقطے لگوائے گئے

[1] صبح الاعشى للقلقشندي ٣/١٥٤

اس سلسلہ میں روایتیں مختلف ہیں کہ قرآن کریم کے نسخے پر سب سے پہلے کس نے نقطے لگائے، اور یہ کارنامہ کس کے دورِ حکومت میں انجام پایا، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں:

((أُخْتُلِفَ فِيْ نُقَطِ الْمُصْحَفِ وَشَكْلِهِ)).[1]

بعض روایتیں کہتی ہیں کہ یہ کارنامہ سب سے پہلے ابوالاسود دؤلی رحمۃ اللہ علیہ نے انجام دیا۔[2]

بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ کارنامہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلقین اور حکم سے انجام دیا۔[3] جبکہ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ انہوں نے عبدالملک بن مروان رحمۃ اللہ علیہ کی فرمائش پر یہ کام کیا[4] لیکن ابوالفرج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کوفہ کے گورنر زیاد بن ابوسفیان رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے یہ کام کروایا۔[5] ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ کارنامہ حجاج بن یوسف نے حضرت حسن بصری، یحییٰ بن یعمر اور نصر بن عاصم لیثی رحمۃ اللہ علیہم کے ذریعہ انجام دیا۔[6] لیکن فن بلاغت اور ادب کے امام علامہ جاحظ (۲۵۵ متوفی) کہتے ہیں کہ سب سے پہلے نقطے نصر بن عاصم رحمۃ اللہ علیہ نے لگائے، اسی لئے انہیں ناصر الحروف کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔[7]

بعض حضرات کہتے ہیں کہ جس نے قرآن کریم پر نقطے لگائے وہی شخص نقطوں کا موجد بھی ہے، اس سے پہلے نقطوں کا کوئی تصور نہیں تھا، لیکن رسم الخط اور فن انشاء کے امام اور محقق علامہ قلقشندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تردید فرمائی ہے، ان کا خیال ہے کہ نقطوں کی ایجاد اس سے پہلے ہی ہو چکی تھی۔ ایک روایت کے مطابق قبیلہ بولان کے مرارہ بن اسلم بن سدرہ اور عامر بن جذرہ رسم الخط کے موجد ہیں، مرارہ نے حروف کی صورتیں ایجاد کیں، اسلم نے فصل اور وصل کے طریقے وضع کئے اور عامر نے نقطے وضع کئے۔[8]

لیکن ایک روایت یہ بھی ہے کہ نقطوں کا استعمال سب سے پہلے حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کے دادا ابوسفیان بن امیہ نے کیا ہے، انہوں نے یہ فن حیرہ کے باشندوں سے

---

① الاتقان ۸۲/۱ ② البرھان ۳۱۷/۱، عن المبرد نیز دیکھئے: الاتقان ۴۸۲/۲
③ صبح الاعشیٰ ۱۵۵/۲ ④ الاتقان ۴۸۲/۲
⑤ البرھان ۳۱۷/۱، نوع ۱۴ ⑥ قرطبی ۶۳/۳، دیکھئے: تاریخ القرآن لکردی ص ۱۸۱
⑦ البرھان ۳۱۷/۱ ⑧ صبح الاعشیٰ ۱۲/۳

سیکھا تھا اور اہل حیرہ نے انبار والوں سے یہ فن سیکھا۔ ①

غرض کہ نقطوں کا ایجاد تو بہت پہلے ہو چکا تھا، البتہ قرآن کریم متعدد مصلحتوں کی وجہ سے نقطوں سے خالی رکھا گیا، بعد کو جس نے بھی قرآن کریم کو نقطوں سے مزین کیا وہ نقطے کا موجد نہیں، بلکہ صرف قرآن کریم میں اس کے استعمال میں اس کو اوّلیت حاصل ہے لیکن علامہ بدرالدین زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوالحسین بن فارسی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ کسی بھی زبان خواہ عربی ہو یا سریانی میں کتاب سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی وفات سے تین سو سال پہلے لکھی، حضرت آدم علیہ السلام نے اس کتاب کو مٹی پر لکھ کر پکایا، لیکن جب زمین میں سیلاب آیا تو ہر قوم نے اپنی کتاب (رسم الخط) حاصل کر لیا، اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے حصے میں کتاب عربی (رسم الخط) آئی جبکہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "سب سے پہلے عربی کتاب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے لکھی۔ ②

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسم الخط کے موجد قبیلہ بولان کے مرارہ بن مرہ وغیرہ نہیں بلکہ یا تو سیدنا آدم علیہ السلام نے ہی تمام رسم الخط خواہ عربی ہو یا کوئی اور کو وجود بخشا، یا پھر عربی رسم الخط کا ایجاد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی مرہون منت ہے، کیونکہ رسم الخط کے بغیر عربی یا دیگر کسی زبان میں کتاب لکھنا سمجھ میں نہیں آتا۔ واللہ اعلم بالصواب

حرکات

نقطوں کی طرح شروع میں قرآن کریم پر حرکات (زیر، زبر، پیش) وغیرہ بھی نہیں تھے، اس سلسلہ میں بھی روایتیں مختلف ہیں کہ سب سے پہلے حرکات لگانے کا کارنامہ کس نے انجام دیا؟ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ کام بھی سب سے پہلے ابوالاسود دؤلی رحمۃ اللہ علیہ نے عبدالملک بن مروان رحمۃ اللہ علیہ کی ایماء پر کیا۔ ③

جبکہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ کام حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور یحییٰ بن یعمر رحمۃ اللہ علیہ نے کیا، اور ایک روایت ہے کہ یہ کام نصر بن عاصم لیثی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا، ④ کچھ لوگوں کا کہنا ہے

---

① صبح الاعشیٰ ۱۲/۳ ② البرہان ۴۵۸/۱، نوع ۲۵

③ الاتقان ۴۸۲/۲ ④ حوالہ سابق

کہ ان حضرات سے یہ کام حجاج بن یوسف نے کروایا[1] اگر اس سلسلے کی تمام روایات کو سامنے رکھا جائے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ "حرکات" سب سے پہلے تو ابوالاسود دؤلی رحمۃ اللہ علیہ نے ہی وضع کیے لیکن شروع کے دور میں "حرکات" کی شکل اس طرح نہ تھی جیسی آج ہے، بلکہ زبر کے لئے حرف کے اوپر ایک نقطہ (ـــ•ــ) زیر کے لئے حرف کے نیچے ایک نقطہ (ـــ•ــ) اور پیش کے لئے حرف کے سامنے ایک نقطہ (ـــ•) اور تنوین کے لئے دو نقطے (ـــ••) مقرر کئے گئے تھے۔[2] بعد کو خلیل بن احمد نے حرکات کی موجودہ شکل کے علاوہ ہمزہ اور تنوین کی علامات وضع کیں۔[3]

پھر بعد کو حجاج بن یوسف نے حضرت حسن بصری، یحییٰ بن یعمر اور نصر بن عاصم رحمۃ اللہ علیہم سے بیک وقت نقطے اور حرکات سے قرآن کریم کو آراستہ اور مزین کرنے کی فرمائش کی اور اب حرکات کے لئے نقطوں کے بجائے زیر، زبر، پیش کی موجودہ صورتیں متعین کی گئیں، تاکہ حروف کے اصل نقطوں سے اشتباہ نہ ہو۔ واللہ اعلم ..

اخماس اور اعشار

ابتدائی زمانے کے قرآنی نسخوں میں اس علامت کا بھی رواج تھا کہ ہر پانچ آیت کے بعد "خمس" یا "خ" اور دس آیت کے بعد "عشر" یا "ع" کی علامت لکھی جاتی تھی، کہا جاتا ہے کہ ان علامتوں کی ایجاد عباسی خلیفہ مامون کے حکم سے عمل میں آئی، جبکہ بعض حضرات نے اس کی نسبت حجاج بن یوسف کی طرف کی ہے[4] لیکن یہ دونوں اقوال اس لئے درست نہیں معلوم ہوتے کہ خود عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں "اعشار" کا تصور ملتا ہے۔ مصنف ابن شیبہ میں یہ روایت ہے:

((عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ أَنَّهُ كَرِهَ التَّعْشِيْرَ)).[5]

"حضرت مسروق کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ مصحف میں اعشار کا نشان ڈالنے کو

① قرطبی ۱/۶۳ ② الاتقان ۲/۴۸۴
③ حوالہ سابق ۲/۴۸۲-۴۸۴ ④ البرهان ۱/۳۱۷
⑤ مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۴۹۷ کتاب الصلاۃ

مکروہ سمجھتے تھے۔"

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ "اعشار" کا تصور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد ہی میں پیدا ہو چکا تھا، پہلی قسم کی علامت کو "اخماس" اور دوسری قسم کی علامت کو "اعشار" کہا جاتا ہے۔

اخماس، اعشار، نقطے اور حرکات اور متقدمین علماء

متقدمین علماء میں اختلاف رہا ہے کہ "اخماس، اعشار" کی علامتیں قرآن کریم میں لگانا جائز اور درست ہے یا نہیں؟ صحابہ میں سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ "اعشار" کو مکروہ سمجھتے تھے۔[1] حضرت مجاہد، علامہ حلیمی، ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ بھی "اعشار" اور "اخماس" کی علامتوں کو ناجائز اور نادرست سمجھتے تھے۔[2] اسی طرح نقطوں کے سلسلے میں بھی متقدمین علماء میں اختلاف رائے نظر آتا ہے، چنانچہ ابراہیم نخعی، ابوالعالیہ اور ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہم (ایک روایت کے مطابق) قرآن کریم میں نقطے لگائے جانے کو مکروہ سمجھتے ہیں، جبکہ ربیعہ بن عبدالرحمٰن، علامہ حلیمی (ایک روایت کے مطابق) امام بیہقی اور علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم نقطوں کو جائز ہی نہیں بلکہ مستحب اور مستحسن بتلاتے ہیں، چنانچہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((قَالَ النَّوَوِيُّ : نَقْطُ الْمُصْحَفِ وَ شَكْلُهُ مُسْتَحَبٌّ لِاَنَّهُ صِيَانَةٌ لَهُ مِنَ اللَّحْنِ وَالتَّحْرِيْفِ)).[3]

"مصحف میں نقطے اور اعراب لگانا مستحب ہے، اس لئے کہ اس سے فحش غلطی اور تحریف سے بچا جا سکتا ہے۔"

احزاب یا منزلیں

عام طور پر صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کا یہ معمول تھا کہ ہفتہ میں قرآن ختم کر لیتے تھے، اس مقصد کے پیشِ نظر ان حضرات نے یومیہ تلاوت کی ایک مقدار مقرر کر لی تھی، جسے "حزب" یا منزل کہا جاتا تھا، اس طرح قرآن کریم کل سات احزاب یا منزلوں پر تقسیم کیا گیا، چنانچہ حضرت اوس بن حذیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے پوچھا:

---

① حوالہ سابق، نیز دیکھئے: الاتقان ۲/۴۸۲ ② الاتقان ۲/۴۸۳ ③ حوالہ سابق۔

((كَيْفَ تُحَزِّبُوْنَ الْقُرْآنَ ؟ قَالُوْا : ثَلَاثٌ وَ خَمْسٌ ، وَ سَبْعٌ، وَ تِسْعٌ، وَإِحْدَىٰ عَشْرَ ، وَ ثَلَاثَ عَشْرَ وَ حِزْبُ الْمُفَصَّلِ مِنْ "ق" حَتّٰى يَخْتِمَ)).①

"آپ نے قرآن کریم کے کتنے حزب بنائے ہوئے ہیں فرمایا: ایک حزب تین سورتوں کا، دوسرا پانچ سورتوں کا، تیسرا سات سورتوں کا چوتھا نو سورتوں کا، پانچواں گیارہ سورتوں کا چھٹا تیرہ سورتوں کا اور آخری حزب مفصل میں "قٓ" سے آخر تک۔"

اجزاء یا پارے

آج کل قرآن کریم کل تیس اجزاء پر منقسم ہے، جنہیں تیس پارے بھی کہتے ہیں، یہ پاروں کی تقسیم معنی کے اعتبار سے نہیں بلکہ مقدار کے اعتبار سے ہے، بچوں کی تعلیم میں سہولت اور آسانی کے مقصد سے اس طرح پاروں میں تقسیم کر دیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات بالکل ادھوری بات پر پارہ ختم ہو جاتا ہے، یہ تو یقین سے کہنا مشکل ہے کہ پاروں کی یہ تقسیم کب سے ہے اور کس نے کی؟ بعض حضرات کا خیال ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی نے مصاحف کے نقل کے وقت اسے تیس علیحدہ علیحدہ صحیفوں میں لکھوایا تھا۔ لہٰذا یہ تقسیم آپ ہی کے زمانے کی ہے۔② لیکن علامہ بدرالدین زرکشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن کے تیس پارے مشہور چلے آ رہے ہیں اور مدارس کے قرآنی نسخوں میں ان کا رواج ہے، اس سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقسیم عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد تعلیم کی سہولت کے لئے کی گئی ہے۔③

رکوع

رکوع کی علامت کا رواج بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے کے بعد ہوا اور آج بھی جاری ہے، اور اس کی تعیین معنی کے لحاظ سے کی گئی ہے، یعنی جہاں ایک بات مکمل ہوئی اور سلسلہ کلام ختم ہوا، وہاں حاشیہ پر "ع" رکوع کی علامت بنا دی گئی، بعض حضرات کا خیال ہے

① البرھان ۳۱٦/۱، بحوالہ ابوداؤد، ابن ماجہ
② تاریخ القرآن از مولانا عبدالصمد صارم ص ۸۱۔
③ البرھان ۳۱٦/۱ دیکھئے: مناھل العرفان ۴۰۲/۱

کہ اس علامت کا رواج بھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے ہوا، اور کوع کی تعیین بھی آپ ہی کے زمانے میں کی گئی تھی۔ ① لیکن اتنی بات تو یقینی اور محقق ہے کہ اس علامت کا مقصد قرآن کریم کی ایسی متوسط مقدار کی تعیین ہے، جو ایک رکعت میں پڑھی جا سکے، اور اس کو رکوع، اس لئے کہتے ہیں کہ وہاں نماز میں رکوع کیا جائے، چنانچہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

((وَ حُكِيَ أَنَّ الْمَشَائِخَ رَحِمَهُمُ اللهُ تَعَالٰى جَعَلُوا الْقُرْآنَ عَلٰى خَمْسِمِائَةٍ وَ اَرْبَعِيْنَ رُكُوْعًا وَ اَعْلَمُوْا ذَالِكَ فِي الْمَصَاحِفِ حَتّٰى يَحْصُلَ الْخَتْمُ فِي اللَّيْلَةِ السَّابِعِ وَالْعِشْرِيْنَ)). ②

"بیان کیا جاتا ہے کہ مشائخ نے قرآن کریم پانچ سو چالیس رکوع پر ختم کیا ہے، اور مصاحف میں اس کی علامتیں بنا دی ہیں تا کہ (تراویح میں) ختم قرآن ستائیس کی شب میں ہو سکے۔"

سورتوں کی تعداد؟

پوری امت کا اتفاق ہے کہ موجودہ قرآن کریم یعنی مصحف عثمانی رضی اللہ عنہ کی سورتوں کی کل تعداد ایک سو چودہ ہے، لیکن چونکہ سورہ انفال اور سورہ توبہ کے درمیان بسم اللہ نہیں ہے، اس لئے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی سورتوں کی کل تعداد ایک سو تیرہ ہے، البتہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ چونکہ معوذتین کو ابتداء میں قرآن کریم کا جزء نہیں سمجھتے تھے، بلکہ اس کو دعا سمجھتے تھے، اس لئے ان کے مصحف میں سورتوں کی تعداد صرف ایک سو بارہ تھی، لیکن بعد کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول سے رجوع فرما لیا تھا۔ ③

اس لئے اب پوری امت کا اتفاق ہے کہ قرآن کریم کی سورتوں کی تعداد ایک سو چودہ ہے۔ چنانچہ علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

((وَ اعْلَمْ اَنَّ عَدَدَ سُوَرِ الْقُرْاٰنِ بِاِتِّفَاقِ اَهْلِ الْحِلِّ وَالْعَقْدِ مِائَةٌ وَ

① تاریخ القرآن، از صارم ص ۸۱
② ہندیہ ۱/۸۸، فصل فی التراویح، بیروت لبنان
③ البرهان ۱/۳۱۷

اَرْبَعَةَ عَشَرَةَ سُوْرَةٍ كَمَا فِي الْمُصْحَفِ الْعُثْمَانِيِّ أَوَّلُهَا الْفَاتِحَةُ وَ آخِرُهَا النَّاسُ)).[1]

آیات، کلمات اور حروف کی تعداد

علامہ بدر الدین زرکشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حجاج بن یوسف نے بصرہ کے تمام قراء کو جمع کیا، پھر ان قراء میں سے حضرت حسن بصری، ابو العالیہ، نصر بن عاصم، عاصم الجحدری اور حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہم سے قرآن کریم کے حروف وکلمات شمار کرنے کی فرمائش کی، چنانچہ یہ حضرات "جو" کی مدد سے لگاتار چار ماہ تک قرآن کریم کے حروف اور کلمات کو شمار کرتے رہے، پھر ان حضرات نے اس جہد مسلسل کے بعد قرآن کریم کے کلمات کی تعداد ستتر ہزار چار سو اُنتالیس (۷۷۴۳۹) اور حروف کی تعداد تین لاکھ تیئس ہزار پندرہ (۳۲۳۰۱۵) بیان کی، جبکہ آیات کی تعداد چھ ہزار (۶۰۰۰) بتلائی ہے۔[2] لیکن علامہ فضل بن شاذان رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۲۶۰ھ) نے قرآن کریم کے کلمات کی تعداد ستتر ہزار چار سو سینتالیس (۷۷۴۴۷) ہونے کا دعویٰ کیا ہے، اور حضرت عبداللہ بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے قرآن کریم کے حروف کی تعداد تین لاکھ اکیس ہزار (۳۲۱۰۰۰) نقل کی ہے۔ اس کے برخلاف اسلام ابو محمد حمانی رحمۃ اللہ علیہ نے حروف کی تعداد تین لاکھ چالیس ہزار سات سو چالیس ذکر کی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔[3]

قرآن کریم کے اسماء

اللہ رب العزت نے کتاب ہدایت "یعنی قرآن کریم کو مختلف مقامات پر متعدد ناموں سے یاد کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے اسماءِ قرآن پر کتابیں لکھی ہیں، اور قرآن حکیم کے نوے (۹۰) سے زائد اسماء ذکر کئے ہیں، لیکن قاضی ابو العالی عزیز بن عبد الملک رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم کے پچپن (۵۵) نام ذکر کئے ہیں:

① حٰمٓ ﴿حٰمٓ ۚ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۙ﴾ (الدخان:۱)

② قرآن ﴿اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۙ﴾ (الواقعہ:۷۷)

---

[1] البرہان ۱/۳۱۷ [2] البرہان ۱/۳۱۴ [3] البرہان ۱/۳۱۵

③ کَلَامٌ ﴿حَتّٰی یَسْمَعَ کَلٰمَ اللّٰهِ﴾ (التوبہ:۶)

④ نُوْرٌ ﴿وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ﴿۱۷۴﴾﴾ (النساء:۱۷۴)

⑤ هِدَایَتٌ ﴿هُدًی وَّ رَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِیْنَ ﴿۳﴾ لا﴾ (لقمان:۳)

⑥ رَحْمَتٌ ﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْیَفْرَحُوْا ط﴾ (یونس:۵۸)

⑦ فُرْقَانٌ ﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ﴾ (الفرقان:۱)

⑧ شِفَاءٌ ﴿وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ﴾ (الاسراء:۸۲)

⑨ مَوْعِظَتٌ ﴿قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ (یونس:۵۷)

⑩ ذِکْرٌ ﴿وَ هٰذَا ذِکْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ط﴾ (الانبیاء:۵۰)

⑪ کَرِیْمٌ ﴿اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ ﴿۷۷﴾ لا﴾ (الواقعہ:۷۷)

⑫ عَلِیٌّ۔ یعنی بلند و برتر چیز ﴿وَ اِنَّهٗ فِیْٓ اُمِّ الْکِتٰبِ لَدَیْنَا لَعَلِیٌّ حَکِیْمٌ ﴿۴﴾ ط﴾ (الزخرف:۴)

⑬ حِکْمَتٌ ﴿حِکْمَةٌ بَالِغَةٌ﴾ (القمر:۵)

⑭ حَکِیْمٌ ﴿الٓرٰ تِلْكَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ ﴿۱﴾﴾ (یونس:۱)

⑮ مُهَیْمِنٌ۔ نگہبان ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْکِتٰبِ وَ مُهَیْمِنًا عَلَیْهِ﴾ (المائدہ:۴۸)

⑯ مُبَارَكٌ ﴿کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ﴾ (ص:۲۹)

⑰ حَبْلٌ۔ بمعنی رسی، ڈور ﴿وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا﴾ (آل عمران:۱۰۳)

⑱ صِرَاطِ مُسْتَقِیْم۔ یعنی سیدھی راہ ﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا﴾ (الانعام:۱۵۳)

⑲ قَیِّمٌ۔ یعنی مضبوط، سیدھا ﴿وَ لَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ﴿۱﴾ قَیِّمًا﴾ (الکہف:۱-۲)

⑳ فَصْلٌ ﴿اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ لا﴾ (الطارق:۱۳)

㉑ نَبَاءِ عَظِیْمٌ۔ یعنی عظیم الشان خبر ﴿عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱﴾ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ ﴿۲﴾ لا﴾ (النباء:۱-۲)

㉒ اَحْسَنَ الْحَدِیْثُ۔ یعنی سب سے اچھی بات ﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ﴾ (الزمر:۲۳)

(23) تَنْزِيْلٌ ﴿وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (الشعراء:۱۹۲)

(24) رُوْحٌ ﴿وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا﴾ (الشوریٰ:۵۲)

(25) وَحْیٌ ﴿قُلْ اِنَّمَاۤ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ﴾ (الانبیاء:۴۵)

(26) اَلْمَثَانِیْ ﴿وَ لَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ﴾ (الحجر:۸۷)

(27) عَرَبِیٌّ ﴿قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا﴾ (الزمر:۲۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عربی سے مراد قرآن کریم کا غیر مخلوق ہونا ہے۔ (البرھان:۱/۳۴)

(28) قَوْلٌ ﴿وَ لَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ﴾ (القصص:۵۱)

(29) بَصَآئِرُ ﴿هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ﴾ (الجاثیہ:۲۰)

(30) بَيَانٌ ﴿هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ﴾ (آل عمران:۱۳۸)

(31) عِلْمٌ ﴿وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ﴾ (الرعد:۳۷)

(32) حَقٌّ ﴿اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ﴾ (آل عمران:۶۲)

(33) هَادِیٌ ﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ﴾ (الاسراء:۹)

(34) عَجَبٌ۔ یعنی انوکھی چیز ﴿قُرْاٰنًا عَجَبًا﴾ (الجن:۱)

(35) تَذْكِرَةٌ ﴿اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ﴾ (المدثر:۵۴)

(36) اَلْعُرْوَةُ الْوُثْقٰى۔ یعنی مضبوط ڈور ﴿فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى﴾ (لقمان:۲۲)

(37) مُتَشَابِه ﴿كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا﴾ (الزمر:۲۳)

(38) صِدْقٌ ﴿وَ الَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ﴾ (الزمر:۳۳)

(39) عَدْلٌ ﴿كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا﴾ (الانعام:۱۱۵)

(40) اِيْمَانٌ ﴿سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ﴾ (آل عمران:۱۹۳)

(41) اَمْرٌ۔ یعنی حکم الٰہی ﴿ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ﴾ (الطلاق:۵)

(42) بُشْرٰى۔ یعنی خوشخبری ﴿هُدًى وَّ بُشْرٰى﴾ (النحل:۱۰۲)

(43) مَجِیْدٌ ﴿بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ ﴾ (البروج:۲۱)

(44) زَبُوْرٌ ﴿وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ﴾ (الانبیاء:۱۰۵)

(45) مُبِیْنٌ ﴿الٓرٰ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ﴾ (یوسف:۱)

(46) بَشِیْرٌ وَ نَذِیْرٌ۔ یعنی خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا ﴿بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا ۚ فَاَعْرَضَ﴾ (فصلت:۴)

(47) عَزِیْزٌ ﴿وَ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِیْزٌ ﴾ (فصلت:۴۱)

(48) بَلَاغٌ ﴿هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ﴾ (ابراہیم:۵۲)

(49) قَصَصٌ ﴿اَحْسَنَ الْقَصَصِ﴾ (یوسف:۳)

(50) صُحُفٌ ﴿فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴾ (عبس:۱۳)

(51) مُكَرَّمٌ (قابلِ احترام) ﴿فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴾ (عبس:۱۳)

(52) مَرْفُوْعٌ (بلند) ﴿مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ﴾ (عبس:۱۴)

(53) مُطَهَّرٌ ﴿مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ﴾ (عبس:۱۴) [1]

جامع قرآن کون؟

پوری تفصیل کے ساتھ یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ قرآن کریم کی کتابت وتحریر کا کام نبی مکرم ﷺ کے زمانہ مبارک میں ہی ہوا تھا، البتہ پورا قرآن کریم کسی ایک جگہ جمع نہیں تھا، بلکہ قرآن کریم کی مختلف سورتیں اور آیات مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس موجود تھیں۔ بعد کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قرآن کریم کی تدوین وترتیب کا کام انجام پایا، اور باضابطہ قرآن کریم کے کتابی نسخے تیار کیے گئے، لہٰذا قرآن کریم کے مدوّن اوّل اور جامع قرآن سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ گوکہ عام طور پر مشہور یہی ہے کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن کا کارنامہ انجام دیا، لیکن سچی بات یہ ہے کہ سیدنا

---

[1] یہ تمام تفصیلات البرہان فی علوم القرآن ۱/ ۲۷۳-۲۸۵،نوع ۱۵ سے ماخوذ ہیں۔
نیز دیکھیے تفسیر کبیر ۲/ ۱۸-۱۴-۱۳

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آیات اور سورتوں کی ترتیب کا عظیم کارنامہ انجام دیا اور امت کو انتشار و اختلاف سے بچایا، اور پوری امت کو ایک مصحف پر جمع فرمایا (جس کی تفصیل آ چکی ہے)۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں:

((اَلْمَشْهُوْرُ عِنْدَ النَّاسِ أَنَّ جَامِعَ الْقُرْآنِ عُثْمَانُ وَ لَيْسَ كَذَالِكَ ..... فَأَمَّا السَّابِقُ اِلٰى جَمْعِ الْجُمْلَةِ فَهُوَ الصِّدِّيْقُ)).①

"عام طور پر لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ جامع قرآن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں لیکن یہ درست نہیں، بلکہ ان سے پہلے جمع قرآن کا کارنامہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ انجام دے چکے تھے۔"

① الاتقان فی علوم القرآن ۱/۱۷۰

باب ۲

کاتبینِ وحی

کاتبینِ وحی

سوانح صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر لکھی گئی مشہور کتاب "صور من حیاۃ الصحابہ" کے مؤلف عبدالرحمٰن رافت پاشا نے یہ دعاء کی ہے، ناچیز مؤلف اس دعا پر آمین کہتا ہے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ اَحْبَبْتُ صَحَابَةَ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصْدَقَهُ اَلْحُبُّ الرَّاسِخُ فَهَبْنِیْ يَوْمَ الْفَزَعِ الْاَكْبَرِ لِأَيِّ مِنْهُمْ فَإِنَّكَ تَعْلَمُ أَنِّیْ مَا اَحْبَبْتُهُمْ إِلَّا فِيْكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

"اے اللہ! میں آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے سچی اور دل کی گہرائیوں سے محبت کرتا ہوں، تو ہمیں قیامت کے دن ان میں سے کسی کا ساتھ عطا فرما، یقیناً آپ بخوبی واقف ہیں کہ آپ ہی کی رضا کے لئے ان سے محبت کرتا ہوں، اے ارحم الراحمین! رحم فرمائیے۔ (آمین)

سیدنا زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ

نام ونسب

مدینہ منورہ "جو اس زمانہ ہی سے جب وہ یثرب تھا" کی خمیر اور مٹی میں اللہ تعالیٰ نے بے گھروں کا گھر، بے سہاروں کا سہارا، وطن سے اُجڑنے والوں کا وطن اور مسکینوں غریبوں اور بے کسوں کا دارالہجرۃ بننے کی صلاحیت ودیعت کر رکھی تھی، وہاں ۳۰۰ء مسیحی میں ہی مدینہ کے دو قدیم باشندے اوس اور خزرج آ بسے اور اس کو وطن بنایا اور دیکھتے ہی دیکھتے ۴۹۰ ء تک ان کا پورے یثرب پر مکمل تسلط ہو گیا۔ (1) اوس، خزرج کا سلسلہ نسب یمن کے معروف قبیلہ ازد سے ملتا ہے، جہاں یثرب کی طرف ہجرت کی فضا یمن کی غیر یقینی صورتِ حال اور سد مآرب کے انہدام و شکستگی کی وجہ سے آب پاشی وغیرہ میں آئی دقتوں اور پریشانیوں کی وجہ سے تیار ہوئی، اور یہ لوگ یثرب میں آ کر آباد ہو گئے۔ (2) اوس کے قبائل مدینہ کے جنوب مشرق میں آباد ہوئے جو علاقہ عوالی کے نام سے موسوم ہے، جبکہ خزرج کے قبائل مدینہ کے وسطی اور شمالی علاقے جو مدینہ کا نشیبی حصہ ہے، میں آباد ہوئے۔ (3) خزرج کے قبائل مالک، عدی، مازن اور دینار جن کا تعلق بنونجار سے ہے، اس حصہ میں آ بسے جہاں مسجد نبوی ہے۔ مدینہ منورہ کے اس قدیم باسی اور قبیلہ بنونجار کے صاحب عزت وکمال ثابت بن ضحاک بن زید بن لوذان بن عمرو بن عبد بن عوف بن غنم بن عدی بن نجار کی بطن سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی صدق وصفا اور لسان وحی یوحی سے "علم میراث کی امامت" (4) کے سند یافتہ کاتب وحی جانشین عمر بن خطاب وعثمان بن عفان سیدنا ابوسعید زید بن ثابت رضی اللہ عنہ پیدا

---

(1) تاریخ العرب العام، ترجمہ عادل زعیتر ص ۵۱

(2) المنجد فی اللغۃ والاعلام ص ۳۲۱، فی الاعلام

(3) مکہ و المدینۃ، ص ۳۱۱

(4) کنز العمال رقم ۳۷۵۳-۳۳۳٤ تفصیل مناقب میں آیا چاہتی ہے۔

ہوئے۔[1] بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ آپ کی کنیت ابوعبدالرحمان ہے جبکہ بعض کا خیال ہے کہ آپ کی کنیت ابوخارجہ ہے۔[2] علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۷۴۸ھ) (جو اپنے دور کے مشہور صاحب سیر اور محدث ہیں) نے آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ کا نام اُم جمیل ذکر کیا ہے۔[3] لیکن ابن عساکر، علامہ ابن حجر عسقلانی، ابن اثیر جزری رحمہم اللہ وغیرہ نے آپ کی والدہ ماجدہ کا نام نوار بنت مالک ذکر کیا ہے۔[4] واللہ اعلم بالصواب

حضرت زید بن ثابت کا قبیلہ ہجرت سے پہلے

ابھی ذکر آیا کہ اوس وخزرج کے قبائل ۳۰۰ء میں ہی مدینہ منورہ کو اپنی جائے سکونت بنا چکے تھے، لیکن ان حضرات کی آمد سے پہلے ہی اس یثرب (مدینہ) میں یہود بے بہود جن کی فتنہ پردازیوں اور سازشوں کی ایک طویل داستان ہے آباد تھے۔ اور فطری بات ہے کہ جب اوس وخزرج کے قبائل مدینہ آئے، تو انہیں یہودیوں کے پڑوسی بنے، چنانچہ اوس کے لوگ ایک یہودی قبیلہ کے پڑوس میں پناہ گزیں ہوئے، جبکہ خزرج یہودیوں کے مشہور قبیلہ بنوقینقاع کے صاحب جوار بنے۔[5] میں نے بہت تلاش کیا کہ کوئی روایت ایسی مل جائے جس سے ان دونوں قبائل کے مدینہ آنے سے پہلے کے حالات معلوم ہوسکیں، کہ کیا اوس وخزرج اپنے قدیم ملک یمن میں بھی دست وگریبان تھے، لیکن میرے سامنے سیر وسوانح کی جو مختلف کتابیں موجود ہیں ان میں مجھے کوئی روایت ان کے آپسی تنازع اور جھگڑے کے متعلق نہیں مل سکی، اس کوتاہ علم کا خیال ہے کہ اوس وخزرج "یمن" میں تو شیر وشکر کی طرح ہوں گے، لیکن مدینہ آتے ہی انتہائی سخت قسم کے اختلاف رونما ہوئے، غالباً یہ اختلافات، نزاع اور جھگڑے یہود کے پڑوس اور جوار کا ثمرہ اور پھل تھا، اور شاید ان یہودیوں کے سازشی دماغوں کی کرشمہ سازی کا نتیجہ تھا کہ کل تک جو لوگ میل ومحبت سے جی رہے تھے، وہی لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے اور جان کے دشمن بن گئے، جس

---

① اسدالغابة فی معرفة الصحابة ۲/۳٤٦- رقم ۱۸۳٤، دیکھئے: الأصابة فی تمییز الصحابة ۱/٥٤۳، الاستیعاب مع الاصابة ۱/٥۳۲، سیر اعلام النبلاء ٤/٤۷۲

②، ③، ④ حوالہ سابق۔ ⑤ مکہ والمدینہ، ص ۳۱۱

کے نتیجہ میں ان کے درمیان بڑی خونریز جنگیں وقوع پذیر ہوئیں، جن میں پہلی جنگ سمیرہ تھی اور آخری جنگ جنگ بعاث تھی جو ہجرت سے پہلے ہوئی، کہا جاتا ہے کہ مدینہ منورہ سے دو میل کے فاصلہ پر بنوقریظہ کے علاقہ میں ایک قلع ہے، وہیں یہ ایک کھیت کا نام بعاث ہے، جہاں یہ جنگ ہوئی۔ ①

جنگ بعاث کیوں ہوئی تھی، اس کے اسباب و علل اور وجوہات کیا تھے، مناسب ہے کہ بخاری کے شارح علامہ عسقلانی ابن حجر رحمہ اللہ کی زبانی سنیے:

((أَنَّ سَبَبَ ذَالِكَ أَنَّهُ كَانَ مِنْ قَاعِدَتِهِمْ أَنَّ الْأَصِيْلَ لَا تُقْتَلُ بِالْحَلِيْفِ فَقَتَلَ رَجُلٌ مِنَ الْأَوْسِ حَلِيْفًا لِلْخَزْرَجِ، فَارَادُوْا أَنْ يُقِيْدُوْهُ فَامْتَنَعُوْا، فَوَقَعَتْ عَلَيْهِمُ الْحَرْبُ لِأَجْلِ ذَالِكَ)). ②

"اوس وخزرج کا یہ مسلمہ ضابطہ تھا کہ خاندانی رشتہ دار کو حلیف کے قصاص میں قتل نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ اوس کے ایک آدمی نے خزرج کے حلیف کا قتل کر دیا، تو خزرجیوں نے چاہا کہ اس آدمی کو قید کر دیں، لیکن قبیلہ اوس کے لوگ آڑے آئے اسی وجہ سے ان کے درمیان یہ خون ریز جنگ برپا ہوئی۔"

یتیمی:

جنگ بعاث جو ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ سال پہلے واقع ہوئی تھی، انتہائی خون آشام ثابت ہوئی۔ چنانچہ اس جنگ میں دونوں قبائل کے رؤساء اور سردار کام آئے، جن میں قبیلہ اوس کے سردار حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے والد حضیر بن سماک مارے گئے، جبکہ قبیلہ خزرج کے سردار عمر بن نعمان البیاضی بھی اسی جنگ میں کام آئے۔ ③ یہی وہ جنگ ہے جس میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے والد ثابت بن ضحاک مارے گئے اور اضطراری طور پر ہی یتامت آپ کے حصہ میں آئی، اور نہ چاہتے ہوئے بھی آپ رضی اللہ عنہ کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم

---

① فتح الباری ۷/۴۸۴، کتاب المناقب الانصار

② فتح الباری ۷/۴۸۵

③ دیکھیے: فتح الباری ۷/۴۸۴، السیرۃ النبویۃ ۲، لابن ہشام ۱/۱۶۰

کی اس سنّت سے سرفرازی نصیب ہوئی، جب آپ کے والد کا قتل ہوا اس وقت آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کی صرف چھ بہاریں دیکھیں تھیں، ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

((وَكَانَ يَوْمَ بُعَاثٍ اِبْنَ سِتِّ سِنِيْنَ وَفِيْهَا قُتِلَ اَبُوْهُ)).[1]

غرض کہ جنگ بعاث حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ایک کاری زخم دے گئی جو یقیناً صحبت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فوراً مندمل ہو گیا ہوگا، اب اسے حسن اتفاق ہی کہہ لیجئے کہ جہاں اللہ رب العزت نے یہ گوارہ نہیں کیا کہ جس قلب اطہر پر میرا کلام نازل ہو وہ ماں باپ کے مصنوعی نصرت و مدد اور سہارے کا محتاج ہو، شاید اسی حکیم کی حکمت اور غیرت کو یہ بات بھی گوارہ نہ ہوئی کہ جس کے قلم سے میرا قرآن لکھا جائے وہ باپ کے جھوٹے ڈھکوسلے کا آسرا لگائے۔

اوس وخزرج کی جنگی قوت

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قبیلہ خزرج اور اس کے محارب و مدمقابل قبیلہ اوس کی جنگی قوتوں اور فوجیوں کی صحیح تعداد تو میں نہیں بتا سکتا، لیکن ان کی جنگی قوت کا اندازہ ان جنگوں سے کیا جا سکتا ہے جن میں ہجرت کے بعد شریک ہوئے، چنانچہ فتح مکہ کے دن ان دونوں قبیلوں کے لڑاکوں اور فوجیوں کی تعداد چار ہزار سے کسی طرح کم نہ تھی۔[2]

اوس وخزرج کی اقتصادی حالت

مدینہ کی زمین چونکہ ایک زراعتی زمین تھی اس لئے اہل مدینہ عام طور پر کاشتکاری کیا کرتے تھے، اور ان کے اقتصادیات کا انحصار زیادہ تر باغبانی اور کاشتکاری ہی پر تھا، اور اہم ترین پیداوار میں کھجوریں اور انگور تھیں، ان کے بہت سے باغات تھے، کھیتیاں اور کھجور کے درخت ایک تنے اور دو تنے کے ہوتے تھے، کھیتی میں مختلف طرح کے غلے اور سبزیاں ہوتی تھیں، اور کھجوریں قحط اور خشک سالی کے وقت ان کی غذائی ضرورتوں کو پورا کرتی تھیں، لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ان میں تجارت اور خرید و فروخت کا رواج نہ تھا، باغبانی اور

---

[1] اسد الغابة فی معرفة الصحابه ۲/۳۴۷، دیکھئے: الاستیعاب مع الاصابه ۱/۵۳۲

[2] دیکھئے: امتاع الاسماع بالرسول من الانبیاء والاموال والحفدة والمتاع ۱/۳۶۴

زراعت سے یہ مطلب نہیں کہ ان کی کوئی تجارتی سرگرمیاں نہ تھیں، یہ اور بات تھی کہ اوس خزرج دینار و درہم اور سونے چاندی کے مالک نہ تھے، ان اشیاء پر یہودیوں کا قبضہ تھا، چونکہ یہ صنعتیں یہودیوں ہی کے ساتھ مخصوص تھیں، بعض یہودی سنار تھے، اور یہود جو کہ فطرتاً کساد بازار واقع ہوئے ہیں، انہوں نے اپنے گھڑے سونے چاندی سے بھر لئے تھے۔ ①

اب خود ہی فیصلہ کرلیں ان کے قبائل کے لئے زراعت و باغبانی اور تھوڑی بہت تجارت کے علاوہ بچا ہی کیا تھا غرض کہ ان کا معاشی اور اقتصادی انحصار اسی زراعت اور باغبانی پر تھا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کا قبیلہ ہجرت کے بعد:

اب اسے مکہ اور اہل مکہ کی بدنصیبی یا شوم قسمت اور شوم اعمال کہیے یا تقدیر کا فیصلہ کہ آفتاب نبوت گوکہ مکہ کے مطلع سے طلوع ہوا اور کم وبیش تیرہ سالوں تک اپنی کرنیں بکھیرتا رہا، نور نبوت کی جو قندیل مکہ ہی میں روشن ہوئی تھی اس نے وہاں ظلمتوں کی دبیز چادر کی دھجیاں اُڑا دیں، اور وہ ابر رحمت جو سب سے پہلے آسمان مکہ پر ہی سایہ فگن ہوا اس کے لطیف عنایت رحمتوں کی بارش برابر سرزمین مکہ پر ہوتی رہی۔ پر کیا کیجئے گا جسے ہونا ہوتا ہے وہ ہوکر رہتا ہے اور کاتب تقدیر کے فیصلہ کو کون ٹال سکتا ہے۔ غرض کہ وہ ابر رحمت صلوٰۃ و سلام۔ ان پر۔ جو ساری کائنات کے لئے رحمت بن کر آیا تھا۔ اسے اپنے ہی خاندان والوں اور گھر والوں کی ناقابل برداشت اذیتوں، زحمتوں اور ناقدریوں سے اپنا وطن چھوڑنا پڑا، بالآخر ایک دن آسمان مکہ سے یہ ابر رحمت چھٹا اور یثرب کی زمین پر ٹوٹ کر برسا، اور نبوت کی ضیاپاش کرنوں نے یثرب کو مدینہ منورہ بنا دیا۔

اور یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی برکت ہی تھی کہ کل کے دشمن آج کے دوست بن گئے، کل جہاں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قبیلہ خزرج اوس کے خون کا پیاسا تھا اور اوس ان کی جان کے درپے تھے، آج وہی اوس و خزرج ایک دوسرے کی جان کی حفاظت کے لئے اپنی

① دیکھئے: الیہود فی بلاد العرب ۱۲۸

اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے لگے، اب اسے نبی رحمت ﷺ کا صدقہ طفیل کہیے یا تبدیلی نام کی کرشمہ سازی کہ کل کے "اوس خزرج" جب آج انصار کہلائے [1] تو سارے کے سارے گلے شکوے یک لمحہ دُور ہو گئے اور ایسے شیر وشکر بنے، کہ اب ان کے درمیان بغض عداوت، دشمنی وعناد کی کوئی بات ہی نہ رہی، اور ایک دوسرے کی محبت والفت اور جذبہ ایثار میں اتنے آگے بڑھے کہ خود اللہ تعالیٰ کو گواہی دینی پڑی۔

﴿وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ (الحشر:۹)

لیکن ان یہودیوں کو جو مدینہ کے قدیم باشندے تھے، جن کی فطرت میں ہی نفاق، حسد کینہ ودیعت کر دی گئی تھی، اور جن کی فتنہ پردازیوں اور سازشوں کی کرشمہ سازی کی ایک طویل داستان تاریخ کے سینہ میں محفوظ ہے اسی وجہ سے عرب انہیں ثعلب (لومڑی) کے نام سے یاد کرتے تھے، انہیں کب گوارہ ہو سکتا تھا کہ اوس وخزرج "انصار" بن کر الفت ومحبت میل و ملاپ اور بھائی چارگی کی ایک تاریخ رقم کریں، چنانچہ انہوں نے سازشیں رچنی شروع کیں، جیسا کہ علامہ ابن ہشام نے ابن اسحق سے ایک طویل روایت نقل کی ہے، جس سے ان دونوں قبیلوں کے ہجرت کے پہلے اور بعد کے حالات پر روشنی پڑتی ہے۔

"ایک مرتبہ بشاس بن قیس نے جو بڑا ہی حاسد قسم کا یہودی بڈھا تھا، اوس و خزرج کو اسلام قبول کرنے کے بعد ایک مجلس میں بیٹھے پیار ومحبت کی باتیں کرتے سنا، اس کو یہ منظر ایک آنکھ نہ بھایا، اور وہ برداشت نہ کر سکا اس نے ایک یہودی نوجوان کو جس کے انصار سے تعلقات تھے، اشارہ کیا کہ ان کی مجلس میں شریک ہو جائے، اور جنگ بعاث کا ذکر چھیڑ دے اور اس موقع پر کہے ہوئے اشعار پڑھے۔" [2]

یہ سازش بے نتیجہ نہ رہی، بلکہ بارآور ثابت ہوئی دونوں قبیلوں کے زخم ہائے کہن تازہ ہو گئے، حمیت جاہلیت نے اپنا رنگ دکھایا، رگ حمیت بھڑک اٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے قبیلہ

---

① حضرت ﷺ نے اوس وخزرج کا نام بدل کر انصار رکھ دیا، فتح الباری ۷ / ۲۸۴، باب مناقب الانصار

② دیکھئے: السیرة النبویہ لابن هشام ۲/۱۶۸

اوس کے اوس بن قیظی رضی اللہ عنہ اور خزرج کے جبار بن صخر رضی اللہ عنہ میدان میں کود پڑے اور دونوں میں گرما گرم بحثیں شروع ہوگئیں، تلوار تلوار کا نعرہ فضا میں بلند ہوا، اور قریب تھا کہ تلواریں نیام سے باہر آ جائیں اور زمین ان کے خون سے لالہ زار بن جائے، کہ اللہ تعالیٰ نے کرم کا معاملہ فرمایا اور اس کی اطلاع نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوگئی، اور آپ مہاجرین کی جماعت کے ساتھ تشریف لائے اور ان مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

((يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ! اَللّٰهَ اَللّٰهَ، أَبِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ وَ أَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ بَعْدَ أَنْ هَدَاكُمُ اللّٰهُ لِلْإِسْلَامِ، وَ أَكْرَمَكُمْ بِهِ وَ قَطَعَ بِهِ عَنْكُمْ أَمْرَ الْجَاهِلِيَّةِ، وَاسْتَنْقَذَكُمْ بِهِ مِنَ الْكُفْرِ وَ أَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ)).①

"اے مسلمانو! اللہ اللہ یہ جاہلیت کی باتیں جبکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں، اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسلام کی توفیق دی، اسلام ہی کے ذریعہ تمہیں عزت دی اور اسی صدقہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں کفر سے نکالا اور جاہلیت سے نجات دی اور تمہارے دلوں کو آپس میں جوڑ دیا۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے چشم زدن میں ان کے ایمان کی چنگاری فروزاں اور دینی جذبہ بیدار ہوگیا، آنکھیں کھل گئیں اور فوراً احساس ہوا کہ وہ ایک گہری سازش کے شکار ہوگئے تھے، آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے پھر کیا تھا اوس و خزرج ایک دوسرے سے اس طرح بغل گیر ہوئے گویا کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔

غرض کہ ابن ہشام کے اس بیان سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اوس و خزرج جو ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ایک دوسرے کی آنکھ کا کانٹا تھے، ہجرت کے بعد ایک دوسرے کی آنکھوں کے تارے بن گئے۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے اوس بن قیظی اور جبار بن صخر رضی اللہ عنہما کے بارے میں آل عمران کی یہ آیت نازل فرمائی۔②

---

① السيرة النبوية ١٦٩/٢

② أسباب النزول ٦٧-٧٧، دیکھئے: زاد المسير ٤٣١/١

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۝ وَ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَ اَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَ فِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَ مَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ ﴾ (آل عمران:۱۰۰-۱۰۲)

جبکہ بشاس بن قیس کی مذمت میں اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

"اے محمد! (ﷺ) تو کہہ، اے اہل کتاب کیوں روکتے ہو اللہ کی راہ سے ایمان لانے والوں کو کہ ڈھونڈتے ہو اس میں عیب اور تم خود جانتے ہو اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کام سے۔" (آل عمران:۹۹-۹۸) (ترجمہ: شیخ الہند)

دربارِ رسالت میں شرفیابی

صاحب قرآن نبی اکرم ﷺ نے مکہ سے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور نور نبوت کی روشنی سے یثرب کی گلی گلی منور اور روشن ہو کر ایک منور شہر "مدینہ منورہ" بن گئی، اور مدینہ کی ہر راہ شمیم رسالت کی عطر بیزیوں سے مہک اٹھی، باشعور بوڑھوں اور فہم و ذکاء کے مالک نوجوان کی بات چھوڑیے وہ بچے جن کی کھیل کود کی عمر تھی، انہوں نے بھی اخذ قرآن اور حفظ کی ریس لگائی، اور بہت سارے عمر درازوں سے بازی مار لی، اب بارہ سال کی عمر ہی کیا ہوتی ہے اور وہ بھی اس ماحول اور اس زمانے میں جب پڑھنے لکھنے کا رواج نہ ہونے کے برابر ہی تھا، ایک بچہ نبی کریم ﷺ سے اس وقت شرف ملاقات حاصل کر رہا ہے، جبکہ سترہ سورتوں کا حافظ بن چکا ہے، ذرا تصور کی آنکھوں سے دیکھیے کہ کتنا حسین منظر ہوگا اور کتنی خوشگوار حیرت ہوئی ہوگی نبی کریم ﷺ کو کہ وہ انصاری نونہال جو مبلغ اول حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر پہلے ہی اسلام لا چکا تھا، وہی بارہ سالہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں اس حال میں لایا جا رہا ہے کہ وہ سترہ سورتوں کو اپنے سینے میں محفوظ کر چکا ہے، تو اس نونہال کی کہانی اسی کی زبانی سنیے جس سے نبی ﷺ نے ان کی یاد کردہ سورتیں سنیں اور خوشگوار حیرت کا اظہار کیا:

((أُتِيَ بِي النَّبِيَّ ﷺ مَقْدَمَهُ بِالْمَدِيْنَةِ فَأُعْجِبَ بِي فَقِيْلَ لَهُ : هٰذَا غُلَامٌ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ قَدْ قَرَأَ فِيْمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ بِضْعَ عَشَرَ سُوْرَةً فَاسْتَقْرَأَنِي فَقَرَأْتُ "قٓ")).[1]

"نبی ﷺ کی مدینہ تشریف آوری پر مجھے آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا، اور آپ سے عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول یہ بنونجار کا (ایک نوعمر) لڑکا ہے جس نے قرآن کریم کے دس سے زائد (سترہ)[2] سورتیں یاد کرلی ہیں، تو نبی ﷺ کو اس پر حیرت ہوئی۔"

مختلف زبانوں پر آپ کی مہارت

ابھی ذکر آیا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے صرف گیارہ بارہ سال کی عمر میں ہی قرآن کریم کی سترہ سورتیں حفظ کرلیں تھیں اور نبی ﷺ کو آپ کی کمال کی ذہانت اور بلا کی ذکاوت پر خوشگوار حیرت بھی ہوئی۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جب نبی ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو نبی ﷺ کی جوہر شناس اور دُور بین نگاہوں نے فوراً اس جوہر قابل اور گوہر نایاب کو پرکھ اور پہچان لیا، اور آپ کو عبرانی اور سریانی زبانوں کے سیکھنے کا حکم دیا۔

یہود جو اپنے فطری خصائص اور کمینہ پن میں مشہور ہیں اور اس درجہ بددیانت واقع ہوئے ہیں کہ انہوں نے اللہ کی کتاب "تورات" میں تحریف کر ڈالی ایسے بدطینت اور بدباطن پر نبی ﷺ کیونکر اعتماد کر سکتے تھے، اور چونکہ اب تک وہ خطوط جو یہودیوں کی زبان میں آتے، یا نبی ﷺ عبرانی وغیرہ زبانوں میں کوئی خط لکھنے کی ضرورت محسوس فرماتے تو مجبوراً ان یہودیوں ہی میں کسی سے یہ کام لے لیتے تھے، اور ظاہری بات ہے کہ آپ ﷺ کو ان پر اعتماد نہیں تھا۔[3] اور ان کی فطرت سے آپ ﷺ بخوبی واقف تھے۔

---

① فتح الباری ۹۵/۱۵، عن خارجہ بن زید بن ثابت، دیکھئے: الاصابہ ۵۴۳/۱، (۲۸۸۰)

② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الاصابہ میں "بضع عشر" کی جگہ سبع عشر کے الفاظ نقل کئے ہیں دیکھئے: الاصابہ ۵۴۳/۱۔ ③ فتح الباری ۹۵/۱۰

اس لئے جونہی حضرت زید رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی فطری ذکاوت وذہانت کا اندازہ فرما کر انہیں عبرانی اور سریانی زبانیں سیکھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ خود حضرت زید رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرماتے ہیں:

((اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ اَمَرَہٗ اَنْ یَّتَعَلَّمَ کِتَابَ الْیَھُوْدِ)).[1]

بس یوں سمجھئے کہ شاید حضرت زید رضی اللہ عنہ بھی حکم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں ہی تھے، بس حکم کی دیر تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ اپنی بے پناہ ذہانت وفطانت کی وجہ سے صرف ۱۵ دنوں ہی میں عبرانی اور سریانی زبانوں میں خوب مہارت حاصل کر لی۔[2] اور ان زبانوں میں لکھنے اور پڑھنے لگے۔ چنانچہ امام ابوداؤد حضرت زید رضی اللہ عنہ ہی سے نقل کرتے ہیں:

((فَمَا مَرَّبِیْ خَمْسَۃَ عَشَرَ لَیْلَۃً حَتّٰی تَعَلَّمْتُہٗ)).[3]

"کہ صرف پندرہ دن گزرے کہ میں نے یہ زبان سیکھ لی۔"

لیکن ابوبکر بن ابوداؤد رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے سترہ دنوں ہی میں یہ زبان سیکھی۔[4] خیر جانے دیجئے مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے یہ زبان پندرہ دنوں میں سیکھی یا سترہ دنوں میں، اور یہ تو محدثین کا کام ہے کہ ان دونوں میں کون سی روایت زیادہ صحیح ہے اور قوی الاسناد ہے کی تحقیق کریں، یا اگر دونوں روایتیں صحیح ہیں تو تطبیق کی کیا صورت ہوگی؟ میرا مقصد تو صرف یہ بتلانا تھا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ زبانوں کے ماہر تھے، اور کتنے ذہین اور ذکی تھے، سو ان شاء اللہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوں۔ اور ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ آپ نے فارسی کسریٰ کے قاصد سے صرف اٹھارہ

---

① بخاری مع الفتح ۹۴/۱۵، حدیث ۷۱۹۵

② بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیا اور آپ نے عبرانی زبان سیکھی، جب کہ دوسری روایت یہ ہے کہ سریانی زبان سیکھی۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ نے دونوں ہی زبانیں سیکھیں کیونکہ دونوں زبانوں کی ضرورت تھی۔ (فتح الباری ۹۵/۱۵)

③ حوالہ سابق بحوالہ ابوداؤد و ترمذی۔

④ دیکھئے: کنز العمال ۳۹۶/۱۳، حدیث ۳۷۰۵۹، ۳۷۰۶۰۔ البدایۃ النھایۃ ۳۱/۸، الاصابہ ۵۴۳/۱، رقم ۲۸۸۰، فتح الباری ۹۵/۱۵۔

دنوں میں اور رومی، حبشی، قبطی زبانیں نبی ﷺ کے خدام سے سیکھیں۔

((تَعَلَّمَ الْفَارِسِيَّةَ مِنْ رَسُوْلِ كِسْرٰى فِيْ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ يَوْمًا وَ تَعَلَّمَ الْحَبَشِيَّةَ وَ الرُّوْمِيَّةَ وَالْقِبْطِيَّةَ مِنْ خُدَّامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ)).[1]

سکریٹری کے فرائض

نبی اقدس ﷺ کو یہودیوں پر اعتماد و اعتبار نہ تھا، مجبوراً ہی ان سے خط و کتابت کا کام لے لیا کرتے تھے، لیکن جب سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جن کی فطری قابلیت و لیاقت اور خداداد ذکاوت و ذہانت جس سے آپ ﷺ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے تھے کی بدولت صرف پندرہ ہی دنوں میں عبرانی اور سریانی زبانوں میں پوری طرح مہارت حاصل کر لی تو نبی کریم ﷺ نے ان کو اپنا پرسنل سکریٹری (Persanal Sicritry) بنالیا، خود حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے خطوط لکھا اور پڑھا کرتا تھا۔

((كُنْتُ أَكْتُبُ لِلنَّبِيِّ ﷺ كُتُبَهُ وَ أَقْرَأُ لَهُ كُتُبَهُمْ إِذَا كَتَبُوْا إِلَيْهِ)).[2]

چونکہ آپ کا خط نہایت ہی عمدہ اور پاکیزہ ہوتا تھا، آپ خطوط نویسی میں مہارت رکھتے تھے۔[3] اس لئے بھی نبی ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کو عہدہ کتابت سے سرفراز فرمایا اور اپنا سکریٹری مقرر فرمایا، جس عہدہ پر حضرات شیخین کے عہد خلافت میں بھی آپ رضی اللہ عنہ مامور رہے،

((كَتَبَ بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ لِأَبِيْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا)).[4]

غرض کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ تاحین حیات نبی ﷺ کے پرسنل سکریٹری اور ترجمان رہے، اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے اس عہدہ جلیل پر فائز رکھا، البتہ آپ کے معاون کی حیثیت سے ان دونوں حضرات کے عہد میں حضرت معیقب نے بھی یہ

---

① البداية والنهاية لابن كثير ۳۱/۸

② بخاری رقم ۷۱۹۵، باب ترجمة الحكام وہل یجوز ترجمان واحد رواہ البخاری تعلیقًا، نیز دیکھئے: کنز العمال ۳۹۵/۱۳، رقم الحدیث ۳۷۰۵۶، سیر اعلام النبلاء ۷۵/۴، ترمذی باب ماجاء في تعليم السريانية رقم ۲۷۱۵

③ البداية والنهاية ۳۱/۸

④ اسد الغابة للجزری ۳۴۷/۲

ذمہ داری ادا کی۔ ①

حضور ﷺ کے ساتھ سحری کھانا

دربارِ رسالت مآب ﷺ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو تقرب حاصل تھا، اور آپ ان کو ان کی علمی لیاقت کی وجہ سے عزیز رکھتے تھے، اس لئے آپ رضی اللہ عنہ ہمیشہ نبی ﷺ سے چمٹے رہتے تھے، اور اس دوران آپ رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ کے ہمراہ سحری کھانے اور نمازیں پڑھنے کا بھی موقع ملا۔ ②

رسول اللہ ﷺ کا آپ کو کپڑا پہنانا

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو نبی اقدس ﷺ کی نگاہ میں کیا مقام حاصل تھا، آپ ﷺ کے دل میں آپ کے لئے کتنی جگہ تھی، اور آپ ﷺ حضرت کے کتنے قدردان تھے اس کا اندازہ جہاں اس روایت سے ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ کے ساتھ سحری کھانے کا شرف حاصل ہوا وہیں یہ روایت ان کی دربار رسالت میں قدر و منزلت اور عزت و احترام پر بھی کیا خوب شاہد ہے کہ حضور ﷺ نے جہاں آپ رضی اللہ عنہ کو غزوۂ خندق میں شرکت کی اجازت دی جو آپ کی دیرینہ خواہش کی تکمیل اور دلی مراد کی برآوری تھی، وہیں آپ رضی اللہ عنہ کو ایک بیش قیمت مصری جبہ عنایت فرمایا، صرف دے ہی نہیں دیا بلکہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی زبان میں تو

((أَجَازَنِيْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَوْمَ خَنْدَقَ وَ كَسَانِيْ قِبْطِيَّةً)). ③

رسول اللہ ﷺ نے انہیں خود ہی پہنایا، اب جبکہ حضرت زید رضی اللہ عنہ خود کہہ رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں پہنایا تو کسی کو کیا حق حاصل ہے کہ اس میں احتمالات تلاش کرے شاید یہ دے دیا ہوگا، وغیرہ۔ پر کیا بعید ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی شفقت و محبت کے اظہار

---

① اسد الغابۃ للجزری ۲/۳٤۷

② اسد الغابة فی معرفة الصحابه ۲/۳٤۸، عن زید بن ثابت تسحرنا مع رسول الله صلی الله علیه وسلم ثم قام الی الصلاة

③ سیر اعلام النبلاء ٤/۷۷

میں اپنے ہی دستِ مبارک سے پہنا دیا ہو، جیسا کہ حضرت کا کہنا ہے، مجھے تو بس اتنا کہنا ہے کہ یہ محبت کی بات اور اُلفت کی دلیل ہے کہ کپڑے بھی خود پہنائے جا رہے ہیں۔

نبی ﷺ کی آپ سے بے تکلفی کا ایک واقعہ

کسی کی کرم فرمائیوں اور ناز برداریوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو کچھ ایسا شوخ بلکہ یک گونہ بے تکلف بنا دیا تھا کہ جہاں نبوی ہیبت وجلال کی وجہ سے بڑے بڑوں کو نظر ملانے اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیٹھنے کی جرأت وہمت نہیں ہوتی، وہیں آپ رضی اللہ عنہ بڑے مزے سے نبی ﷺ کے پہلو میں آپ ﷺ کے زانو مبارک سے زانو ملا کر بیٹھتے اور آپ سے کسب فیض کرتے اور علم ومعرفت کے خزانے اپنے سینے میں محفوظ فرماتے، ایک مرتبہ تو یہ محبت والتفات اس حد تک پہنچی کہ آپ رضی اللہ عنہ حضرت اقدس ﷺ کے پہلو مبارک میں بیٹھے ہیں، اور آپ ﷺ نے از راہِ بے تکلفی اور شاید اظہار محبت کے لئے بھی آپ کے زانو پر اپنا زانو مبارک رکھ دیا، اور غالباً صاحب کلام اللہ رب العزت کو بھی صاحب قرآن اور کاتب قرآن کے باہمی میل جول اور بے پناہ بے تکلفی وسادگی کے اس منظر کا انتظار تھا کہ اسی حالت میں جبرئیل امین (علیہ السلام) "وحی" لے کر آن پڑے، اور کاتب وحی حضرت زید رضی اللہ عنہ کو نزول وحی کی ایک خوشگوار لیکن بڑے صبر آزما اور سخت لذت کا احساس ہوا، چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں:

((فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ، فَخِذُهٗ عَلٰى فَخِذِيْ فَثَقُلَتْ عَلَيَّ حَتّٰى خِفْتُ أَنْ تَرُضَّ فَخِذِيْ)).①

"کہ میرے زانوں پر آپ ﷺ کا زانو مبارک تھا کہ وحی کا سلسلہ شروع ہو گیا، اور وحی کی شدت اور بوجھ کا مجھے اس درجہ احساس ہوا کہ میں ڈر گیا کہ کہیں میری ران نہ ٹوٹ جائے۔"

آپ کا علمی مرتبہ اور مقام

ابھی ذکر آیا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اپنی فطری اور خداداد ذکاوت وذہانت اور

① بخاری ۲/۶۶، باب لا یستوی القاعدون، کتاب التفسیر، دیکھئے: زاد المعاد ۱/۸۱-۷۹

فطانت کی وجہ سے بہت ساری زبانوں پر عبور رکھتے تھے چھوٹی عمر ہی میں علم وفقہ کے اوج کمال کو پہنچ چکے تھے، حصولِ علم کی اس راہ میں جہاں آپ نے نبی ﷺ سے اپنے آپ کو الگ نہ ہونے دیا وہیں آپ رضی اللہ عنہ نے ان مدارس ومکاتب کی خاک بھی چھانی، جہاں یہود ونصاریٰ کی زبان اور ان کی کتاب تورات وانجیل کی تعلیم دی جاتی تھی اور صرف پندرہ دنوں میں اتنی مہارت اور اتنا کمال حاصل کرلیا کہ تورات وانجیل میں کی جانے والی تحریف وتبدیلی بھی آپ رضی اللہ عنہ کی نظر سے پوشیدہ نہ رہ سکی، چنانچہ علامہ ہندی عمرو بن حرم کے حوالہ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((كَانَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ تَعَلَّمَ فِي مِدْرَاسِ مَاسِكَةٍ فَتَعَلَّمَ كِتَابَهُمْ خَمْسَ عَشْرَةَ لَيْلَةً، حَتّٰى كَانَ يَعْلَمُ مَا حَرَّفُوا وَبَدَّلُوا)).①

علم فرائض کے امام؟

آپ کی علمی شان اور فقہی مقام اور تبحر کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوگی کہ نبی ﷺ نے جہاں آپ کی بے پناہ صلاحیتوں کے اعتراف میں آپ رضی اللہ عنہ کو اپنا پرسنل سکریٹری نامزد کیا، قرآن کریم کی کتابت کے منصب پر آپ کو سرفراز فرمایا وہیں نصف علم کہے جانے والے علم فرائض (جو یقیناً قانونِ اسلامی کا مشکل ترین باب، اور فقہ اسلامی کی سنگلاخ وادی سے کم نہیں) کی امامت کی سند سے سرفراز فرمایا، چنانچہ خادم رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((أَفْرَضُهُمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ)).②

"کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں علم فرائض کے سب سے ماہر ہیں۔"

یہی وجہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے مسلک کی بنیاد فرائض کے باب میں آپ رضی اللہ عنہ ہی

---

① كنز العمال لعلاء الدين المتقي بن حسام الدين الهندي ١٣/٣٩٥، رقم: ٣٧٠٥٧

② ترمذي رقم الحديث ٣٧٩١، باب مناقب معاذ بن جبل و زيد بن ثابت رضي الله عنهما، ٥/٦٢٣، ابن ماجه باب في فضائل اصحاب رسول الله ﷺ فضائل خباب

کے قول وفتاویٰ پر رکھی ہے۔ [1]

عہدِ نبوی ﷺ کے حفاظ

جب آفتاب نبوت مدینہ منورہ کے اُفق پر چمکا تو اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کی عمر صرف گیارہ سال تھی، اور آپ رضی اللہ عنہ کو جب دربارِ نبی ﷺ میں شرفیابی کا موقع ملا تو آپ اس وقت سترہ سورتیں یاد کر چکے تھے، پھر رفتہ رفتہ صاحب قرآن ﷺ کی صحبت کے صدقہ آپ نے (زید بن ثابت رضی اللہ عنہ) پورا قرآن یاد کرلیا، اور آپ نے اپنا نام ان خوش نصیبوں کی فہرست میں شامل کرلیا جن کو نبی ﷺ کے زمانہ اور عہد ہی میں حافظ قرآن ہونے کا شرف حاصل ہوا، چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((جَمَعَ الْقُرْآنَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَرْبَعَةٌ كُلُّهُمْ مِنَ الْاَنْصَارِ : اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَ اَبُوْ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ)). [2]

"کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں چار حضرات قرآن کریم کے حافظ ہوئے، اور وہ سب کے سب انصاری ہیں، اور یہ چار حضرات، ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابوزید (ان کا نام اوس ہے) ہیں رضی اللہ عنہم۔"

اب اسے حسن اتفاق کہیے یا فضل الٰہی کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے علاوہ جن تین حضرات کو یہ عظیم فضیلت حاصل ہوئی، وہ بھی آپ رضی اللہ عنہ ہی کے قبیلہ انصار سے تعلق رکھتے ہیں۔

قرآن کریم سے آپ رضی اللہ عنہ کا بے پناہ لگاؤ اور اس کے حفظ وکتابت سے آپ کی بے انتہا دلچسپی ورغبت، اور علم فرائض میں آپ کی مہارت وامامت دو ایسی امتیازی خصوصیتیں ہیں، جن کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں اور ان میں ممتاز نظر آتے ہیں، چنانچہ امام شعبی کا بیان ہے کہ:

---

① اسد الغابة ۲/۳٤۷

② ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۸٤، ۵/٦۲۵، دیکھئے بخاری ۱/۵۳۷، باب مناقب زید بن ثابت، مسلم باب من فضائل ابی بن کعب وجماعة من الانصار البدایہ والنہایہ ٤/۵۰

((غَلَبَ زَيْدٌ النَّاسَ عَلَى اثْنَتَيْنِ: الْفَرَائِضِ وَالْقُرْآنِ)).[1]

"دو چیزوں کی وجہ سے حضرت زید رضی اللہ عنہ اپنے ہم عصروں سے بازی مار گئے، ایک علم فرائض، دوسرا علوم قرآن۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں آپ کا علمی مقام:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے علم فرائض کی امامت، منصب کتابت سے سرفرازی اور سب سے بہترین لڑکے (نعم الغلام)[2] کا خطاب اور سند پانے کے بعد کسی کی توصیف وتعریف اور سند کی ضرورت نہیں، لیکن کہتے ہیں کہ جادو وہ ہے جو سر چڑھ کر بولے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کے علم کا جادو آپ کے ہم عصروں اور ہم جولیوں کے سر چڑھ کر بولا ہی اپنے بڑوں کو بھی متاثر کئے بغیر نہ رہ سکا، یہی وجہ ہے کہ امت کی افضل ترین شخصیت نہ صرف آپ کی لیاقت اور علمی کمالات کے معترف تھے بلکہ اس سے متاثر بھی تھے، چنانچہ جب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کو "جمع قرآن" کی عظیم ذمہ داری سپرد کی تو آپ رضی اللہ عنہ کو ایسے الفاظ والقاب سے مخاطب فرمایا جس سے آپ کی علمی شان ومرتبہ اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں آپ کی قدر کا اندازہ لگانا مشکل نہیں، جیسا کہ امام بخاری نقل کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس موقع سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو مخاطب فرماتے ہوئے کہا:

((إِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌّ عَاقِلٌ لَا نَتَّهِمُكَ، وَقَدْ كُنْتَ تَكْتُبُ الْوَحْيَ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ)).[3]

"واقعی آپ ایک عقلمند اور زیرک نوجوان ہیں اور ہم میں کسی کی مجال نہیں کہ وہ آپ پر جھوٹ کا الزام لگائے، اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آپ نے "کتابت وحی" کے فرائض انجام دیئے ہیں (اس لئے یہ کام آپ ہی کر سکتے ہیں)۔"

---

① تاریخ دمشق لابن عساکر ۹/۱۱۷، بحوالہ سیر اعلام النبلاء ۴/۷۷، نیز دیکھئے: الاستیعاب فی اسماء الصحابۃ للقرطبی مع الاصابہ ۱/۵۳۴، تہذیب التہذیب ۲/۲۳۳

② مستدرک للحاکم ۳/۴۲۱ ③ بخاری ۲/۷۴۵، باب جمع القرآن

جبکہ زبان صدق و صفا کے مالک اور اللہ کے معاملے میں سب سے سخت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ① جب کہ لوگوں کے مطالبہ پر حضرت زید رضی اللہ عنہ کو مختلف شہروں میں تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام کے لئے بھیجا تو فرمایا کرتے تھے کہ:

((لَمْ یَسْقُطْ عَلَیَّ مَکَانُ زَیْدٍ، وَلٰکِنْ اَھْلُ الْبَلَدِ مُحْتَاجُوْنَ اِلٰی زَیْدٍ فِیْمَا یَحْدِثُ لَھُمْ مَا لَا یَجِدُوْنَ عِنْدَ غَیْرِہٖ)). ②

"حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو میں نے اس لئے نہیں بھیج دیا کہ خدانخواستہ میری نگاہ میں حضرت زید کا مرتبہ کم ہو گیا ہو، بلکہ میں نے تو شہر والوں کی ضرورتوں کے پیشِ نظر حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بھیجا ہے۔"

کیونکہ لوگ آپ رضی اللہ عنہ سے جتنا استفادہ کر سکتے ہیں دوسروں سے ان لوگوں کے لئے اتنا علمی استفادہ ممکن نہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نظر میں آپ کی علمی شان کا اندازہ اس روایت سے کیجئے کہ جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بہت سارے صحابہ کو فتویٰ دینے سے روک دیا وہیں آپ رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا مفتی بنایا اور مدینہ کا دار الافتاء آپ کے سپرد فرمایا۔ ③ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو مدینہ سے باہر کسی عہدہ پر مامور نہیں فرمایا۔ اور سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے تو کہہ رکھا تھا کہ اگر میں مسلمانوں کے معاملات میں مشغول نہ رہوں تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سامنے جا کر زانوئے تلمذ تہہ کروں۔ ④ امام المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آپ رضی اللہ عنہ کو راسخ فی العلم اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آپ رضی اللہ عنہ کو عالم الناس کے ناموں سے یاد کرتے تھے، تو امام المحدثین سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو حبر الامت کے نام سے یاد کیا غرض کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں خواہ چھوٹا ہو یا بڑا کوئی ایسا نہیں تھا، جو آپ رضی اللہ عنہ کے علمی کمالات و مرتبہ کا معترف اور آپ رضی اللہ عنہ کے علمی فقہی

---

① دیکھئے: ترمذی رقم الحدیث ۳۷۹۰

② ابن سعد بحوالہ کنز العمال ۱۳/۳۹۳، رقم الحدیث ۳۷۰۵۱

③ کنز العمال، رقم الحدیث ۳۷۰۵۲، نیز دیکھئے: سیر اعلام النبلاء ۴/۷۸

④ سیر اعلام النبلاء ۴/۷۹

مقام سے متاثر نہ ہو۔ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے احترام اور آپ کی قدر دانی کا تو یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ حضرت زید رضی اللہ عنہ اپنی سواری پر سوار ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر لگام تھام لی، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ آپ چھوڑ دیں، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کیا

((أُمِرْنَا اَنْ نَفْعَلَ بِعُلَمَائِنَا وَ كُبَرَائِنَا)). ①

"ہمیں اپنے علماء واکابروں کے ساتھ اسی طرح احترام کا حکم ہے۔"

جواباً حضرت زید رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ چوم لیا اور عرض کیا کہ ہمیں بھی اہل بیت کی اسی طرح تعظیم وتکریم کا حکم دیا گیا ہے۔

اگر آپ تابعین اور ائمہ کرام کو دیکھیں تو وہ آپ کی جلالت وشان کے سامنے سرنگوں اور دست بستہ کھڑے نظر آئیں گے، چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((كَانَ اِمَامَ النَّاسِ عِنْدَنَا بَعْدَ عُمَرَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ)). ②

"میری نظر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ ہی پوری اُمت کے امام ہیں۔"

حضرت زید رضی اللہ عنہ کے اساتذہ

سیدنا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اساتذہ کی فہرست کوئی بہت طویل نہیں ہے، بلکہ آپ رضی اللہ عنہ نے علوم معارف کے تمام تر خزانے صرف حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کسب فیض کر کے اپنے سینے میں محفوظ کیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اُمت کے دو افضل ترین شخص سیدنا ابوبکر صدیق وسیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔③ بہت ممکن ہے کہ ان حضرات کے علاوہ بھی آپ رضی اللہ عنہ نے کسی سے کسب فیض کیا ہو، لیکن اس کوتاہ علم کو تلاش کے باوجود ان کے نام نہ مل سکے۔

---

① کنز العمال ۱۳/۳۹۶، رقم ۳۷۰۶۱، دیکھئے: البدایہ والنہایہ ۸/۳۱

② سیر اعلام النبلاء ۴/۷۹

③ دیکھئے: سیر اعلام النبلاء ۴/۷۴

آپ رضی اللہ عنہ کے تلامذہ

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اساتذہ کی تعداد تو بڑی مختصر ہے، لیکن آپ رضی اللہ عنہ سے شرفِ تلمذ اور سعادت شاگردی حاصل کرنے والوں کی ایک طویل فہرست ہے، جن میں مفسر ومحدث اور فقیہ ہر طرح کے لوگ موجود ہیں، اور تو اور خود حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں آپ کے شاگردوں کی ایک لمبی فہرست ہے، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں آپ سے کسب فیض کرنے والوں میں حضرت ابوہریرہ، ابن عباس، ابن عمر، ابوسعید خدری، انس بن مالک، سہل بن سعد، ابوامامہ بن سہل، سہل بن حنیف اور عبداللہ بن زید الخطمی رضی اللہ عنہم کے نام شامل ہیں، جبکہ حضرات تابعین میں سعید بن مسیب، قاسم بن محمد، سلیمان بن یسار، ابان بن عثمان، یسر بن سعد، خارجہ اور سلیمان (دونوں ہی خود حضرت زید کے ہی صاحبزادے ہیں) عطاء بن یسار، عبد بن سباق، عروہ، حجر المدری، طاؤس رحمہم اللہ وغیرہ چند ایسے نام ہیں، جن کو آپ رضی اللہ عنہ سے پڑھنے کی سعادت اور آپ رضی اللہ عنہ کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔ ①

منصب افتاء کی ذمہ داری

فتویٰ نویسی ایک انتہائی نازک کام ہے، اور بڑا ہی پُرخطر منصب ہے، کیونکہ ایک آدمی کسی فتویٰ کی وجہ سے دُنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی فلاح و بہبود اور خوشی و مسرت سے اپنے دامن کو بھر سکتا ہے، تو ایک غلط فتویٰ کی وجہ سے تباہی و بربادی کے کنوئیں میں اوندھے منہ گر سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں صرف چھ حضرات تھے جو فتویٰ دینے کے مجاز تھے، اور ان کو فتویٰ نویسی کی اجازت تھی، جن میں حضرت عمر، حضرت علی، عبداللہ ابن مسعود، ابی ابن کعب اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم کے علاوہ آپ کا نام شامل ہے۔ آپ کو نہ صرف عہد رسالت میں فتویٰ دینے کا شرف حاصل ہوا، بلکہ عہد صدیقی و فاروقی وعثمانی اور حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی آپ مدینہ کے مفتی رہے۔ ②

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بہت سے

---

① دیکھئے: اسد الغابة ۳۴۹/۲، سیر اعلام النبلاء ۷۴/۴، الاصابہ ۵۴۳/۱

② سیر اعلام النبلاء ۷۸/۴، الاصابہ ۵۴۴/۱

مفتیوں کو مختلف شہروں کی طرف روانہ فرمادیا تاکہ وہ وہاں کے رہنے والوں کے دینی معاملوں میں رہنمائی اور دستگیری کریں اور ان کے استفتاء کا جواب دیں، اور بعض لوگوں کو اپنی رائے سے فتویٰ دینے سے منع کر دیا۔ جبکہ سیدنا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا مفتی مقرر فرمایا تاکہ آپ اہل مدینہ اور اس کے مضافات سے آنے والوں کے استفتاء کا جواب دیں۔

((وَحَبَسَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ بِالْمَدِيْنَةِ يُفْتِيْ اَهْلَهَا)).①

اور سلمان بن یسار تو یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کسی کو بھی علم فرائض قرأت، قضاء اور فتویٰ کے معاملہ میں حضرت زید رضی اللہ عنہ پر فوقیت نہیں دیتے تھے:

((مَا كَانَ عُمَرُ وَعُثْمَانُ يُقَدِّمَانِ عَلٰى زَيْدٍ اَحَدًا فِى الْفَرَائِضِ وَالْفَتْوٰى وَالْقَضَاءِ))②

غرض کہ آپ ان چار صحابہ میں سے ایک تھے، جن کی وجہ سے علم فقہ کو عالم گیر شہرت اور وسعت نصیب ہوئی۔

منصبِ قضاء

فتویٰ نویسی ہی کی طرح قضاء کی ذمہ داری بھی بڑی نازک اور پُرخطر ہے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ "قضاء" کی ذمہ داری "فتویٰ" کی ذمہ داری سے کہیں زیادہ اہم ہے، غالباً یہی کوئی وجہ ہے کہ عہد صحابہ میں بھی قاضیوں کی مختصر ترین فہرست نظر آتی ہے، لیکن ان میں بھی ایک روشن نام حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا لکھا ہوا ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت شعبی رحمہ اللہ کا بیان ہے:

((اَلْقُضَاةُ اَرْبَعَةٌ: عُمَرُ، عَلِيٌّ، زَيْدٌ، اِبْنُ مَسْعُوْدٍ)).③

"کہ قاضی یہ صرف چار ہیں: عمر، علی، زید، ابن مسعود رضی اللہ عنہم۔"

غرض کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ اپنی علمی خصوصیات کی وجہ سے ان دونوں منصب پر تاحیات فائز رہے۔

---

① کنز العمال رقم الحدیث ۳۷۰۵۲، ۳۹۳/۱۳

② دیکھئے: سیر اعلام ۷۸/۴، البدایہ والنہایہ ۳۱/۸، حوالہ سابق

③ حوالہ سابق

استفتاء کے جواب میں آپ کا طریقہ کار

سیدنا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرضی سوالات کا جواب دینے سے گریز کرتے اور مفروضہ بنیاد پر قائم استفتاء کے جواب سے اجتناب فرماتے تھے، جب کوئی آپ سے سوال کرتا تو آپ اس سے دریافت کرلیا کرتے کہ کیا معاملہ پیش آچکا ہے؟ اگر ہاں میں جواب ملتا تو اس مسئلہ اور استفتاء کا جواب دیتے، ورنہ فرماتے کہ جب ایسا ہوگا تب پوچھ لینا۔

چنانچہ امام زہری کہتے ہیں:

((بَلَغَنَا اَنَّ زَیْدَ بْنَ ثَابِتٍ کَانَ یَقُوْلُ اِذَا سُئِلَ عَنِ الْاَمْرِ أَکَانَ هٰذَا؟ فَاِنْ قَالُوْا: نَعَمْ حَدَّثَ فِیْهِ بِالَّذِیْ یَعْلَمُ، وَاِنْ قَالُوْا: لَمْ تَکُنْ قَالَ: فَذَرُوْهُ حَتّٰی یَکُوْنَ)).[1]

اور بعض مواقع پر تو حضرت زید رضی اللہ عنہ سائل کو قسم دے کر پوچھتے کہ کیا یہ معاملہ پیش آچکا ہے؟ اگر پوچھنے والا کہتا جی ہاں ایسا ہو چکا ہے، تو جواب دیتے ورنہ جواب دینے سے اجتناب فرماتے:

((کَانَ زَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ اِذَا سَئَلَهٗ رَجُلٌ عَنْ شَیْءٍ قَالَ: اٰللّٰهُ کَانَ هٰذَا؟ فَاِنْ قَالَ نَعَمْ تَکَلَّمَ فِیْهِ وَاِلَّا لَمْ یَتَکَلَّمْ)).[2]

آپ رضی اللہ عنہ عام طور پر قیاس واجتہاد اور اپنی رائے کی بنیاد پر فتویٰ نہیں دیتے، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنا وہی جواب میں عرض کرتے، چنانچہ ایک مرتبہ مروان رحمہ اللہ، جو مدینہ کے حاکم تھے ـــــــ نے آپ رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور کچھ لوگوں کو پردے میں لکھنے کے لئے بٹھلا دیا اور آپ سے سوال کرنے لگا، حضرت زید رضی اللہ عنہ بھانپ گئے اور محسوس کرلیا کہ کوئی پردے میں لکھ اور سن رہا ہے تو مروان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

((یَا مَرْوَانُ اَغَدَرًا اَنَّمَا اَقُوْلُ بِرَأْیِیْ)).[3]

"کہ اے مروان تم اس دھوکہ میں ہو کہ میں اپنی رائے سے یہ جوابات دیتا ہوں، یعنی ایسا نہیں ہے۔"

---

[1]، [2]، [3] سیر اعلام النبلاء ۴/۸۰

اس زبردست احتیاط کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ کی تعداد بہت زیادہ ہے، اور آپ کا شمار ان سات صحابہ میں ہوتا ہے جنہوں نے سب سے زیادہ فتوے دیئے۔ آپ کے علاوہ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس اور حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم بھی سب سے زیادہ فتویٰ دینے والوں میں شامل ہیں۔[1]

سرمایہ افتخار

اوس وخزرج جو مدینہ کے قدیم باشندے تھے اور اسلام کی آمد سے پہلے آپس میں ہمیشہ دست و گریباں رہتے تھے، اور ایک دوسرے پر فوقیت لے جانے اور سبقت کرنے کی ہر ممکن کوشش کیا کرتے تھے، گو کہ اسلام نے ان دونوں کو شیر وشکر بنا دیا اور جہالت اور فخر و نخوت کی جگہ اسلامی اخوت نے لے لی اور اب یہ دونوں قبیلے ایک دوسرے سے خیر کی ریس جیتنے اور بھلائی کا میدان مارنے کی دھن میں رہنے لگے۔ اور دین میں سبقت لے جانے کی ہر ممکن کوشش کرنے لگے اور اپنے قبیلہ کے اسلامی اور دینی کارناموں کو دوسرے قبیلہ کے سامنے فخریہ بیان کرنے لگے، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ قبیلہ اوس کے لوگوں نے خزرجیوں پر اپنی بلندی اور برتری ثابت کرنے کی غرض سے کہا کہ ہمارے قبیلہ میں ایسے معزز محترم اور قابل افتخار ہستیاں ہیں جن کی تم مثال نہیں لا سکتے، ہمارے قبیلہ ہی کے حضرت حنظلہ بن ابو عامر رضی اللہ عنہ کو فرشتوں نے غسل دیا، ہمارے ہی عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی لاش کی حفاظت اللہ نے شہد کی مکھیوں سے کروائی، تو ہمارے ہی قبیلہ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جیسی عظیم المرتبت شخصیت بھی ہے جن کی موت سے عرشِ الٰہی دہل گیا، اور تو جانے دو یہ فضیلت اور مرتبہ بھی ہمارے ہی قبیلہ کے حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی کہ ان کے اکیلے کی گواہی دو گواہوں کے درجہ میں ہے، اس مقابلہ اور مسابقہ میں خزرجی کب پیچھے ہونے والے اور ہار ماننے والے تھے، انہوں نے بھی جھٹ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو پیش کر دیا اور کہہ پڑے:

---

[1] اسد الغابة ۱/۸۶

((مِنَّا أَرْبَعَةٌ جَمَعُوا الْقُرْآنَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ أُبَيٌّ ، زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ، مُعَاذٌ وَ أَبُوْ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ)).[1]

"وہ چار عظیم شخصیتیں اور قابل افتخار ہستیاں ہمارے ہی قبیلہ کی ہیں جنہوں نے عہد رسالت ہی میں قرآن کریم کو اپنے سینوں میں محفوظ کرلیا۔"

اس مقابلہ و مسابقہ اور فضیلت کی جنگ میں میدان کس نے مارا اور جیت کس کے ہاتھ لگی، مجھے اس سے کوئی سروکار اور مطلب نہیں اور مجھے یا کسی اور کو کیا حق حاصل ہے کہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا فیصل اور حکم بنے، مجھے تو صرف اتنا بتانا ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اپنے قبیلہ اور اپنی قوم کے لئے وہ قیمتی سرمایہ اور اثاثہ تھے جن پر ان کی قوم کو ناز ہی نہیں فخر تھا اور وہ بجا طور پر مستحق ہیں کہ آپ پر فخر کریں۔

گھریلو زندگی

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اپنی تمام تر خصوصیات و کمالات، اپنے عظیم علمی مقام و مرتبہ، عہدہ مناصب، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اپنی بلندی شان اور رفعت مقام کے باوجود اپنی گھریلو زندگی اور بیوی بچوں میں انتہائی پُرمزاح اور خوش مزاج تھے، چنانچہ لوگوں کے درمیانِ آپ جتنا پُروقار رہتے اپنی گھریلو زندگی میں اس سے کہیں زیادہ خوش طبع و خوش خلق واقع ہوئے۔ چنانچہ ثابت بن عبید رحمہ اللہ کا بیان ہے:

((كَانَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مِنْ أَفْكَهِ النَّاسِ فِيْ أَهْلِهِ وَ أَزْمَتِهِ عِنْدَ الْقَوْمِ)).[2]

"کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اپنی گھریلو زندگی میں بڑے پُرمزاح اور عوامی زندگی میں بڑے پُروقار رہتے تھے۔"

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے صحیفہ اخلاق پر نظر ڈالیں تو سبقت فی الاسلام، محبت

---

① البدایة والنهایة ۵۱/۷

② سیر اعلام النبلاء ۸۱/۴، نیز دیکھئے: البدایة والنهایة ۳۱/۸، الاصابة فی تمییز الصحابة ۵۴۳/۱ رقم ۲۸۸۰، اسد الغابة ۳۴۷/۲

نبوی ﷺ، شوق علم و جہاد، اتباعِ سنت، حق گوئی، بے باکی و انکساری اور خودداری جیسے روشن ابواب نظر آئیں گے۔

غزوات وسرایا میں شرکت

ہر صحابی کی طرح حضرت زید رضی اللہ عنہ کا سینہ بھی شوق جہاد سے معمور اور دل جذبہ جہاد و شہادت سے سرشار تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے بھی ایک ایسا دل پایا تھا جس میں راہِ خدا میں جانثاری کی تمنا اور دین محمدی ﷺ کی نصرت و مدد کی تڑپ اور امنگ تھی، رمضان المبارک ۲ھ میں "بدر" کے میدان میں حق و باطل، نور و ظلمت اور ایمان و کفر کی سب سے پہلی لڑائی اور جنگ کا بگل بجا تو سترہ سال کے حضرت زید بن ثابت، براء بن عازب اور ابن عمر رضی اللہ عنہم جیسے جوش ایمانی سے معمور اور جذبہ جہاد سے سرمست نوجوانوں کے ساتھ بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور شرکت جنگ کی اجازت چاہی، لیکن رحمت و شفقت کے پیکر رحمۃ للعالمین ﷺ کی رحمت نے اس نوعمر لڑکے کو اجازت نہ دی، اور آپ کو بادل نخواستہ اور بادیدۂ نم مدینہ واپس آنا پڑا ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَ رَضُوْا عَنْهُ﴾ اور یہی کم عمری ۳ھ غزوۂ اُحد میں بھی شرکت سے مانع بنی، آپ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں:

((لَمْ أُجَزْ فِي بَدْرٍ وَلَا أُحُدٍ وَأُجِزْتُ فِي الْخَنْدَقِ)).①

"مجھے غزوۂ بدر اور اُحد میں شرکت کی اجازت نہ ملی، لیکن غزوۂ خندق میں اجازت مل گئی۔"

لیکن بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ غزوہ اُحد میں شریک ہوئے تھے۔② اہل سیر و سوانح اس بات پر متفق ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کفر و اسلام کی عظیم جنگ غزوہ خندق جس جنگ کا ماڈل یہودیوں کے سازشی دماغ نے تیار کیا تھا (اور اس غزوہ میں اسلام کی کمر توڑنے کے لئے پوری کافر دنیا ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوگئی تھی) میں شرکت کی جب کہ آپ رضی اللہ عنہ کی

---

① اسد الغابة ۸۶/۱

② غزوۂ خندق کو غزوہ احزاب بھی کہتے ہیں، اس غزوہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے:
السيرة النبوية لابن هشام ۲۳۶/۳-۲۵۶

عمر مبارک صرف سولہ سال تھی، علامہ قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آپ نے خندق کی کھدائی میں سرگرم رول ادا کیا، اور خندق سے مسلمانوں کے ساتھ آپ بھی مٹی نکال رہے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ منظر دیکھ کر مسرت ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم زبان مبارک سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی شان میں یہ مبارک اور قیمتی جملہ نکلا:

"یہ لڑکا تو بڑا پیارا لڑکا ہے" [1]

اسے مختصر سا جملہ مت کہیے بلکہ یہ تو زبانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی خوبیوں، اچھائیوں اور رفعتِ شان اور بلندی کرداری کی سند ہے۔ سولہ سال کی عمر ہی کیا ہوتی ہے؟ ابتدائے جوانی اور عنفوان شباب کا زمانہ ہوتا ہے، حضرت زید رضی اللہ عنہ مٹی ڈھوتے ڈھوتے تھک کر چور ہو گئے اور آپ کی آنکھ لگ گئی، حضرت عمارہ بن حزم (آپ کے چچا ہیں) نے سوتے دیکھا تو ازراہِ مزاح یا شاید تنبیہ کی غرض سے آپ کے ہتھیار اٹھا لئے اور آپ کو خبر نہ ہوئی۔ [2]

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو سوتے ہوئے دیکھا تو بڑے پیار بھرے اور محبت آمیز لہجہ میں مخاطب ہو کر فرمایا:

((قُمْ يَا أَبَا رُقَادٍ)).

"اے نیند کے باپ اُٹھ جایئے"

لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عمارہ رضی اللہ عنہ کا مذاق پسند نہ آیا اور آپ نے منع فرمایا کہ کسی مسلمان کا اسلحہ ازراہِ مذاق بھی نہ لیا جائے۔ [3] غزوہ خندق کے بعد جتنے بھی غزوات ہوئے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔ چنانچہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((ثُمَّ شَهِدَ مَا بَعْدَهَا)). [4]

---

① الاستیعاب مع الاصابۃ ۱/۵۳۱، نیز دیکھئے اسد الغابۃ ۲/۲۴۷

② ، ③ الاصابۃ ۳/۵۴۳

④ البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ۳/۳۰۱

غزوۂ تبوک میں

غزوہ تبوک ۹ھ [1] میں بھی حضرت زید رضی اللہ عنہ بڑے جوش اور جذبہ کے ساتھ شریک ہوئے، اس غزوہ میں آپ کے قبیلہ مالک بن نجار کے علمبردار حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمارہ رضی اللہ عنہ سے جھنڈا لے کر آپ کو دے دیا، جو ایک اعزاز تھا، حضرت عمارہ رضی اللہ عنہ کو شبہ ہوا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری کسی غلطی سے خفا ہو کر مجھ سے علم لے کر زید رضی اللہ عنہ کو دے دیا ہے، چنانچہ انہوں نے دریافت کیا اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایسی کوئی بات نہیں تم سے غلطی نہیں ہوئی۔

((لٰكِنَّ الْقُرْآنَ مُقَدَّمٌ وَزَيْدٌ أَكْثَرُ أَخْذًا لِلْقُرْآنِ مِنْكَ)). [2]

"لیکن بہر کیف قرآن کریم مقدم ہے اور زید (رضی اللہ عنہ) تم سے زیادہ قرآن یاد کر چکے ہیں۔"

یہ ایک ایسا جملہ ہے کہ اگر حضرت زید رضی اللہ عنہ کی تمام ترفضیلتوں سے بالکلیہ صرف نظر کر لیا جائے تو آپ کی شان اور مرتبہ و مقام کی بلندی کے لئے صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا ہوا یہ جملہ ہی کافی وشافی ہے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ عہدِ صدیقی میں

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے انتخاب میں آپ کا کردار

وہ بڑا ہی نازک وقت تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے تھے، اس وقت سقیفہ بنو ساعدہ میں انصار جمع ہوئے، اور حضراتِ انصار کے بعض مقرروں نے خلافت و امارت کا انصار کو حقدار ثابت کرنے کے لئے پُر جوش اور ولولہ انگیز تقریریں شروع کر دی تھیں، ان حضرات کا مطالبہ

---

① غزوہ تبوک کو جیش عسرہ بھی کہتے ہیں۔ اس غزوہ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:
السیرة النبویة لابن هشام ٤/١٤٩ تا ١٩١، البدایة والنهایة ج: ٥

② المستدرک للحاکم ٣/٤٢١ ، دیکھئے التهذیب لابن عساکر ٥/٤٤٩ ، اسد الغابة ٢/٣٤٧ ، الاستیعاب مع الاصابة ١/٥٣٢ ، وقال هذا عندی خبر لا یصح ، واللّٰه اعلم

تھا کہ ایک خلیفہ مہاجرین میں سے ہو اور ایک انصار میں سے اور دونوں مل کر امور خلافت انجام دیں، اور ان حضرات نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے نام کی تجویز پیش کی، یہ تقریریں ہو رہی تھیں کہ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما خلافت کی گھتیوں کو سلجھانے آپہنچے۔ ایسے نازک اور بڑے ہی پُرخطر موقع پر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے قائدانہ کردار ادا کیا، اور ملتِ اسلامیہ کو بکھرنے اور ٹوٹنے سے بچایا، آپ رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر بڑی ہی دانشمندی کا ثبوت دیتے ہوئے حضراتِ مہاجرین کی خلافت کے حق میں بڑا ہی مؤثر خطبہ دیا۔ چنانچہ امام ابوداؤد طیالسی اپنی مسند میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے:

((لَمَّا تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَامَ خُطَبَاءُ الْاَنْصَارِ فَتَكَلَّمُوْا وَ قَالُوْا: رَجُلٌ مِنَّا وَ رَجُلٌ مِنْكُمْ، فَقَامَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فَقَالَ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَ نَحْنُ اَنْصَارُهُ، وَ اِنَّمَا يَكُوْنُ الْاِمَامُ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَ نَحْنُ اَنْصَارُهُ، فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ: جَزَاكُمُ اللّٰهُ خَيْرًا يَا مَعَاشِرَ الْاَنْصَارِ وَ ثَبَّتَ قَائِلَكُمْ لَوْ قُلْتُمْ غَيْرَ هٰذَا مَا صَالَحْنَاكُمْ)).[1]

"کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو انصار کے مقررین نے تقریریں کیں اور انہوں نے اپنی تقریروں میں کہا کہ ایک خلیفہ ہمارا ہوگا اور ایک آپ کا۔ اس موقع پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین میں سے تھے اور ہم ان کے انصار و اعوان رہے (یعنی مددگار) اس لیے خلیفہ مہاجرین میں سے ہوگا اور ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیے۔ یہ بات سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: اے انصار کی جماعت! اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے آپ کے کہنے والے (نمائندہ) نے بہترین اور اچھی بات کہی ہے، اگر اس کے علاوہ کوئی بات آپ حضرات کہتے تو ہم لوگ نہیں مانتے۔"

لیکن ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام بیہقی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ اس موقع پر حضرت زید رضی اللہ عنہ کی گفتگو سننے کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

---

[1] مسند ابوداؤد طیالسی بحوالہ سیر اعلام النبلاء ۷۷/۴، دیکھئے: البدایۃ والنہایۃ ۳۰۶/۶

"تمہارے نمائندے نے سچ کہا اگر تم اس کے علاوہ کوئی تجویز پیش کرتے اور کسی اور کو خلیفہ بناتے تو ہم بیعت نہیں کرتے۔" ①

غرض کہ سیدنا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس نازک موقع پر بڑی حکمت اور دانشمندی سے اس مسئلہ کو حل فرمایا اور انتشار و افتراق اور پھوٹ سے امت کو بچالیا، تمام صحابہ، مہاجرین و انصار نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

شوریٰ کی رکنیت

سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نہ صرف یہ کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو منصب کتابت (جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مامور کیا تھا) پر برقرار رکھا بلکہ آپ کو رکن شوریٰ بھی نامزد کیا، جس منصب پر خلافت فاروقی اور عہد عثمانی میں بھی کام کرتے رہے۔

جنگ یمامہ

آفتابِ نبوت کے غروب ہوتے ہی جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے تو ہر چہار جانب ارتداد کی آگ بھڑک اٹھی، جہاں بعض قبائل عرب نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا وہیں مسیلمہ کذاب، اسود عنسی، طلیحہ، سجاع، جیسے بد باطنوں نے نبوت کا دعویٰ کردیا اور قصر نبوت میں سیند لگانے کی ناکام کوشش کی، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان تمام فتنوں کا حکمت مومنانہ ہمت فرزانہ اور جرأت مردانہ سے مقابلہ کیا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تیرہ ہزار کی فوج مسیلمہ کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا، یہ لڑائی بڑی گھمسان کی ہوئی اس جنگ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی بڑے جوش و خروش سے لڑے اور ذی الحجہ ۱۱ ہجری ② میں ہونے والی اس جنگ میں آپ رضی اللہ عنہ تیر سے زخمی ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

((وَ قَدْ شَهِدَ زَيْدٌ الْيَمَامَةَ وَ أَصَابَهُ سَهْمٌ فَلَمْ يَضُرَّهُ)).

"کہ حضرت زید یمامہ میں شریک ہوئے اور تیر سے زخمی ہوئے، لیکن کوئی نقصان

---

① دیکھئے: البداية والنهاية ۳۰۶/۶

② اس جنگ کی تفصیل کے لئے دیکھئے البدایہ والنہایہ ۳۰۵/۴ تا ۳۱۹

نہ ہوا۔“

غرض کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے معاون و مددگار اور ناصر و حامی رہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھے۔ فرضی اللہ عنہ و رضوعنہ

تالیف قرآن؟

جنگ یمامہ میں جب حفاظ اور قراء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑی تعداد میں شہید ہوئے، اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو قرآن کریم کے ضیاع اور بربادی کا خدشہ لاحق ہوا، اور آپ کے اصرار اور بار بار مراجعت پر اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا شرح صدر فرما دیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس عظیم ترین اور نازک ترین معاملہ کی ذمہ داری حضرت زید رضی اللہ عنہ کے سپرد کی چنانچہ حضرت زید رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں:

((وَاللّٰهِ لَوْ كَلَّفُوْنِي نَقْلَ جَبَلٍ مِنَ الْجِبَالِ مَا كَانَ أَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا أَمَرَنِي بِهِ مِنْ جَمْعِ الْقُرْآنِ، قُلْتُ كَيْفَ تَفْعَلَانِ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ النَّبِيُّ ﷺ! فَقَالَ أَبُوْبَكْرٍ: هُوَ وَاللّٰهِ خَيْرٌ لَمْ أَزَلْ أُرَاجِعُهُ حَتّٰى شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرِي لِلَّذِي شَرَحَ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ فَقُمْتُ: تَتَبَّعْتُ أَجْمَعُهُ مِنَ الرِّقَاعِ وَالْأَكْتَافِ وَالْعُسُبِ وَصَدْرِ الرِّجَالِ)).[1]

”کہ بخدا اگر انہوں نے مجھے کسی پہاڑ کے منتقل کرنے کا حکم دیا ہوتا تو وہ میرے لئے اتنا بارِ گراں نہ ہوتا، جتنا کہ قرآن کریم کا جمع کرنا تھا، میں نے ان دونوں ہی حضرات سے کہا کہ آپ وہ کام کیسے کریں گے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بخدا وہ بھلا کام ہے تو میں برابر ان سے رجوع کرتا رہا، یہاں تک کہ اللہ نے میرا شرح صدر فرما دیا اس کام کے لئے جس کام کے لئے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا شرح صدر فرما دیا تھا۔ چنانچہ میں نے قرآن کو تلاش کر کے کھجور کی شاخوں، ہڈیوں، کپڑوں کے چیتھڑوں اور لوگوں کے سینوں

---

① بخاری ۲/۲۷۶، باب قوله لقد جاء کم۔ نیز دیکھئے: بخاری باب جمع القرآن رقم ۷۹۸۶، سیر اعلام النبلاء ۴/۷۶

سے جمع کیا۔"[1]

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی یہ ایک ایسی فضیلت ہے کہ اگر ان کی تمام فضیلتوں کو نظر انداز کر بھی دیا جائے تو ان کی فضیلت کے لئے صرف یہی کارنامہ کافی ہے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ عہدِ فاروقی میں

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب اپنے دورِ خلافت میں شوریٰ کونسل تشکیل دی۔ اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی دُور بین اور حقیقت شناس نگاہوں نے جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی رکنیت دی، ان میں ایک حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے، آپ کے علاوہ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمن بن عوف، معاذ بن جبل اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کے اسماء شامل ہیں۔[2] ان حضرات کے علاوہ اس کونسل میں اور کون حضرات شامل تھے مجھے اس کی تفصیل نہیں معلوم ہوسکی۔

منصب قضاء کی ذمہ داری

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب باضابطہ اسلامی حکومت کی توسیع وتاسیس کی اور آپ رضی اللہ عنہ نے پہلی مرتبہ عدالتی انتظام کو علیحدہ کیا اور قاضیوں کی تقرری کی، تو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ پر کامل اعتماد کرتے ہوئے، ان کو قاضی مقرر کیا اور آپ رضی اللہ عنہ کی تنخواہ متعین فرمائی۔ چنانچہ حضرت نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں:

((اِسْتَعْمَلَ عُمَرُ زَيْدًا عَلَى الْقَضَاءِ وَفَرَضَ لَهُ رِزْقًا)).[3]

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو قاضی بنایا اور آپ رضی اللہ عنہ کی تنخواہ متعین کی۔"

آپ رضی اللہ عنہ اس منصب پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دَورِ خلافت میں بھی فائز رہے۔ اور حضرت عثمان اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما قضاء کے معاملہ میں آپؓ پر کسی کو فوقیت نہیں دیتے تھے۔[4]

---

① پوری تفصیل کے لئے دیکھئے عہدِ صدیقی میں تدوین قرآن، باب اول کتابتِ وحی۔

② کنز العمال بحوالہ طبقات ابن سعد ۲/ ۱۳۴، مطبوعہ حیدرآباد

③ سیر اعلام النبلاء ۴/ ۷۹ ④ سیر اعلام النبلاء ۴/ ۷۸

امارتِ مدینہ:

روز بروز آپ رضی اللہ عنہ کا اقتدار اور اعزاز دربار فاروقی بڑھتا ہی رہا حتیٰ کہ ۱۶ھ اور ۱۷ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ حج کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو اس موقع پر آپ رضی اللہ عنہ کو ہی اپنا جانشین بنایا اور زمام اقتدار آپ رضی اللہ عنہ ہی کے سپرد فرمایا، چنانچہ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

((حَجَّ عُمَرُ وَاسْتَخْلَفَ عَلَى الْمَدِيْنَةِ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ)).①

"کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حج کیا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا خلیفہ مقرر کیا۔"

اسی طرح جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے شام کا سفر کیا تو آپ رضی اللہ عنہ کے نام شام سے خط لکھا اور آپ رضی اللہ عنہ کو کارگزار خلیفہ متعین کیا:

((إِنَّ عُمَرَ اِسْتَخْلَفَ زَيْدًا وَ كَتَبَ إِلَيْهِ مِنَ الشَّامِ إِلَى زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ مِنْ عُمَرَ)).②

غرض کہ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بھی مدینہ کے باہر کا سفر کرتے تو زمام اقتدار اور منصب امارت آپ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرماتے، قاسم بن محمد تو یہاں تک کہتے ہیں:

((كَانَ عُمَرُ يَسْتَخْلِفُ زَيْدًا فِيْ كُلِّ سَفَرٍ)).③

اس منصب کو آپ رضی اللہ عنہ نے عہد فاروقی میں کم سے کم تین بار زینت دی تو دورِ عثمانی میں بھی یہ منصب آپ رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آیا۔

((وَ كَذَالِكَ عُثْمَانُ يَسْتَنِيْبُهُ عَلَى الْمَدِيْنَةِ أَيْضًا)).④

آپ رضی اللہ عنہ نے امارت کی ذمہ داری اس حسن وخوبی سے انجام دی کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ واپس ہوئے تو آپ کی حسن کارکردگی سے متاثر ہوئے، اور آپ کی خوب خوب تحسین وتوصیف فرمائی اور بطور جاگیر ایک کھجور کا باغ عنایت فرمایا، چنانچہ حضرت زید رضی اللہ عنہ

---

① البداية والنهاية ٤/١١٥، نیز دیکھئے: اسد الغابة ٢/٣٤٧، سیر اعلام النبلاء ٤/٧٨

② حوالہ جات سابق

③ حوالہ جات سابق، نیز البداية والنهاية ٣/٣٠١

④ البداية والنهاية ٣/٣٠١، نیز دیکھئے: اسد الغابة ٣/٣٤٧

کے صاحبزادے حضرت خارجہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

((كَانَ عُمَرُ يَسْتَخْلِفُ أَبِي فَقَلَّمَا رَجَعَ إِلَّا أَقْطَعَهُ حَدِيقَةً مِنْ نَخْلٍ)).[1]

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے والد کو خلیفہ مقرر فرماتے تھے، تو عموماً ایسا ہوتا کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوٹتے تو آپ کو کھجور کا ایک باغ عنایت فرماتے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی عدالت میں

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ جو کہ قرآن کریم کے بڑے عالم اور قراۃ کے امام ہیں (اور جن کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ انہیں قرآن سنائیے)[2] کا کھجور کے توڑنے کے بارے میں تنازع ہو گیا، اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے رونے لگے کہ تمہاری حکومت میں یہ سب ہوگا اے عمر رضی اللہ عنہ! اور آپ رضی اللہ عنہ ہی نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس معاملہ کا فیصل اور حکم بنانے کی تجویز پیش کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کا نام سنتے ہی فوراً حامی بھر لی اور یہ دونوں ہی اپنے اس مقدمہ کے فیصلہ کے لئے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پیش ہوئے۔ امام شعبی رحمہ اللہ اس عدالتی کارروائی، اور اس مقدمہ کا نقشہ کھینچتے ہوئے رقم طراز ہیں:

((تَنَازَعَ عُمَرُ وَأَبِي فِي جِدَادِ نَخْلٍ فَبَكَى أُبَيٌّ، ثُمَّ قَالَ: أَفِي سُلْطَانِكَ يَا عُمَرُ رضی اللہ عنہ! قَالَ: اِجْعَلْ بَيْنِي وَبَيْنَكَ رَجُلًا فَقَالَ أُبَيٌّ زَيْدٌ رضی اللہ عنہ، فَانْطَلَقَا حَتَّى دَخَلَا عَلَيْهِ، فَتَحَاكَمَا إِلَيْهِ فَقَالَ بَيِّنَتَكَ يَا أُبَيُّ! قَالَ: مَا لِي بَيِّنَةٌ قَالَ: فَاعْفُ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ مِنَ الْيَمِينِ، (فَقَالَ عُمَرُ) لَا تَعْفُ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ الْبَيِّنَةَ إِنْ رَأَيْتَهَا عَلَيْهِ)).[3]

"کہ حضرت عمر اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کا کھجور کے کاٹنے کے سلسلہ میں

---

① سیر اعلام النبلاء، ٤/٧٨

② دیکھیے: ترمذی ٥/٦٢٤، رقم الحدیث ٣٧٩٣، بخاری، باب مناقب ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

③ اخبار القضاء ١/١٠٨، عن الشعبی بحوالہ سیر اعلام النبلاء، ٤/٧٨

جھگڑا ہوا تو حضرت ابی رو پڑے اور انہوں نے کہا کیا تمہاری بادشاہت میں یہی ہوگا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے اور اپنے درمیان کسی کو فیصل بناؤ، حضرت ابی نے کہا کہ زید رضی اللہ عنہ کو حکم بناتا ہوں، چنانچہ وہ دونوں ہی حضرت زید رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور مرافعہ درج کیا، تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ بینہ پیش کریں اے ابی! انہوں نے کہا میرے پاس بینہ (ثبوت) نہیں ہے، تو حضرت نے کہا امیر المومنین سے قسم کو معاف کر دیں، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اگر آپ قسم کو ضروری سمجھتے ہیں تو امیر المومنین کو (یعنی مجھے) قسم سے معافی کی ضرورت نہیں ہے"۔

حضرت عمر اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما میں یہ اختلاف کیوں پیدا ہوا، اس کے اسباب کیا تھے؟ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں، مجھے تو صرف یہ دکھلانا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ رضی اللہ عنہ کے علم اور صلاحیت پر اس درجہ اعتماد تھا کہ حضرت عمر اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما جیسے صحابہ بھی اپنی تمام تر فضیلتوں کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ کو اپنا حکم وثالث اور فیصل متعین فرماتے تھے، جو آپ رضی اللہ عنہ کی علمی شان و فقہی بصیرت اور قوتِ فیصلہ کی سند ہے۔

مالِ غنیمت کی تقسیم

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ۵ / رجب ۱۶ / ہجری مطابق ۶۲۶ء یرموک① کی وہ مشہور جنگ ہوئی جس میں مسلمانوں نے عیسائیوں کو عبرتناک شکست دی اور تقریباً ستر ہزار عیسائی فوجی کام آئے، جب کہ تین ہزار مسلمانون نے جام شہادت نوش کیا، اس جنگ میں مسلمانوں کو بے شمار مال غنیمت حاصل ہوا، اس کی تقسیم کا بار گراں بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ (حضرت زید رضی اللہ عنہ) ہی کے کندھوں پر ڈالا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

---

① حضرت شاہ ولی اللہ اور علامہ ابن کثیر رحمہما اللہ وغیرہ نے جنگ یرموک کو عہد صدیقی رضی اللہ عنہ کے واقعات میں شمار کیا ہے، جبکہ علامہ شبلی رحمہ اللہ وغیرہ نے عہد فاروقی کے واقعات میں شمار کیا ہے۔

((هُوَ الَّذِیْ تَوَلّٰی قِسْمَ غَنَائِمِ الْیَرْمُوْكِ)).[1]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہ کے بڑے قدر شناس اور قدردان تھے، اور آپ کی علمی قدر و منزلت فقہی مرتبہ و بلندی کے معترف تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ برملا اس کا اعلان بھی کرتے تھے، چنانچہ سفر شام کے دوران مقام جابیہ پر وہ مشہور خطبہ دیا، جس میں آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت زید، ابی بن کعب اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہم کے بارے میں اپنے خیالات و احساسات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

((مَنْ اَرَادَ الْقُرْآنَ فَلْیَاْتِ أُبَیًّا ، وَ مَنْ اَرَادَ أَنْ یَسْأَلَ الْفَرَائِضَ فَلْیَاْتِ زَیْدًا ، وَمَنْ اَرَادَ أَنْ یَسْأَلَ الْفِقْهَ فَلْیَاْتِ مُعَاذًا)).[2]

”جو شخص قرآن سیکھنا چاہے تو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس اور علم فرائض کے متعلق کچھ پوچھنا چاہے تو زید رضی اللہ عنہ کے پاس اور فقہ کے متعلق پوچھنا چاہے تو معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس جائے۔“

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب دیوان قائم کئے اور لوگوں کے ان کے درجات کے مطابق وظائف مقرر کئے تو وظیفہ کی مقدار اور اس کے مستحق تمام لوگوں کی فہرست آپ رضی اللہ عنہ ہی نے تیار کی۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے تو کتاب الخراج میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضراتِ انصار کے وظائف کی تقسیم کا کام بطور خاص حضرت زید رضی اللہ عنہ ہی کے سپرد کیا تھا، اور آپ رضی اللہ عنہ نے اس کی ابتداء عوالی (یعنی قباء وغیرہ) سے کی، پھر بنو عبداللہ الاشہل کو وظائف دیئے، پھر ان کے قبیلہ اوس کی دوسری شاخوں کو پھر قبیلہ خزرج کو وظائف دیئے، اور بعد کو اپنا حصہ متعین فرمایا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ عہد عثمانی میں

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ۲۴ ہجری میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے تو انہوں نے بھی حضرت زید رضی اللہ عنہ کے اعزاز و اکرام میں

---

[1] الاصابة فی تمییز الصحابة ۱/۵۴۳، دیکھئے: سیر اعلام النبلاء ۴/۷۴

[2] سیر اعلام النبلاء ۳/۲۴۶

میں کوئی کمی نہ کی۔ اور آپ رضی اللہ عنہ نے بھی سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی ہر طرح سے مدد کی اور ہر موڑ پر آپ کی معاونت فرمائی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے آپ رضی اللہ عنہ کے مراسم

جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی تعظیم و تکریم فرماتے آپ بھی حضرت عثمان کی تعظیم و تکریم فرماتے تھے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے آپ کے اتنے گہرے مراسم اور اس قدر والہانہ تعلقات تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ کو لوگ "عثمانی" کہنے لگے، چنانچہ حضرت ابو عمرو فرماتے ہیں:

((كَانَ عُثْمَانُ يُحِبُّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ وَ كَانَ زَيْدٌ عُثْمَانِيًّا)). ①

"کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے تھے، اور حضرت زید تو عثمانی ہی تھے۔"

بیت المال کی ذمہ داری

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح اپنے حج کے موقع پر آپ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا نائب اور خلیفہ متعین فرماتے اور زمام اقتدار آپ ہی کے ہاتھوں سپرد فرماتے تھے۔

((وَ كَذَالِكَ كَانَ عُثْمَانُ يَسْتَنِيبُهُ عَلَى الْمَدِيْنَةِ اَيْضًا)). ②

اور آپ رضی اللہ عنہ عہد صدیقی اور عہد فاروقی کی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بھی مدینہ کے قاضی رہے۔ ① ان عہدوں اور منصبوں کے علاوہ ۳۱ ہجری میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے آپ کی حساب دانی کی مہارت پر کلی اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے آپ کو مدینہ منورہ کے مرکزی بیت المال کا افسر مقرر کیا اور وزارتِ خزانہ کی اضافی ذمہ داری بھی آپ رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر آ پڑی، جسے آپ نے بخوبی نبھایا۔ ③

---

① الاستيعاب في اسماء الصحابة، مع الاصابة ۱/۵۲٤

② البداية والنهاية دیکھئے: الاستيعاب مع الاصابة ۱/۵۳۳

③ البداية والنهاية ٤/۲۳۹، ملاحظہ ہو: سیر اعلام النبلاء ٤/۷۸

ایک واقعہ

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو بیت المال کا افسر مقرر کیا تو آپ اس کام کی اہمت اور ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے اپنے ایک غلام سے "بیت المال کے انتظام و انصرام میں تعاون اور مدد لینے لگے، ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس غلام کو کام کرتے ہوئے دیکھ کر فرمایا یہ کون ہے؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا یہ میرا غلام وہیب ہے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی دو ہزار تنخواہ مقرر کی، لیکن حضرت زید رضی اللہ عنہ کی ہی فرمائش پر ایک ہزار کر دی، چنانچہ صاحب استیعاب رقم فرماتے ہیں:

((فَدَخَلَ عُثْمَانُ فَأَبْصَرَ وَهِيبًا يُعِينُهُمْ فِي بَيْتِ الْمَالِ، فَقَالَ: مَنْ هٰذَا؟ فَقَالَ زَيْدٌ: مَمْلُوكٌ لِي، فَقَالَ عُثْمَانُ: أَرَاهُ يُعِينُ الْمُسْلِمِينَ وَلَهُ حَقٌّ وَإِنَّا نَفْرِضُ لَهُ فَفَرَضَ لَهُ أَلْفَيْنِ، فَقَالَ زَيْدٌ: وَاللهِ لَا تَفْرِضُ لِعَبْدٍ أَلْفَيْنِ (فَفَرَضَ) أَلْفًا)).①

"ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور حضرت وہیب کو بیت المال کے کام میں ہاتھ بٹاتے دیکھا تو دریافت کیا یہ کون ہیں؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ میرا غلام ہے تو حضرت عثمان نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ مسلمانوں کا تعاون کر رہے ہیں، لہٰذا ان کا حق ہے کہ ہم ان کا وظیفہ متعین کریں، اور دو ہزار وظیفہ مقرر کیا، تو اس پر حضرت زید نے عرض کیا کہ خدارا ایک غلام کی تنخواہ دو ہزار متعین نہ کریں تو حضرت عثمان نے ایک ہزار متعین کیا۔"

تدوین عثمانی اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کا کارنامہ

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے جب قرآن کریم کی قرأت میں مسلمانوں کے اختلاف کو دیکھا اور ایک قرأت پر اُمت کو جمع کرنے کا ارادہ فرمایا تو قرآن کی تدوین کی ذمہ داری آپ رضی اللہ عنہ ہی کے کندھوں پر ڈالی، جس ذمہ داری کو آپ رضی اللہ عنہ نے بحسن خوبی انجام دیا، اور آج پوری اُمت آپ ہی کے مدوّن کردہ قرآن کریم کی تلاوت کرتی

① الاستیعاب مع الاصابۃ ۱/۵۳٤

ہے۔ [1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ ذمہ داری حضرت زید رضی اللہ عنہ ہی کے سپرد کیوں کی؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ ذمہ داری کیوں نہ دی؟ اور اس پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ناگواری اور ناراضگی کا ذکر کرتے ہوئے خود ہی فرماتے ہیں:

((مَنْ يُعَذِّرُنِي اِبْنَ مَسْعُوْدٍ ﷺ؟ غَضِبَ اِذَا لَمْ اُوَلِّهِ نَسْخَ الْمَصَاحِفِ! هَلَّا غَضِبَ عَلَى اَبِيْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ اِذْ عَزَلَاهُ عَنْ ذَالِكَ وَ وَلَّيَا زَيْدًا فَاتَّبَعْتُ فِعْلَهُمَا)). [2]

"کوئی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جا کر میری طرف سے معذرت کر لے، (اور ان سے پوچھے) کہ جب میں نے ان کو قرآن کریم کی کتابت (تدوین) کی ذمہ داری نہ دی تو مجھ پر خفا ہو گئے، آخر وہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما پر کیوں نہیں خفا ہوئے جب انہوں نے ان کو اس کام سے علیحدہ کر دیا، اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہ ذمہ داری سپرد کر دی، میں نے بھی تو انہیں دونوں حضرات کی پیروی کی ہے۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حصار اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کی بے چینی

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اخیر زمانہ تھا کہ فتنہ فساد کی آگ بھڑک اٹھی، بلوائیوں اور مصری دنگائیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا، تو جہاں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے گوشہ نشینی میں عافیت سمجھی وہیں حضرت زید بن ثابت حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دفاع کے لئے نکلے، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جب اطلاع ہوئی تو انہوں نے قسم دے کر منع کر دیا اور حکم دیا کہ اس معاملہ میں آپ حضرات غیر جانب دار رہیں اور ہمارے معاملات اللہ ہی پر چھوڑ دیں اللہ کو جو منظور ہوگا وہی ہوگا۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ رقم فرماتے ہیں:

((وَاسْتَقْبَلَ جَمَاعَةٌ مِنَ الصَّحَابَةِ: مِنْهُمْ اَبُوْهُرَيْرَةَ وَابْنُ عُمَرَ وَزَيْدُ

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے: جمع قرآن کا تیسرا مرحلہ اور تدوین عثمانی رضی اللہ عنہ

[2] سیر اعلام النبلاء، ۷۸/٤

بْنُ ثَابِتٍ فِي الْمُحَارَبَةِ عَنْ عُثْمَانَ ، فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ يُقْسِمُ عَلَيْهِمْ لِمَا كَفُّوا أَيْدِيَهُمْ وَ سَكَنُوا حَتّٰى يَقْضِيَ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ)).①

"کہ صحابہ کی ایک جماعت جس میں حضرت ابوہریرہ، ابن عمر اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم شامل تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دفاع کے لئے تیار ہوئی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قسم دے کر ان حضرات کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنے ہاتھ روکے رکھیں اور اپنے گھروں میں رہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے فیصلہ فرما دے۔"

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بھرپور کوشش کی اور اپنی پوری قوت صرف کر دی کہ کسی طرح یہ فتنہ ختم ہو جائے اور فساد کی آگ ٹھنڈی ہی ہو جائے، حتیٰ کہ آپ نے اس فتنہ کی سرکوبی اور امام مظلوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد کے لئے حضرات انصار کو آواز دی۔

((يَا لَلْأَنْصَارُ كُونُوا أَنْصَارَ اللّٰهِ مَرَّتَيْنِ أُنْصُرُوهُ وَاللّٰهِ إِنَّ دَمَهُ لَحَرَامٌ)).

"کہ اے انصار کی جماعت! اللہ کی دوبارہ مدد کرو اور ان کی (عثمان رضی اللہ عنہ) کی مدد کرو خدا کی قسم ان کا خون حرام ہے۔"

لیکن حضرت زید رضی اللہ عنہ کی یہ تمام تر کوششیں سودمند اور بارآور نہ ہو سکیں، اور ہوا وہی جس کا فیصلہ ازل ہی میں کاتبِ تقدیر نے کر رکھا تھا، اور ان ملعون بلوائیوں نے امیر المؤمنین حضرت عثمان کو شہید کر ڈالا۔ ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَ رَضُوا عَنْهُ﴾

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تدفین میں آپ رضی اللہ عنہ کی شرکت

اہل خوارج نے امام مظلوم امیر المؤمنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو شہید کر ڈالا، اور آپ کی مبارک لاش بے یار و مددگار اور بے گور و کفن تین دنوں تک آپ کے حجرہ میں رکھی رہی اور ان خارجی بلوائیوں کے خوف و ہراس اور ڈر سے کسی کی جرأت نہیں ہو رہی تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ کی تجہیز و تکفین کا انتظام کرے، لیکن اس موقع پر جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہمت و جرأت اور دلیری سے کام لے کر مغرب اور عشاء کے درمیانی وقت میں جنت البقیع میں آپ کی نعش کی تدفین کی ان میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ پیش پیش رہے، آپ کے علاوہ جن

① البداية والنهاية ۱/۱۸۴

صحابہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جنازہ اور تدفین میں شرکت کی، ان میں حکیم بن حزام، حویطب بن عبدالعزیٰ، ابوالجہم بن حذیفہ، تیار بن مکرم الاسلمی، جبیر بن مطعم، کعب بن مالک، طلحہ، زبیر، اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ ان حضرات کے علاوہ دو عورتیں، حضرت عثمان کی اہلیہ حضرت نائلہ اور حضرت ام البنین بنت عتبہ بن حصین اور دو بچوں نے بھی شرکت کی۔ ①

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بے پناہ تعظیم وتکریم فرماتے تھے، اور آپ رضی اللہ عنہ کو بڑی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتے اور آپ کے فضل وکمال کے معترف تھے اور آپ سے بے پناہ محبت فرماتے تھے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی حضرت زید رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے تھے، حافظ ابن کثیر کا بیان ہے:

((وَ كَانَ عَلِيٌّ يُحِبُّهُ وَ كَانَ يُعَظِّمُ عَلِيًّا وَ يَعْرِفُ لَهُ قَدْرَهُ)). ②

"کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت زید رضی اللہ عنہ سے محبت فرماتے تھے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ آپ کی تعظیم کرتے اور آپ کی قدر ومنزلت کا اعتراف فرماتے تھے۔"

لیکن ان تمام تر گہرے مراسم اور دلی تعلقات اور احترام وجذبات کے باوجود حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) اور جنگ جمل جو (حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے درمیان ہوئی ہیں) میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینے سے اجتناب اور پرہیز کیا اور ان جنگوں میں غیر جانبدار رہے۔ چنانچہ علامہ قرطبی مالکی رقم طراز ہیں:

((وَ لَمْ يَكُنْ فِيمَنْ شَهِدَ شَيْئًا مِنْ مَشَاهِدِ عَلِيٍّ مَعَ الْأَنْصَارِ وَ كَانَ مَعَ ذٰلِكَ يُفَضِّلُ عَلِيًّا وَ يُظْهِرُ حُبَّهُ)). ③

"کہ آپ رضی اللہ عنہ نے انصار کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کسی بھی جنگ میں حصہ نہیں لیا، لیکن اس کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے معترف تھے اور

---

① البداية والنهاية ٤/١٩٩ ② البداية والنهاية ١/٣٠١ ③ الاستيعاب مع الاصابة ١/٥٢٤

آپ رضی اللہ عنہ سے محبت کا اظہار کرتے تھے۔"

غرض کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ان جنگوں کے بارے میں جو حضرات صحابہ کے درمیان ہوئیں، وہی مؤقف اور نظریہ تھا، جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ کا تھا۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ ان تمام جنگوں میں غیر جانبدار رہے۔

اہل بیت کی تعظیم وتکریم:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہی محبت اور ان کی تعظیم وتکریم اور عزت واحترام نہیں کرتے، بلکہ تمام اہل بیت سے بے پناہ محبت فرماتے تھے اور ان کا بہت احترام فرماتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی ہیں) نے آپ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کا رکاب پکڑ لیا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے ہاتھ کو احتراماً چوما اور بوسہ دیا اور فرمایا:

((هٰكَذَا أُمِرْنَا أَنْ نَفْعَلَ بِأَهْلِ بَيْتِ نَبِيِّنَا)).①

"کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اسی طرح اپنے نبی کے گھر والوں کی تعظیم کریں۔"

وفات:

کوئی چیز کتنی ہی مفید و نافع اور سودمند کیوں نہ ہو، اسے ایک نہ ایک دن ختم ہو جانا ہے، اس لئے کہ تمام چیزوں کو فنا ہے اور ہر چیز فنا ہی کے لئے پیدا ہوئی ہے، کیونکہ بقا و دوام تو صرف اللہ رب العزت کی ذات کو حاصل ہے اور اسی کے لائق ہے اور وہ ہی باقی اور قائم رہنے والا ہے:

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝﴾

(الرحمٰن: ۲۶-۲۷)

اور دیکھتے ہی دیکھتے ۴۵ ہجری کا وہ دن آ ہی گیا جس دن مشکوٰۃ نبوت کا یہ روشن چراغ گل ہو گیا، اور دنیا علم وفقہ فرائض ومعانی کی موسلا دھار بارش سے محروم ہو گئی، اور

① کنز العمال ۳۹۶/۱۲، رقم الحدیث ۳۷۰۶، دیکھئے: الاصابة ۵۴۳/۱

ہزاروں لاکھوں تشنگانِ علم اور قدر دانِ زید رضی اللہ عنہ یتیم ہو گئے۔ آپ تقریباً اپنی زندگی کے انسٹھ سال گزار کر اپنے مالکِ حقیقی اور اپنے حبیب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے۔① رضی اللہ عنہ ورضاہ۔ صحابیِ رسول حضرت مروان بن حکم نے آپ رضی اللہ عنہ کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کی وفات ۵۵ھ میں ہوئی، جب کہ کچھ لوگوں نے آپ کی تاریخ وفات ۴۳ھ ذکر کی ہے اور بعض نے ۵۱ ہجری ذکر کی ہے، لیکن پہلا قول صحیح اور راجح ہے۔②

آپ کی وفات پر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے تعزیتی بیانات

آپ رضی اللہ عنہ کی وفات پر حضرات صحابہ نے اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا، جلیل القدر صحابی اور آپ کے شاگرد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر فرمایا:

((مَاتَ حِبْرُ الْأُمَّةِ وَلَعَلَّ اللهَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنْهُ خَلَفًا)).③

"آج خیر الامۃ (امت کے سب سے بڑے عالم) کی موت ہوئی ہے اور شاید اللہ نے چاہا تو اب ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کی جگہ پُر کر دیں۔"

جب کہ مشہور صحابیٔ رسول اور رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اپنے رنج و غم کو چھپا نہ سکے اور دُکھ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

((دُفِنَ الْيَوْمَ عِلْمٌ كَثِيرٌ)).④

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی فرمایا کہ اکابر صحابہ کو علم تھا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ بے پناہ علم کے مالک تھے۔⑤ اور جب شاعرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس جانکاہ حادثہ کی خبر ملی تو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے وصال پر اپنے رنج وغم اور دُکھ

---

① البداية والنهاية ٤/٣١، نیز دیکھئے: الاصابة ١/٥٤٤، الاستیعاب مع الاصابة ١/٥٣٥، اسد الغابة ٢/٣٤٨، سیر اعلام النبلاء ٤/٨٢

② حوالہ جات سابقہ

③ سیر اعلام النبلاء ٤/٨١، دیکھئے: البداية والنهاية ٤/٣١، اسد الغابة ٢/٣٤٨

④ سیر اعلام النبلاء ٤/٧١، البداية والنهاية ٤/٣١

⑤ سیر اعلام النبلاء ٤/٨١، دیکھئے: البداية والنهاية ٤/٣١، اسد الغابة ٢/٣٤٨

درد کا اظہار اس انداز میں کیا:

((فَمَنْ لِلْقَوَافِي بَعْدَ حَسَّانٍ وَابْنِهِ، وَمَنْ لِلْمَثَانِي بَعْدَ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ)).①

"حسان اور اس کے بیٹے کے بعد شعر و قوافی کی خدمت کون کرے گا، اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بعد قرآن و معانی کی خدمت کون کرے گا۔"

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی وفات نے عورتوں کو بھی گھروں سے نکلنے پر مجبور کر دیا، مدینہ اور اس کے اطراف کی عورتیں اپنے آنسو نہیں روک پائیں اور جب حضرت کے صاحبزادے حضرت خارجہ رضی اللہ عنہ نے ان عورتوں کو رونے سے منع کیا تو انہوں نے صاف کہہ دیا:

((لَا نَسْمَعُ مِنْكَ، وَلَنَبْكِيَنَّ عَلَيْهِ ثَلَاثًا وَغَلَبْنَهُ)).②

"کہ ہم آپ کی کوئی بات نہیں سنیں گی اور ہم ان کے غم میں تین دنوں تک روئیں گی، اور ان عورتوں نے ایسا ہی کیا۔"

رئیس المورخین حضرت واقدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس موقع پر حضرت مروان رحمہ اللہ نے ایک اونٹ ذبح کیا اور لوگوں کی پُر تکلف دعوت کی۔③

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی اولاد

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے کثیر العیال بنایا تھا، آپ کے لڑکوں میں حضرت خارجہ اپنے علم و فضل کی وجہ سے مشہور اور ممتاز ہوئے، اور ان کا شمار فقہاء سبعہ میں ہوتا ہے۔ حضرت خارجہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت سعید، سلیمان، یحییٰ، عمارہ، اسمٰعیل، اسعد، عبادہ، اسحاق، ابراہیم، عبدالرحمٰن، زید، عبید اللہ رضی اللہ عنہم آپ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں، جبکہ حسنہ، عمرہ، ام اسحاق، ام کلثوم، ام محمد، صفیہ اور قریبہ آپ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادیاں تھیں۔④

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ کا نام ام جمیل رضی اللہ عنہا تھا، جو مشہور بدری صحابی حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں اور ان کی کنیت ام سعد تھی۔⑤

---

① سیر الاعلام النبلاء ۸۱/٤، الاصابہ ۵٤٤/۱

② سیر اعلام النبلاء ۸۱/٤ ③ حوالہ سابق

④ سیر اعلام النبلاء ۷٤/٤ ⑤ حوالہ سابق

سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

بنو قحطان کی سب سے مشہور اور طاقتور اور سب سے ترقی یافتہ نسل "سبا" کی تمام نسلوں میں سب سے بڑی نسل "کہلان بن سبا" ① کے مشہور و معروف قبیلہ ازد میں رفیق (نبی ﷺ) اور ردیف صدیق حضرت عامر فہیرہ کے گھر میں پیدا ہوئے۔

((وَكَانَ مُوَلَّدًا مِنْ مُوَلَّدِي الْأَزْدِ)). ②

---

① یہ نسل قحطانیوں کی تمام نسل میں شاید سب سے بڑی نسل ہے، جس میں بے شمار قبائل ہیں، ان خاص خاص قبائل، ہمدان، مذحج، کندہ، ازد، عاملہ، جذام، اشعر اور لخم ہیں، ان میں ہمدان اور مذحج زیادہ تر یمن ہی میں رہے، طے شمالی نجد کی اجا اور سلمی پہاڑیوں میں جا بسے، ان کی ایک شاخ اب تک وہیں مقیم ہے، اور شمر کے نام سے جانی جاتی ہے، قبیلہ طے مشہور اور بڑا قبیلہ تھا، حتیٰ کہ عجمی ممالک پورے عرب کو ہی طائی سمجھتے ہیں، اس قبیلہ کی مشہور شخصیتوں میں حاتم طائی، ابوتمام، بحتری لخم شعراء کے نام قابل ذکر ہیں۔ قبیلہ ازد نے عمان میں قیام کیا اور ازد شنوءہ بہامہ میں آباد ہوئے، ازد کی شاخ میں بھی متعدد مشہور قبیلے گزرے ہیں، اور ان میں مشہور قبائل اوس و خزرج ہیں جو بعد کو انصار کہلائے ان کے علاوہ خزاعہ، غسان اور لخم ہیں:

"وَتَفَرَّعُوْ قَبَائِلَ كَثِيْرَةٍ أَشْهَرُهَا الْأَوْسُ وَالْخَزْرَجُ وَعَنْهُمَا الْأَنْصَارُ، خَزَاعَه، وَغَسَّانُ وَلَخْمٌ.

(المنجد فی اللغة والاعلام باب الاعلام ص ٤٢)

غسان نے شام کے علاقے میں حکومت کی ان کا آخری بادشاہ جبلہ بن ایہم اور مشہور بادشاہ نعمان تھا، اور دارالحکومت دمشق تھی۔

کندہ: نجد میں جاکر آباد ہوئے ان کا آخری بادشاہ مشہور شاعر امرؤالقیس کا باپ تھا۔

قبیلہ اشعر: یہ وہی قبیلہ ہے جس کی طرف مشہور صحابی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ منسوب ہیں، ان کا مشہور بادشاہ عمرو بن ہند تھا، نابغہ نے اس کی بڑی مدح کی ہے ان کی حکومت عراق سے احساء تک پھیلی ہوئی تھی۔ (ملخص: از جزیرۃ العرب، ص ۱۳۶-۱۳۵)

② الاستیعاب مع الاصابة ۳/ ۷، نیز دیکھئے: الاصابة ۲/ ۲٤۷، رقم: ٤٤١٥، تهذيب التهذيب ۲/ ۵۵، اسد الغابة ۳/ ۱۳٤

حلیہ مبارک

حضرت عامر بن فہیرہ زمانہ جاہلیت میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ماں شریک بھائی طفیل بن عبداللہ بن سنجرہ کے غلام تھے،[1] جن کی والدہ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا سے ان کے والد عبداللہ کے وصال کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے شادی کی، اور انہیں کے بطن سے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔[2] آپ کی کنیت ابو عمرو تھی اور آپ گہرے سانولے رنگ کے تھے، چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ رقم فرماتے ہیں:

((قَدْ كَانَ عَامِرُ بْنُ فُهَيْرَةَ ـ يُكْنَى اَبَا عَمْرٍو ـ مِنْ مُوَلَّدِي الْاَزْدِ اَسْوَدُ اللَّوْنِ)).[3]

"کہ حضرت عامر بن فہیرہ جن کی کنیت ابو عمرو تھی، قبیلہ ازد کے چشم و چراغ تھے اور ان کا رنگ سیاہی مائل تھا۔"

اسلام اور اس راہ میں ایذائیں

حضرت عامر بن فہیرہ ان خوش بخت اور خوش نصیب لوگوں میں ایک ہیں جنہوں نے آفتاب نبوت کے حراء کے دامن سے طلوع ہوتے ہی اور نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں چمکتے ہی اپنے قلب و دل کو اس نور سے منور اور مجلّٰی کر لیا، ہزاروں خداؤں اور لاکھوں معبودانِ باطل کی بیڑی اور طوقِ غلامی کو کاٹ کر خدائے وحدہ لاشریک کی اطاعت و فرمانبرداری کی زنجیر اپنے گلے میں ڈال لی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقم میں پناہ گزین ہونے سے پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت شعاری اور غلامی کا پٹہ برضا و رغبت اور خوشی خوشی پہن لیا، جھوٹے

---

① لیکن بخاری میں طفیل بن عبداللہ کی جگہ ان کا نام عبداللہ بن طفیل بن سنجرہ ذکر کیا گیا ہے۔ (بخاری رقم الحدیث ۴۰۹۳) لیکن علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ شاید بخاری کی روایت میں نام میں قلب واقع ہو گیا ہے اور صحیح نام طفیل بن عبداللہ ہی ہے جیسا کہ امام دمیاطی کا قول ہے۔ (فتح الباری ۱۴۵/۸)

② فتح الباری ۱٤٥/۸

③ البدایة والنهایة ۳۰۳/۵، نیز دیکھئے: اسد الغابة ۱۳٤/۳، الاصابة ۲٤۷/۲، الاستیعاب مع الاصابة ۷/۳

خداؤں کا انکار کر کے ﴿لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ﴾ کی صدا لگائی اور مشرف باسلام ہو گئے، اور خالق کائنات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ لیکن زمانہ کی بے وفائیوں کا کیا کیجئے کہ ﴿اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ﴾ کہتے ہی سارا زمانہ دشمن ہو گیا، کل کے دوست آج جان لینے پر آمادہ اور تُلے نظر آنے لگے، اور جہاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسے عالی نسب عالی خاندان اور تاجر کو محض اپنے رب کو رب کہنے کے جرم میں خود اسی رب کے گھر (کعبہ) میں بے دردی سے مارا پیٹا جا رہا ہے، اور تو اور خود اس ذات کو جو کائنات کے لئے رحمت بن کر آیا ہو ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ (الانبیاء) کو زخمی اور لہولہان کیا جا رہا ہو، اور اس کو گالیاں دی جا رہی ہوں، وہاں اس کالے کلوٹے غلام کی کیا حقیقت تھی؟ اور اسے لوگ کہاں بخش سکتے تھے، اور ان پر کیونکر رحم کھا سکتے تھے، بس کیا تھا اِدھر زبان سے ﴿لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ﴾ کی آواز نکلی اور اُدھر مصیبت و آلام کے پہاڑ توڑے جانے لگے، مارا پیٹا جانے لگا، اور کہا جانے لگا کہ روشنی سے بھاگ کر تاریکی میں آبسو، ایک خدا سے منہ موڑ کر ہزاروں کی غلامی کرو، ورنہ یہ سزا بھگتو، لیکن یہ سارے ظلم و جور اور زیادتی ایک لمحہ کے لئے بھی آپ رضی اللہ عنہ کے پایۂ استقلال میں لغزش نہ پیدا کر سکے اور آپ ایک لمحہ کے لئے اسلام سے نہ پھرے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا بیان ہے:

((فَاَسْلَمَ قَدِيْمًا قَبْلَ اَنْ يَّدْخُلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ دَارَ الْاَرْقَمِ[1] بْنِ اَبِي الْاَرْقَمِ الَّتِيْ عِنْدَ الصَّفَا مُسْتَخْفِيًا فَكَانَ عَامِرٌ يُعَذَّبُ مَعَ جُمْلَةِ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ بِمَكَّةَ لِيَرْجِعَ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَاْبٰى)).[2]

"رسول اللہ ﷺ کے دار ارقم میں داخل ہونے سے پہلے ہی آپ اسلام لائے، حضرت عامر رضی اللہ عنہ ان کمزور لوگوں میں تھے جنہیں مکہ میں اس لئے اذیت دی

---

① یہ حضرت عبداللہ بن الارقم مخزومی کا مکان تھا، اور صفا کے دامن میں حرم سے متصل تھا یہاں حضور ﷺ اور مسلمان جمع ہوتے تھے اس مکان کو بعد میں دار الخیزران سے بھی موسوم کیا گیا۔
(جزیرۃ العرب، از مولانا محمد رابع حسنی ندوی، ص ۲۳۲)

② البدایۃ والنہایۃ ۵/۳۰۳، دیکھئے: تہذیب التہذیب ۳/۵۵، اسد الغابۃ ۳/۱۳۴، الاستیعاب مع الاصابۃ ۳/۷۔

گئی تاکہ وہ اسلام سے پھر جائیں، لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے دین اسلام چھوڑنے سے انکار کر دیا اور ثابت قدم رہے۔"

آزادی

لیکن یہ سارے ظلم و زیادتی مصائب و آلام اور ستم امت کے سب سے رحیم و کریم شخص ① کی آنکھیں کیونکر دیکھ سکتیں تھیں، اور یہ سب کچھ ان کا دل کیونکر کر برداشت کرسکتا تھا، جس کی فطرت ہی میں آزادی رکھی گئی ہو، اور "عتیق" یعنی آزاد کے نام سے موسوم کیا گیا ہو، بس کیا تھا وہ گھڑی آ گئی کہ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی مصیبت کی گھڑی ختم ہوا اور وہ آزادی کی فرحت بخش فضاء میں سانس لیں۔ چنانچہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے طفیل ابن عبداللہ سے آپ رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد کر دیا:

((فَاشْتَرَاهُ أَبُوبَكْرِ الصِّدِّيقِ فَأَعْتَقَهُ)).② (رضی اللہ عنہما و رضوا عنہ)

غار ثور میں نبی ﷺ کی خدمت

ایک طرف اسلام کے نام لیواؤں اور محمد عربی ﷺ کے جانثاروں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا تو دوسری طرف اہل مکہ اور کفار قریش کے ظلم و ستم کی آندھی پوری قوت سے چل رہی تھی، اور ظلم و زیادتی کا طوفان تھمتا نظر نہ آ رہا تھا، روز بروز ان کا جور و ستم بڑھتا ہی جا رہا تھا، آخر کار نبی ﷺ نے مجبوراً "مکہ" کو خیر آباد کہنے کا ارادہ فرمایا اور مدینہ منورہ جانے کے لئے "مکہ" سے چھپ کر نکلے اور غار ثور میں پناہ لی، جہاں حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تین دنوں تک قیام فرمایا، ان تین دنوں میں جہاں حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے جاسوسی کے فرائض انجام دیئے تو حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ نے حضور نے حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے کھانے اور پینے کا انتظام فرمایا۔ اس

---

① یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جن کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا:
((ارحم امتی بامتی ابوبکر))، (ترمذی ٦٢٢، رقم الحدیث ٣٧٩٠، ٣٧٩١، عن انس بن مالک)

② تهذیب التهذیب ٣/٥٥، اسد الغابة ٣/١٢٤، الاستیعاب مع الاصابة ٣/٧، البدایة والنهایة ٥/٣٠٣، نیز ٢/٥٦

طرح کہ آپ رضی اللہ عنہ شام کے وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بکریاں غارِ ثور کے پاس مکہ والوں کی نظروں سے چھپا کر بڑی رازداری کے ساتھ لے جاتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دودھ پلاتے۔ چنانچہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((قَالَتْ: ثُمَّ لَحِقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَ اَبُوْبَكْرٍ بِغَارٍ فِيْ جَبَلِ ثَوْرٍ، فَكَمَنَا فِيْهِ ثَلَاثَ لَيَالٍ، يَبِيْتُ عِنْدَهُمَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ اَبِيْ بَكْرٍ وَ هُوَ غُلَامٌ شَابٌّ ثَقِفٌ لَقِنٌ فَيُدْلِجُ عِنْدَهُمَا بِسَحَرٍ فَيُصْبِحُ مَعَ قُرَيْشٍ مَكَّةَ كَبَائِتٍ فَلَا يَسْمَعُ يُكْتَادَانِ بِهِ اِلَّا وَعَاهُ، حَتّٰى يَأْتِيَهُمَا، بِخَبَرِ ذٰلِكَ حِيْنَ يَخْتَلِطُ الظَّلَامُ، فَيَرْعٰى عَلَيْهِمَا عَامِرُ بْنُ فُهَيْرَةَ مَوْلٰى اَبِيْ بَكْرٍ مِنْحَةً مِنْ غَنَمٍ فَيُرِيْحُهُمَا عَلَيْهِمَا حِيْنَ تَذْهَبُ بِسَاعَةٍ مِنَ الْعِشَاءِ فَيَبِيْتَانِ فِيْ رِسْلٍ هُوَ لَبَنُ مِنْحَتِهِمَا وَ رَضِيْفِهِمَا حَتّٰى يَنْعِقَ بِهَا عَامِرُ بْنُ فُهَيْرَةَ بِغَلَسٍ يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْ تِلْكَ اللَّيَالِيْ)).[1]

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ غارِ ثور میں تین راتوں تک چھپے رہے، اور وہاں ان دونوں حضرات کے ساتھ حضرت عبداللہ بن ابوبکر رات گزارا کرتے تھے جو کہ جوان گبرو اور بڑے چالاک تھے، اور ان دونوں کے پاس سے سحر ہی کے وقت چلے آتے اور صبح مکہ میں قریش کے ساتھ کرتے گویا کہ انہوں نے رات یہیں (مکہ) بتائی ہو اور دن بھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلاف جتنی سازشیں ہوتیں اسے یاد کرتے اور جب تاریکی پھیل جاتی تو غار میں آکر اطلاع دیتے اور عامر بن فہیرہ جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام تھے وہ ایک دودھاری بکری کو تھوڑی رات گزر جانے کے بعد غار کے پاس لے آتے اور ان دونوں حضرات کو تازہ دودھ پلاتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تازہ دودھ پی کر آرام سے رات بسر کرتے تھے، اور رات باقی رہتے

---

[1] بخاری ۱/۵۵٤، نیز دیکھئے: السیرۃ النبویۃ لابن ھشام ۲/۱۰۰-۹۹،
الاستیعاب مع الاصابۃ ۳/۷، اسد الغابۃ ۳/۱۳٤

ہی حضرت عامر بن فہیرہ بکریوں کو آواز دینے لگتے اور ریوڑ لے کر لوٹ جاتے اور تین راتوں تک آپ رضی اللہ عنہ ایسا ہی کرتے رہے۔"

غرض کہ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ نے بڑے نازک اور پُرخطر وقت میں انتہائی امانت و دیانت اور راز داری کے ساتھ یہ خدمت انجام دی اور کسی کے کانوں کان خبر نہ لگی، یہ ایک ایسی نازک گھڑی تھی کہ اس وقت ہر کس و ناکس پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا تھا اور اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا آپ پر اعتماد اور بھروسہ کرنا اور اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کا اس عظیم ذمہ داری کو بحسن خوبی ادا کرنا آپ کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آپ کی صداقت و دیانت کی سند ہے۔ ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَ رَضُوْا عَنْهُ﴾

ہجرت

غار ثور میں تین راتوں تک روپوش رہنے کے بعد جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تیسری صبح مدینہ منورہ کے لئے نکل پڑے تو حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے ہمراہ ہو گئے اور ان تین حضرات کے علاوہ صرف ایک قبیلہ بنی الدیل کے ماہر رہبر عبداللہ بن ارقد بھی [1] جو اب تک مشرف باسلام نہ ہو سکے تھے اس سفر میں شامل تھے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((فَانْطَلَقَ مَعَهُمَا عَامِرُ بْنُ فُهَيْرَةَ وَالدَّلِيْلُ)).[2]

"کہ ان دونوں کے ساتھ عامر بن فہیرہ اور رہبر بھی چل پڑے۔"

سفر ہجرت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت ایک ایسا اعجاز ہے، جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ آپ کا کوئی شریک نہیں، اور آپ اس اعجاز و اکرام پر جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔

روافت

عرب میں عام رواج تھا کہ جب اُونٹ یا کسی سواری پر سوار ہوتے تو اپنے کسی خاص

---

① علامہ ابن ہشام نے ان کا نام عبداللہ بن اریقط ذکر کیا ہے۔ (السيرة النبوية لابن هشام ۲/۱۰۲)

② بخاری ۱/۵۵٤، دیکھئے: البداية والنهاية ۲/۱۷٦، اسد الغابة ۳/۱۳٤، الاستيعاب، مع الاصابة ۳/۷، السيرة النبويه لابن هشام ۲/۱۰۲

آدمی کو اپنا ردیف بنا لیتے تھے، جو سوار کی کمر تھام کر پیچھے بیٹھتا تھا، سرورِ کائنات ﷺ نے بھی مختلف مواقع پر مختلف صحابہ کو اپنا ردیف بنایا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک حضور ﷺ کی ردافت ایک بڑا عہدہ اور جلیل منصب تھا اور جسے آپ یہ عزت دیتے تھے انہیں صحابہ ردیف النبی کے لقب سے پکارتے تھے، حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو گو کہ نبی اکرم ﷺ کی ردافت کا شرف حاصل نہ ہو سکا، لیکن اسی سفرِ ہجرت میں حضور ﷺ کے یارِ غار اور محبوب دوست حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ردافت کا شرف حاصل ہوا اور آپ رضی اللہ عنہ ردیف النبی نہ سہی ردیف الصدیق ضرور بن گئے، جو کم از کم میری نظر میں کسی منصب جلیل اور باوقار عہدہ سے کسی طرح کم تر اور کہتر نہیں ہے۔

((فَأَرْدَفَهُ أَبُوْبَكْرٍ خَلْفَهُ)).①

سفرِ ہجرت کے دوران سیکریٹری کے فرائض

نبی کریم ﷺ کے مکہ چھوڑ دینے کے باوجود کفار کا جوشِ نفرت اور شعلہ انتقام سرد نہ ہوا، اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ جو شخص محمد (ﷺ) کو گرفتار کر کے لائے گا اسے سو اُونٹنیاں انعام میں دی جائیں گی، اس اعلان کے بعد ہی سراقہ بن مالک بن جعشم (جو اب تک ایمان نہ لائے تھے) کو انعام کی لالچ نے رسول اللہ ﷺ کے تعاقب پر آمادہ کیا اور ان اونٹنیوں کی لالچ میں انہوں نے ایک گھوڑے پر سوار ہو کر آپ ﷺ کے نشاناتِ قدم کی مدد سے آپ کا تعاقب شروع کر دیا، لیکن ان کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ گر پڑے، لیکن اب بھی ہار نہ مانی، اور آگے بڑھے حتیٰ کہ ان کے گھوڑے کے دونوں پیر زمین میں دھنس گئے۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر سراقہ سمجھ گئے کہ اللہ آپ ﷺ کی مدد کر رہا ہے، اور آپ اللہ کے نبی برحق ہیں، پھر آپ ﷺ کو زور سے آواز دی کہ میں سراقہ ہوں میری غلطی معاف فرمائیں اور مجھے امان کی ایک تحریر دے دیں، جو بعد کو مجھے کام آئے، آپ ﷺ نے اس موقع پر حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ ہی کو حکم دیا کہ ان کے لئے تحریر لکھ دیں۔ چنانچہ انہوں نے چمڑے کے ٹکڑے پر ایک تحریر لکھ کر ان کے حوالہ کر دی، چنانچہ بخاری میں ہے:

① اسد الغابۃ ۳/۱۳۱، دیکھئے: البدایۃ والنہایۃ ۵/۳۰۳

((فَأَمَرَ عَامِرُ بْنُ فُهَيْرَةَ فَكَتَبَ لِيْ فِيْ رُقْعَةٍ مِنْ أُدُمٍ ثُمَّ مَضٰى)).①

غرض کہ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ نے سفرِ ہجرت کے دوران نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم اور کاتب کے فرائض انجام دیئے۔

جب مدینہ کی فضاء راس نہ آئی

ہجرت کے مصائب و آلام اور دقت و پریشانیوں بھرے اور تھکا دینے والے سفر کے بعد جب حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ پہنچے تو یہاں کی فضا ان کو راس نہ آئی، اور شدید بخار میں مبتلا ہو گئے، یہی کچھ کیفیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی بھی ہوئی، اور یہ دونوں حضرات بھی سخت ترین بخار کے شکار ہو گئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو خود بھی بیمار پڑ گئیں تھیں، اور اس موقع پر اپنے والد اور ان دونوں حضرات کی عیادت کو پہنچیں تھیں، بیان کرتی ہیں کہ جب میں اپنے والد اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما کی عیادت کرنے کے بعد عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی حالت دریافت کرنے پہنچی اور ان سے خیریت دریافت کی تو انہوں نے یہ شعر پڑھا

لَقَدْ وَجَدْتُ الْمَوْتَ قَبْلَ ذَوْقِهٖ ٭ إِنَّ الْجَبَانَ حَتْفُهٗ مِنْ فَوْقِهٖ
كُلُّ امْرِئٍ مُجَاهِدٌ بِطَوْقِهٖ ٭ كَالثَّوْرِ يَحْمِيْ جِسْمَهٗ بِرَوْقِهٖ ②

بعد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا:

اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِيْنَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ اَوْ اَشَدَّ حُبًّا وَ صَحِّحْهَا وَ بَارِكْ لَنَا فِيْ صَاعِهَا وَمُدِّهَا وَانْقُلْ حُمَّاهَا بِالْجُحْفَةِ)).③

"کہ اے اللہ! مدینہ کو ہمارے لئے مکہ ہی کی طرح یا اس سے کہیں زیادہ محبوب بنا دے، اور مدینہ کو امراض سے پاک کر دے اور اس کے صاع اور مد میں برکت

---

① بخاری ۱/۵۵٤، باب هجرة النبی ﷺ الی المدینة، ملاحظہ ہو: السیرة النبویة ۲/۱۰۳، البدایة والنهایة ۵/۳۰۳-۱۵٦

② فتح الباری ۷/٦۸، نیز دیکھئے: الاصابة ۲/۲٤۷، السیرة النبویة لابن هشام ۲/۲۰۱، بخاری ۱/۵۵۸، البدایة والنهایة ۲/۲۲۱

③ البدایة والنهایة ۵-۳۰۳، فصل کتاب الوحی

عطا فرما، اور اس کے بخار کو مقام جحفہ منتقل کر دے۔"
کی برکت سے مدینہ وبا اور امراض سے پاک ہو گیا اور اس کی فضا نہایت صحت بخش اور سود مند ہو گئی۔

بھائی چارہ

جب مہاجرین کا قافلہ مدینہ منورہ پہنچا تو حضرات انصار نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور اپنے سر آنکھوں پر بٹھایا، اپنے مال و دولت، تجارت و زراعت میں شریک کر لیا، اس موقع سے نبی ﷺ نے ایک ایک مہاجر صحابی کا ایک ایک انصاری صحابی سے مواخات (اور بھائی چارہ کروا دیا، اور حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کا حضور ﷺ نے حضرت اوس بن معاذ رضی اللہ عنہ سے مواخات کرایا۔

((وَاٰخیٰ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ اَوْسِ بْنِ مُعَاذٍ)). ①

کہنے کو تو محض ایک رسمی رشتہ تھا، لیکن حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کا جتنا احترام اور لحاظ کیا تاریخ عالم اس کی نظیر اور مثال خونی اور نسبی رشتوں میں بھی پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ﴿رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾

غزوات وسرایا میں شرکت

ہجرت کے سترہ ماہ بعد غزوہ بدر سے پہلے ۲ ہجری میں نبی ﷺ نے قریش کی نقل و حرکت کی تحقیق کے لئے اپنے جاسوسوں کی ایک جماعت کو حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ فرمایا، جن کی تعداد سات یا آٹھ تھی، اور یہ تمام حضرات مہاجرین تھے۔ اس سریہ (جس کو سریہ نخلہ بھی کہا جاتا ہے) میں حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے، نبی کریم ﷺ نے اس سریہ کو روانہ کرتے وقت ایک خط دیا اور ہدایت فرمائی کہ اسے دو دن کی مسافت کے بعد "بطن ملل" میں ہی جا کر پڑھنا اور اس میں جو حکم ہو اس پر عمل کرنا، جب ان حضرات نے رسول اللہ ﷺ کا خط پڑھا تو اس میں وادی نخلہ پہنچنے کا حکم تھا، لیکن جب حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وہاں پہنچے تو عمرو بن الحضرمی کے

① البداية والنهاية ٥/٣٠٣، فصل كتاب الوحي

قافلہ سے مڈبھیڑ ہوگئی اور حضرت واقد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن الحضرمی کو قتل کر دیا عثمان اور حکم بن کیسان کو گرفتار کر کے مدینہ لے آئے اور ان کے مال واسباب بھی ضبط کر لیے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان لوگوں پر اس لیے حملہ کیا، قتل اور گرفتاری کی کہ خدشہ تھا کہ یہ لوگ شور کر دیں گے، گو کہ صحابہ کا یہ حملہ اپنی دفاع اور تحفظ کے لیے تھا، لیکن چونکہ یہ واقعہ رجب کی پہلی رات میں پیش آیا تھا، اور رجب اشہر حرم میں تھا، ان مہینوں کا مسلمان اور کفار یکساں احترام کرتے تھے، کفار کو جیسے ہی معلوم پڑا انہوں نے ایک طوفان کھڑا کر دیا اور شور برپا کر دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی "اشہر حرام" کا احترام پامال کرتے ہیں:

قَالَتْ قُرَيْشٌ: اِسْتَحَلَّ مُحَمَّدٌ وَاَصْحَابِهِ الْحَرَامَ وَسَفَكُوْا فِيْهِ الدَّمَ)).[1]

تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ..... الخ﴾ (البقرہ: ۲۱۷)

نازل فرمائی اور مسلمانوں کو اس کام کی وجہ سے جو پچھتاوا ہو رہا تھا، انہیں سکونِ قلب اور طمانیت حاصل ہوگیا۔[2] علامہ ابن ہشام رحمہ اللہ اور دوسرے مورخین نے اس سریہ میں شرکت کرنے والوں کی فہرست میں حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کا نام ذکر نہیں کیا ہے، لیکن علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ اس سریہ میں شریک تھے، چنانچہ ابن کثیر رحمہ اللہ رقم فرماتے ہیں:

((أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَعَثَ سَرِيَّةً وَ كَانُوْا سَبْعَةَ نَفَرٍ عَلَيْهِمْ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ جَحْشٍ وَ فِيْهِمْ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ وَ اَبُوْ حُذَيْفَةَ بْنُ عُقْبَةَ، وَ سَعْدُ بْنُ اَبِيْ وَقَّاصٍ، وَ عُتْبَةُ بْنُ غَزْوَانَ وَ سَهْلُ بْنُ بَيْضَاءَ، وَ عَامِرُ بْنُ فَهِيْرَةَ وَ وَاقِدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ الْيَرْبُوْعِيُّ)).[3]

غزوۂ بدر اور اُحد میں:

اسلام اور کفر کے درمیان ہونے والی دو سب سے پہلی اور سب سے بڑی جنگیں غزوۂ بدر

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ۳/۲۴۹، دیکھئے: سیرت ابن ہشام ۲/۲۱۶

[2] حوالہ سابق [3] البدایۃ والنہایۃ ۳/۳۵

اور غزوۂ اُحد میں بھی شریک ہوئے اور خوب خوب دادِ شجاعت دی، چنانچہ علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں:

((وَشَهِدَ عَامِرٌ بَدْرًا وَأُحُدًا)).[①]

"کہ حضرت عامر بن فہیرہ بدر واُحد میں شریک ہوئے۔"

بیرِ معونہ اور آپ کی شہادت

غزوۂ اُحد کے ۱۴ ر مہینہ بعد صفر ۴ ر ہجری میں بیرِ معونہ کا وہ اندوہناک واقعہ پیش آیا، جس میں تقریباً ستر صحابہ عہد شکنی کی بھینٹ چڑھ گئے اور سب کے سب شہید کر دیئے گئے اس حادثہ سے نبی ﷺ بہت ملول ہوئے، اس واقعہ نے آپ ﷺ کو کاری زخم پہنچایا، اور رسول اللہ ﷺ نے رعل، ذکوان، عصیہ اور بنی لحیان کے قبائل پر بددعائیں کیں اور ایک ماہ تک نماز میں قنوت پڑھی، یہ وہی شقی القلب لوگ تھے جنہوں نے ان ستر صحابہ پر حملہ کیا تھا اور بالآخر انہیں شہید کر دیا۔[②] یہ اندوہناک اور افسوس ناک واقعہ ہے جس میں حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ نے جامِ شہادت نوش فرمایا، چنانچہ حافظ ابن اثیر جزری رحمہ اللہ رقم فرماتے ہیں:

((وَ شَهِدَ عَامِرٌ بَدْرًا وَ أُحُدًا وَ قُتِلَ يَوْمَ بِئْرِ مَعُوْنَةَ سَنَةَ أَرْبَعٍ مِنَ الْهِجْرَةِ وَهُوَ ابْنُ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً)).[③]

"کہ حضرت عامر رضی اللہ عنہ بدر، اُحد میں شریک ہوئے، اور ۴ ر ہجری میں چالیس سال کی عمر میں بیرِ معونہ میں شہید کر دیئے گئے۔"

حضرت عامر رضی اللہ عنہ کی ایک انوکھی کرامت

یہ ایک انوکھی اور عجیب وغریب بلکہ ناقابلِ یقین کرامت تھی، لیکن دیکھنے والوں نے

---

① اسد الغابة ۳/۱۳۴، دیکھئے: البداية والنهاية ۵/۳۰۲

② تفصیل کے لئے دیکھئے: بخاری ۲/۸۶-۵۸۵، باب غزوة الرجيع ورعل وذكوان وبير معونة، سيرة ابن هشام ۳/۲۰۵-۲۰۴، فتح الباري ۸/۱۴۵-۱۳۹

③ اسد الغابة ۳/۱۳۴، دیکھئے: الاصابة في تمييز الصحابة ۲/۲۴۷، الاستيعاب مع الاصابة ۳/۷، البداية والنهاية ۵/۳۰۳

دیکھا کہ جب حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے تو فرشتے ان کی مبارک لاش کو اُٹھا کر آسمان تک لے گئے اور پھر زمین پر رکھ دیا، چنانچہ اس واقعہ کے چشم دید گواہ اور بیرِ معونہ میں مشرکین کے قائد اور سردار عامر بن طفیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

((فَقَدْ رَأَيْتُهُ بَعْدَ مَا قُتِلَ رُفِعَ إِلَى السَّمَاءِ حَتّٰى لَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى السَّمَاءِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْأَرْضِ ثُمَّ وُضِعَ)).[1]

"میں نے ان کو قتل کے بعد دیکھا کہ ان کی لاش آسمان کی طرف اُٹھائی گئی اور میں نے دیکھا کہ آسمان اور زمین کے درمیان معلق رہی پھر رکھ دی گئی۔"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس کرامت کا ظہور حضرت عامر رضی اللہ عنہ کے لئے تو باعث فخر و احترام اور تعظیم و تکریم تھا، لیکن کفار کے لئے مقام خوف و عبرت تھا:

((وَفِي ذَالِكَ تَعْظِيمٌ لِعَامِرِ بْنِ فَهِيرَةَ وَتَرْهِيبُ الْكُفَّارِ وَتَخْوِيفُ)).[2]

یہ واقعہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس قدر اہمیت اور حیثیت حاصل کر گیا اور اتنا مشہور ہوا کہ عامر بن طفیل رضی اللہ عنہ اس واقعہ کو پہیلی کی شکل میں صحابہ کے سامنے رکھتے کہ:

"بتاؤ تم میں کون ایسا آدمی ہے جس کی لاش فرشتے آسمان تک لے گئے۔"

اور حضرت عروہ رحمہ اللہ تو اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ عامر بن طفیل رضی اللہ عنہ نے یہ سوال خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

((لَمَّا قَدِمَ عَامِرُ بْنِ الطُّفَيْلِ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَهُ مَنِ الرَّجُلُ الَّذِي لَمَّا قُتِلَ رَأَيْتُهُ رُفِعَ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ رَأَيْتُ السَّمَاءَ دُوْنَهُ ثُمَّ وُضِعَ فَقَالَ لَهُ: هُوَ عَامِرُ بْنُ فُهَيْرَةَ)).[3]

---

[1] بخاری ۵۸۷، دیکھئے: اسد الغابۃ ۳/۱۳٤، السیرۃ النبویۃ ص ٤١٥، از: رزق اللہ احمد، الاصابۃ ۲/۲٤۷، مع الاستیعاب، الاصابۃ ۳/۸

[2] فتح الباری ۸/۱٤٦

[3] الاستیعاب مع الاصابۃ ۳/۸، دیکھئے: البدایۃ والنہایۃ ۵/۳۰۲، اسد الغابۃ ۳/۱۳٤

تدفین؟

پوری اُمت میں غالباً حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کو یہ شرف حاصل نہ ہوا کہ ان کی تدفین فرشتوں نے خود ہی کی اور غالباً صحابہ میں بھی اس شرف کو آپ رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی نہ پاسکا، چنانچہ حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں:

((رُفِعَ عَامِرُ بْنُ فُهَيْرَةَ إِلَى السَّمَاءِ فَلَمْ تُوجَدْ جُثَّتُهُ يَرَوْنَ أَنَّ الْمَلَائِكَةَ دَفَنَتْهُ)).[1]

”کہ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی لاش آسمان پر اُٹھائی گئی اور دفن کرنے والوں کو ان کا جسد خاکی نہ مل سکا، اور ان حضرات نے دیکھا کہ فرشتوں نے ان کی تدفین خود ہی کر دی۔“

ایک آواز جس نے دل کی دُنیا بدل دی؟

”رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا“

یہ وہ آواز تھی جس نے آپ رضی اللہ عنہ کے قاتل جبار بن سلمی کے دل کی دُنیا بدل دی اور ان کی زندگی کی کایہ پلٹ کر رکھ دی اور یہی وہ جادوئی آواز تھی جس سے سحر زدہ ہو کر حضرت جبار بن سلمی مشرف با اسلام ہو گئے، خود حضرت جبار بن سلمی اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”جب میں نے عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو تیر مارا تو ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ((فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ)). ”رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔“ میں نے دل میں حیرت سے کہا یہ کیسی کامیابی ہے، پھر بعد کو میں نے ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا ان کا مطلب جنت تھا، حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ نے مجھے مشرف با اسلام بنا دیا:

((وَدَعَانِي إِلَى ذَالِكَ مَا رَأَيْتُ مِنْ عَامِرِ بْنِ فُهَيْرَةَ)).[2]

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْ عَامِرِ بْنِ فُهَيْرَةَ وَرَضِيَ عَنْهُ (اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِمَّنِ اتَّبَعَهُمْ)

---

[1] الاستیعاب مع الاصابة ۳/۸، دیکھئے: اسد الغابة ۳/۱۳٤

[2] فتح الباری ۸/۱٤٦، دیکھئے: البدایة والنهایة ۵/۳۰۳، سیرة ابن هشام ۳/۲۰۷

تنبیہ

حضرت حافظ ابن عبدالبر مالکی رحمۃ اللہ علیہ "الاستیعاب" میں لکھتے ہیں کہ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو عامر بن طفیل نے قتل کیا ہے:

((قَتَلَهٗ عَامِرُ بْنُ الطُّفَيْلِ)).[1]

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے قتل کی نسبت عامر بن طفیل کی طرف اس لئے کر دی ہو کہ وہ مشرکین کے سردار تھے، اور کسی فوجی کے عمل کی نسبت قائد اور کمانڈر کی طرف کی جا سکتی ہے:

((كَانَ نِسْبَتُهٗ لَهٗ عَلٰى سَبِيْلِ التَّجَوُّزِ لِكَوْنِهٖ رَأْسَ الْقَوْمِ)).[2]

---

① الاستیعاب مع الاصابۃ ٣/٣٠٨

② فتح الباری ٨/١٤٦

امام المسلمین سیدنا حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ

نام ونسب

یثرب (مدینہ) کے قدیم عرب باشندے اوس وخزرج جو بعد کو انصار کہلائے دونوں باہم محارب اور دست وگریباں قبیلے تھے، اسلام نے انہیں شیر وشکر تو بنا دیا، لیکن وہ قدیم رقابت اور نخوت وفخر اب بھی باقی تھا گو کہ اب اس فخر نے اسلامی رنگ اپنالیا تھا اور کل تک جہاں یہ جہالت وگمراہی کے میدان میں ایک دوسرے پر بازی مارنے کی کوشش کرتے اور فتنہ وفساد میں اپنی بڑائی پر فخر کرتے تھے، آج وہی اوس وخزرج نیکی وبھلائی کے میدان میں فوقیت اور فتح کی جنگ لڑنے لگے اور اپنے آپ کو ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ﴾ کی تفسیر بنانے میں جٹ گئے، خیر اس بحث کو یہیں چھوڑیئے کہ ان میں فخر اور بڑائی کی کون کون سی جنگ لڑی گئی، مجھے تو بس یہ بتلانا ہے کہ "خزرج" کو جن ہستیوں پر ناز تھا، اور جن لوگوں پر وہ فخر کرتے تھے اور انہیں ان پر فخر کرنے کا بجا طور پر حق تھا، ان میں کعب بن قیس بن عبید بن زید بن معاویہ بن عمرو بن مالک بن النجار [1] کے لاڈلے اور جگر گوشہ صہیلہ بنت الاسود کے نورِ نظر [2] اور مسلمانوں کے امام ابو منذر اُبی رضی اللہ عنہ کا نام سرِ فہرست ہے۔ [3]

قد وقامت

سید القراء حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ بڑے ہی مناسب قد وقامت کے مالک تھے، نہ زیادہ لمبے اور نہ ہی زیادہ ناٹے تھے، بلکہ متوسط قد وقامت کے حامل تھے۔ چنانچہ عیسیٰ بن طلحہ کا بیان ہے:

((كَانَ اَبَيٌّ رَجُلًا دَحْدَاحًا، يَعْنِيْ رَبْعَةً لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ)). [4]

---

① الاستيعاب مع الاصابة ۱/۲۷، دیکھئے: سیر اعلام النبلاء ۳/۲۴۳
② اسد الغابة ۱/۱۹۶ ③ البداية والنهاية ۷/۵۱ ④ سیر اعلام النبلاء ۳/۲۴۳

"حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ایک مناسب قدوقامت والے آدمی تھے، نہ تو زیادہ لمبے تھے اور نہ ہی زیادہ ناٹے تھے۔"

چہرہ مہرہ:

آپ کا رنگ گورا سفید تھا،[1] اور سر مبارک اور داڑھی کے بال سفید تھے، لیکن سفیدی آپ کی وجاہت اور جوانی پر اثر انداز نہ ہو سکی تھی، بلکہ آپ سر اور داڑھی کے بالوں کے سفید ہونے کے باوجود نوجوان دکھائی دیتے تھے۔ چنانچہ ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں:

((وَ كَانَ اَبْيَضَ الرَّاْسِ وَ اللِّحْيَةِ لَا يُغَيِّرُ شَيْبَهٗ)).[2]

"کہ آپ کے سر اور داڑھی کے بال سفید تھے، لیکن اس سفیدی نے آپ میں تبدیلی نہ پیدا کی تھی۔"

مزاج و مذاق:

سیدنا حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اللہ اور رسول کے معاملہ میں بڑے سخت تھے اور دین کے بارے ذرہ برابر بھی کمی و کوتاہی اور غلطی ان کے لیے قابل برداشت نہ تھی، ٹھیک حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی طرح جہاں اللہ اور اس کے رسول کے خلاف کوئی معاملہ دیکھتے ان کی غیرت ایمانی بھڑک اٹھتی، اور حمیت دینی فوراً ان کو مجبور کرتی اور آپ کا ہاتھ تلوار کے دستہ پر پہنچ جاتا، وہ حق کے لئے بلا خوف و خطر مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے، چنانچہ علامہ ہندی رحمۃ اللہ علیہ نے خود حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہی سے یہ روایت نقل کی ہے:

((جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ : اِنَّ فُلَانًا يَدْخُلُ عَلَى اِمْرَاَةِ اَبِيْهِ فَقَالَ اُبَيٌّ: لَوْ اَنَا لَضَرَبْتُهٗ بِالسَّيْفِ فَضَحِكَ النَّبِيُّ ﷺ وَ قَالَ: مَا اَغْيَرَكَ يَا اُبَيُّ! اِنِّيْ لَاَ غْيَرُ مِنْكَ وَاللّٰهُ لَاَ غْيَرُ مِنِّيْ)).[1]

"ایک آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ فلاں آدمی اپنے باپ

---

① کنز العمال ۲۱۱/۱۳، رقم الحدیث ۳۶۷۶۵.

② اسد الغابۃ ۱۷۱/۱، دیکھئے: سیر اعلام النبلاء ۲۴۳/۳، البدایۃ والنہایۃ ۲۹۵/۵

③ کنز العمال ۲۶۳/۱۳، رقم الحدیث: ۳۶۷۷۳

کی بیوی (اپنی سوتیلی ماں) سے زنا کرتا ہے، تو حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں ہوتا تو اس کی گردن مار دیتا، اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہنستے ہوئے فرمایا اے ابی رضی اللہ عنہ! آپ کتنے غیرت مند ہیں لیکن میں تم سے اور اللہ مجھ سے زیادہ غیرت مند ہے۔"

غالباً نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی بے پناہ غیرت ایمانی اور حمیت دینی کے جواب میں "اِنِّیْ لَاَغْیَرُ مِنْكَ" اور "اَللّٰهُ لَاَغْیَرُ مِنِّیْ" اس لئے فرمایا کہ غیرت ایک اچھی چیز ہے، لیکن ہر مسئلہ کا حل قتال اور جنگ اور ہر درد کی دوا تلوار ہی نہیں ہے، بلکہ یہ مسائل نرمی اور محبت سے بھی حل کئے جا سکتے ہیں، مجھے دیکھو باوجودیکہ میں تم سے زیادہ غیور ہوں، لیکن پھر بھی رافت و نرمی کا دامن نہیں چھوڑتا ہوں۔

اور شاید ان کی غیور طبیعت ہی کبھی کبھی سخت گیر اور تند مزاج بنا دیتی تھی اور آپ کی سختی حد اعتدال سے آگے بڑھ جاتی، اور اپنے عزیزوں کو بسا اوقات سخت سست کہہ دیتے تھے، جیسا کہ حضرت زر بن حبیش فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا اور میں نے ان کو ذرا سخت مزاج پایا تو میں نے ان سے کہا:

((اِخْفَضْ لِیْ جَنَاحَكَ رَحِمَكَ اللّٰهُ)).

"کہ میرے ساتھ نرم روی اختیار فرمائیں، اللہ آپ پر رحم فرمائے گا۔"

لیکن خیال ہوتا ہے کہ یہ سختی آپ کی اپنوں ہی کے ساتھ تھی، اور اپنے مصاحبین اور عزیزوں کے ساتھ یہ سخت رویہ غالباً اس لئے تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ ان کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ فرماتے رہے ہوں گے، پھر ان کی غلطیوں کی وجہ سے آپ ان سے برہم ہوا کرتے ہوں گے اور غصہ میں آ کر کبھی سخت کلامی بھی کر لی ہوگی، ظاہر ہے کہ یہ کوئی عیب اور کمی کی بات نہیں، بلکہ عام ضابطہ ہے کہ "نزدیکاں را بیش بود حیرانی" اور اسی اصول کی وجہ سے آپ سخت ہو گئے ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب

عقبہ ثانیہ میں شرکت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کے زمانہ میں "دعوت الی اللہ" اور "تبلیغ دین" کی مہم پر روانہ ہوئے

اور عقبہ [1] کے پاس انصار کے قبیلہ خزرج کے کچھ لوگوں سے ملاقات ہوئی، آپ ﷺ نے ان کو اللہ کے دین کی دعوت دی، قرآن کریم پڑھ کر سنایا، اور اسلام پیش کیا، چونکہ یہ حضرات مدینہ میں اہل کتاب یہودیوں کے پڑوسی تھے اور ان کے کان ایک نبی کی آمد سے ناآشنا نہیں تھے۔ اس لئے فوراً حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور مدینہ واپسی پر اپنے دوسرے بھائیوں سے رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور آپ ﷺ کی بعثت کا تذکرہ کیا، اور دیکھتے دیکھتے ہی پوری قوم اور پوری برادری کی زبان پر آپ ﷺ ہی کا نام آپ ﷺ ہی کا ذکر تھا، اور گلی گلی اسلام کا چرچا ہونے لگا، اور مدینہ کے گھر گھر میں اسلام کی آواز اور آپ ﷺ کا پیغام پہنچ گیا:

((فَلَمْ يَبْقَ دَارٌ مِّنْ دُوْرِ الْأَنْصَارِ إِلَّا فِيهَا ذِكْرٌ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ)). [2]

دوسرے سال حج کے موقع سے اوس وخزرج کے کل بارہ آدمی تشریف لائے، اور اسی عقبہ (گھاٹی) میں نبی ﷺ کے دست مبارک پر چوری، زنا، بچوں کے قتل نہ کرنے، توحید اور آپ کی اطاعت پر بیعت کی اور یہیں سے اہل مدینہ اور مدینہ کے تابناک مستقبل کی ابتداء ہوئی، جسے تاریخ میں عقبہ اولیٰ کے نام سے یاد کیا گیا۔ [3] اس موقع پر حضور اکرم ﷺ نے مدینہ والوں کی تربیت اور اصلاح کی غرض سے انہیں بارہ حضرات کے ساتھ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ [4] حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی کوشش رنگ لائی اور اگلے سال عقبہ ثانیہ کے موقع پر حضرات انصار کی ایک اور جماعت نے آکر نبی اقدس ﷺ سے بیعت کی ان نفوس قدسیہ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

① عربی میں گھاٹی کو کہتے ہیں، یہ مکہ مکرمہ سے ۴-۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر منیٰ کے پہاڑوں کے اس کنارے پر واقع ہے، جس کا رُخ مکہ مکرمہ کی طرف ہے، یہ ایک پہاڑی کے ایک حصہ میں ذرا پردہ کی جگہ تھی، اور اس کا جائے وقوع جمرہ کبریٰ کے پاس تھا۔ شاید اسی وجہ سے جمرہ کبریٰ کو جمرہ عقبہ کے نام سے یاد کرتے ہیں، بعد کو یہاں بطور یادگار ایک مسجد تعمیر کر دی گئی۔

② سیرت ابن ھشام ۴۸/۲

③، ④ سیرت ابن ھشام ۴۴/۲

((كَانَ مِنْ اَصْحَابِ الْعَقَبَةِ الثَّانِيَةِ)).[1]

"کہ آپ رضی اللہ عنہ عقبہ ثانیہ میں شریک تھے۔"

آپ کا علمی مقام اور مرتبہ؟

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ان خوش نصیبوں میں ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں اپنے علمی کمالات اور خصوصیات کی وجہ سے بڑا اعزاز و اکرام اور مرتبہ حاصل ہوا، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ ان کا احترام و اکرام فرماتے تھے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن حضرات سے قرآن کریم سیکھنے اور علم قرأت حاصل کرنے کا حکم دیا ان میں بطور خاص آپ رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جو خود پایہ کے عالم اور فقیہ صحابی ہیں کا بیان ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((خُذُوا الْقُرْآنَ مِنْ اَرْبَعَةٍ : مِنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ ، فَبَدَأَ بِهِ وَ سَالِمٍ مَوْلَى اَبِيْ حُذَيْفَةَ وَ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، وَ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ)).[2]

"کہ قرآن چار آدمیوں سے سیکھو عبداللہ بن مسعود اور حضرت حذیفہ کے غلام سالم اور معاذ بن جبل اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم۔"

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو تمام علوم میں سب سے زیادہ مہارت اور شغف علم قرآن یعنی علم قرأت سے تھا، اور آپ رضی اللہ عنہ پوری امت میں قرآن کریم کے سب سے بڑے عالم اور فن قرأت کے سب سے بڑے امام ہیں، اور یہ امامت کی سند اور سرٹیفکیٹ خود صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مرحمت فرمائی۔

چنانچہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

---

① الاصابۃ ۳۱/۱، دیکھئے: سیر اعلام النبلاء ۲۴۳/۳، الاستیعاب مع الاصابۃ ۲۸/۱، فتح الباری ۵۰۵/۷

② بخاری باب مناقب ابی رقم الحدیث ۳۸۰۸، ۳۸۰۶، ترمذی ۶۳۲/۵، رقم الحدیث ۳۸۱۰، مسلم ۱۹۱۳/۴، رقم الحدیث ۲۴٦٤، باب من فضائل عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

((وَ اَقْرَأُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ)).①

"کہ ان میں (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم میں) کتاب اللہ کے سب سے بڑے قاری ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں۔"

غالباً آپ کے علمی تبحر اور گہرائی پر اعتماد ہی کی وجہ سے ایک دفعہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں ذہول (بھول) ہو گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جب آپ نماز میں موجود تھے تو لقمہ دینا چاہیے، چنانچہ امام ابوداؤد نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت نقل کی ہے:

((اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلّٰى صَلَاةً فَقَرَأَ فِيهَا فَلُبِسَ عَلَيْهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ، قَالَ لِاُبَيٍّ اَصَلَّيْتَ مَعَنَا، قَالَ نَعَمْ قَالَ فَمَا مَنَعَكَ)).②

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ نماز پڑھائی اور آپ کو تلاوت میں التباس ہو گیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کی تو حضرت ابی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کیا تم نے میرے ساتھ ہی نماز پڑھی ہے؟ آپ نے کہا جی حضرت! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تم نے لقمہ کیوں نہیں دیا۔"

یعنی تم پوری امت کے سب سے بڑے قاری اور سب سے زیادہ قرآن کا علم رکھتے ہو تو جب مجھ سے بھول ہوئی تو تمہیں بتانا چاہیے۔

صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابی رضی اللہ عنہ کو قرآن سناتے ہیں؟

سیدنا حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہو سکتی ہے، اور آپ کے علمی تبحر اور گہرائی و گیرائی اور علم قرآن میں مہارت و کمال کی اس سے بڑی اور کون سی سند اور سرٹیفکیٹ (Cirtificate) ہو سکتا ہے کہ خود صاحب کلام اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ (البینہ) ابی رضی اللہ عنہ

---

① ترمذی ۵/۶۲۳، رقم الحدیث ۳۷۹۱، دیکھئے: نسائی باب المناقب، ابن ماجہ باب فی فضائل اصحاب رسول اللہ ﷺ: رقم الحدیث ۱۵٤۔

② ابوداؤد ۱/۱۳۱، باب الفتح علی الامام فی الصلاۃ، سیر اعلام النبلاء ۳/۲٤۷

کو سنایئے۔ اور اس سے بڑی بات آپ کی فضیلت کے لئے کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ملأ اعلیٰ اور عرش بریں پر آپ رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ آپ کا تذکرہ کرتا ہے، چنانچہ خادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِاُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ إِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِيْ أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قَالَ وَسَمَّانِيْ قَالَ: نَعَمْ قَالَ: فَبَكٰى)).[1]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے سامنے ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ...الخ﴾ پڑھوں، حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ سن کر حضرت ابی رضی اللہ عنہ رو پڑے۔"

یقیناً یہ بڑی فضیلت اور شرف کی بات تھی اس لئے حضرت ابی رضی اللہ عنہ کو بڑا تعجب ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے عرش بریں پر ان کا تذکرہ کیا اور حیرت واستعجاب میں پوچھ بیٹھے

((يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! ذُكِرْتُ هُنَالِكَ)) "کیا وہاں عرش پر میرا تذکرہ ہوا۔"

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں ہاں ملاء اعلیٰ میں تمہارے نام اور نسب کے ساتھ تمہیں یاد کیا گیا:

((نَعَمْ بِاسْمِكَ وَنَسَبِكَ فِي الْمَلَاءِ الْاَعْلٰى)).[2]

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے خوشی ومسرت کے آنسو چھلک پڑے یا خوف الٰہی کی وجہ سے آپ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔

((فَلِذٰلِكَ بَكٰى إِمَّا فَرَحًا وَإِمَّا خُشُوْعًا)).[3]

یقیناً یہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی ایک بڑی فضیلت ہے اور قرآن پر عبور اور کمال کی دلیل اور سند ہے۔ لیکن اس سے خدانخواستہ یہ ہرگز نہ سمجھا جائے کہ العیاذ باللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

---

① مسلم ۱۹۱۵/۴، رقم الحدیث ۱۲۲، دیکھئے: بخاری رقم الحدیث ۳۸۰۹، باب مناقب ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، ترمذی ۶۲۴/۵، رقم ۳۷۹۲، کنز العمال ۲۶۳/۱۳، رقم ۳۶۷۶۸

② کنز العمال ۲۶۲/۱۲، رقم الحدیث ۳۶۷۶۸

③ فتح الباری ۵۰۵/۷

کو حضرت ابی رضی اللہ عنہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے اور ان کی شاگردی اختیار کرنے کا حکم ہوا تھا۔ یا یہ حکم اس لئے ہوا تھا کہ نعوذ باللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ زیادہ علم رکھتے ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم اس لئے دیا تھا کہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ آپ سے قرآن کریم اچھے ڈھنگ سے سیکھ لیں اور ان کے دل میں قرآن کریم کی حقانیت و صداقت پوری طرح جاگزیں اور بیٹھ جائے، اور اس لئے بھی کہ قرآن کریم کا دور اُمت کے لئے سنّت ہو جائے، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اس حکم میں حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور حفظ قرآن میں ان کی فوقیت اور تقدم ثابت ہو جاتی ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر امام ابوعبید سے نقل کرتے ہوئے رقم فرماتے ہیں:

((اَلْمُرَادُ بِالْعَرْضِ عَلٰی اُبَيٍّ لِيَتَعَلَّمَ اُبَيٌّ مِنْهُ الْقِرَآْءَةَ وَ يُثَبِّتَ فِيْهَا وَ لِيَكُوْنَ عَرْضُ الْقُرْآنِ سُنَّةً، وَ لِلتَّنْبِيْهِ عَلٰی فَضِيْلَةِ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَ تَقَدُّمِهٖ فِيْ حِفْظِ الْقُرْآنِ)).①

غرض کہ ہرگز یہ بات ذہن میں نہ آئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابی رضی اللہ عنہ کے سامنے پڑھنے کا حکم تعلیم اور سیکھنے کی غرض سے ہوا تھا۔ چنانچہ مشہور محقق علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اسی خطرناک بات پر تنبیہ اور نشاندہی کرتے ہوئے رقم فرماتے ہیں:

((قَرَاَهَا عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قِرَاءَةَ اِبْلَاغٍ وَ تَثْبِيْتٍ وَاِنْذَارٍ وَ لَا قِرَاءَةَ تَعَلُّمٍ وَاسْتِذْكَارٍ)).②

"کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے محض اس سورہ کو پڑھانے اور ان کے دل میں بٹھانے اور خوفِ خدا پیدا کرنے کے لئے پڑھا تھا، نہ کہ ان سے تعلیم حاصل کرنے اور یاد کرنے کے لئے پڑھا تھا۔"

غالباً یہ حکم اس لئے ہوا تھا کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے ایک صاحب کو اپنی قرأت کے علاوہ کسی اور قرأت پر قرآن پڑھتے ہوئے سنا، تو برداشت نہ کر سکے اور ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

---

① فتح الباری ۷/۵۰۵

② تفسیر القرآن الکریم لابن کثیر ٤/٤٨٩، دیکھئے: البدایہ والنہایہ ۵/۲۸۵

کی خدمت میں پکڑ لائے، نبی ﷺ نے دونوں ہی حضرات کی قرأت سننے کے بعد دونوں ہی قرأتوں کو درست قرار دیا، اور فرمایا کہ قرآن کریم سات حروف [1] پر نازل ہوا ہے، حضرت ابی کہتے ہیں کہ میرے دل میں شک پیدا ہوا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ پھر نبی ﷺ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور میرے تمام تر شک وشبہ جاتا رہا، پھر آپ نے اس سورۃ کی تلاوت کر کے آپ کو سنائی تا کہ قرآن کریم کی حقانیت وصداقت آپ رضی اللہ عنہ کے دل میں بیٹھ جائے۔ [2]

اب خواہ آپ رضی اللہ عنہ کو پڑھ کر سنانے کا حکم خداوندی جس مقصد کے لئے ہو اتنی بات واضح ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا مرتبہ ومقام اللہ اور رسول کی نظر میں بہت بڑا تھا تبھی تو آپ کے نام ونسب کے ساتھ یہ حکم ہوا۔ واللہ اعلم بالصواب

حفظ قرآن:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ان مبارک اور خوش نصیب لوگوں میں ایک ہیں، جن کو نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ ہی میں قرآن کریم کے حفظ کا شرف حاصل ہوا۔ اور کیا خوب حسن اتفاق ہے کہ جن چار حضرات کو عہد رسالت میں ہی قرآن کریم کو اپنے سینوں میں محفوظ کرنے کا شرف حاصل ہے، وہ تمام ہی حضرات آپ رضی اللہ عنہ ہی کے قبیلہ یعنی انصار سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((جَمَعَ الْقُرْآنَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَرْبَعَةٌ كُلُّهُمْ مِنَ الْاَنْصَارِ، مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَاُبَيُّ بْنِ كَعْبٍ، وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَاَبُوْ زَيْدٍ[a] رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ)). [1]

"نبی ﷺ کے زمانے میں چار لوگوں نے قرآن کریم کا حفظ مکمل کیا اور یہ تمام حضرات انصاری تھے اور وہ معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت اور

---

① سات حروف (یعنی حروف سبعہ) کے لئے ملاحظہ ہو ہمارا باب حروف سبعہ کی بحث (عارفی)

② تفسیر ابن کثیر ٤/٤٨٩، دیکھئے: البداية والنهاية ٥/٢٩٥

[a] ابوزید آپ کا نام عمر بن انس بن مالک تھا۔ (البدایہ والنہایہ ٧/٩٧)

① مسلم رقم الحدیث ٢٤٦٥، دیکھئے: بخاری رقم ٥٠٠٣، ترمذی رقم ٣٧٩٤

ابوزید (عمرو بن انس بن مالک) رضی اللہ عنہم ہیں۔"

ایک شبہ کا ازالہ:

لیکن اس روایت سے یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہیے کہ ان چار صحابیوں کے علاوہ اور صحابی نہیں، جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ حیات میں قرآن کریم کا حفظ کیا۔ کیونکہ کسی چیز کا ذکر نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کا وجود نہیں، اور جب آج دین سے دُوری اور قرآن کریم سے بے رغبتی کے باوجود ہر گاؤں اور ہر شہر میں سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں حفاظ موجود ہیں تو یہ پھر کیسے ممکن ہے کہ ایمان کی بادِ بہاری چل رہی ہو اور علم و عمل اور دین کے میدان میں مسابقہ ہو رہا ہو اور صحابہ میں صرف چار حافظ ہوں، مشہور و معروف محقق اور محدث علامہ نووی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی بڑی نفیس توجیہ علامہ مازری رحمہ اللہ کے حوالہ سے نقل کی ہے:

((اِنَّهُ لَيْسَ فِيْهِ تَصْرِيْحٌ بِاَنَّ غَيْرَ الْاَرْبَعَةِ لَمْ يَجْمَعْهُ فَقَدْ يَكُوْنُ مُرَادُهُ الَّذِيْنَ عَلِمَهُمْ مِنَ الْاَنْصَارِ اَرْبَعَةٌ)).[1]

"اس حدیث میں یہ صراحت کہاں ہے کہ ان چار حضرات کے علاوہ دوسروں نے قرآن کریم کا حفظ نہ کیا، تو ان کی مراد یہ ہے کہ ان کے علم کے مطابق انصار میں سے انہیں چار حضرات نے حفظ کیا ہے۔"

غرض کہ یہ ناممکن سی بات ہے کہ صحابہ میں صرف چار حفاظ ہوں، کیونکہ ان حضرات کے علاوہ تقریباً پندرہ حفاظ صحابہ کا ذکر تو خود علامہ مازری نے کیا ہے [2] اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد جنگ یمامہ میں ستر حفاظ اور قراء شہید ہوئے۔ پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں صرف یہی چار حافظ قرآن تھے، جبکہ اس روایت میں حضرت ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم جیسے کبار صحابہ کا ذکر نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ نووی رقم فرماتے ہیں:

((وَثَبَتَ فِي الصَّحِيْحِ اَنَّهُ قُتِلَ يَوْمَ الْيَمَامَةِ سَبْعُوْنَ مِمَّنْ جَمَعَ الْقُرْآنَ وَ

---

① صحیح مسلم بشرح النووی ۱۹/۱٦، ط: مکتبہ غزالی دمشق

② مسلم مع شرح النووی ۱۹/۱٦

كَانَتِ الْيَمَامَةُ قَرِيْبًا مِنْ وَفَاةِ النَّبِيِّ ﷺ فَهٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا مِنْ جَامِعِيْهِ يَوْمَئِذٍ...... وَلَمْ يُذْكَرْ فِيْ هٰؤُلَاءِ الْاَرْبَعَةِ اَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ وَ عُثْمَانُ وَ عَلِيٌّ وَ نَحْوُهُمْ مِنْ كِبَارِ الصَّحَابَةِ الَّذِيْنَ يَبْعُدُ كُلَّ الْبُعْدِ أَنَّهُمْ لَمْ يَجْمَعُوْهُ مَعَ كَثْرَةِ رَغْبَتِهِمْ فِي الْخَيْرِ وَ حِرْصِهِمْ عَلٰى مَادُوْنَ ذَالِكَ مِنَ الطَّاعَاتِ وَ كَيْفَ نَظُنُّ بِهِمْ)).[1]

روایات

غالباً قرآن کریم سے بے پناہ رغبت اور دلچسپی اور علم قرآن میں اپنے کو مشغول رکھنے اور اپنے کو ڈبو دینے کی وجہ سے نبی اقدس ﷺ کی صحبت میں دن رات چمٹے رہنے کے باوجود آپ کی مرویات کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے، تاہم آپ رضی اللہ عنہ کا شمار مقسطین[2] صحابہ میں ہوتا ہے، یا ممکن ہے کہ آپ نے بھی دیگر صحابہ کی طرح

((مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ)).

کی وعید کی وجہ سے کثرت روایت سے اجتناب کیا ہو کہ مبادا روایت حدیث میں کوئی غلطی نہ ہو جائے، اور میری دُنیا وآخرت تباہ ہو جائے، حضرت بقی بن مخلد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سو چوسٹھ روایتیں آپ سے نقل کی ہیں، جن میں بعض روایتیں تو متفق علیہ ہیں، اور تین روایتیں ایسی ہیں جس کو صرف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے، جبکہ سات روایتیں ایسی ہیں جس کی تخریج صرف امام مسلم نے کی ہے۔[3] مسلم و بخاری کے علاوہ صحاح ستہ کی دیگر کتابوں میں تقریباً سات روایتیں آپ سے مروی ہیں۔[4]

آپ کے فتاوے

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں اپنے علم وفقہ کی وجہ سے ممتاز اور بلند مقام رکھتے تھے، اور اپنی علمی شان اور تبحر علمی کی وجہ سے یکتا تھے۔ مفتیان صحابہ رضی اللہ عنہم کی

---

① مسلم بشرح النووی ۱۶/۱۹

② مقسطین ان صحابہ کو کہتے ہیں جن سے ہزار سے کم لیکن سو یا اس سے زیادہ روایتیں مروی ہیں۔

③، ④ سیر اعلام النبلاء ۲۵۱۔

انتہائی مختصر اور چھوٹی سی چھ مفتیان کرام کی فہرست میں ایک آپ رضی اللہ عنہ کا نام بھی شامل ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں:

((عَدَّهُ مَسْرُوقٌ فِي السِّتَّةِ مِنْ أَصْحَابِ الْفُتْيَا)).[1]

"حضرت مسروق نے آپ کو چھ اصحاب فتویٰ میں شمار کیا ہے۔"

لیکن اپنی تمام علمی شان و مرتبہ اور تبحر فقہی کے باوجود آپ کے فتویٰ کی تعداد صرف دو یا تین ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن حزم فرماتے ہیں:

((وَ فِي الصَّحَابَةِ نَحْوُ مِائَةٍ وَ عِشْرِيْنَ مَقْلُوْنٌ فِي الْفُتْيَا جِدًّا لَا تُرْوَى عَنِ الْوَاحِدِ مِنْهُمْ إِلَّا الْمَسْأَلَةُ وَالْمَسْأَلَتَانِ وَالثَّلَاثُ كَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَ أَبِي الدَّرْدَاءِ وَ أَبِي طَلْحَةَ وَالْمِقْدَادِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَ يُمْكِنُ أَنْ يُجْمَعَ مِنْ فُتْيَا جَمِيْعِهِمْ بَعْدَ الْبَحْثِ جُزْءٌ صَغِيْرٌ)).[2]

"حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں تقریباً ایک سو بیس ایسے حضرات ہیں جن کے فتووں کی تعداد بہت ہی کم ہے اور ان میں سے ہر ایک صحابی کے ایک دو یا تین فتوے منقول ہیں، جیسے حضرت ابی بن کعب، حضرت ابو درداء، حضرت ابوطلحہ اور مقداد رضی اللہ عنہم، تلاش و جستجو کے بعد ان تمام حضرات کے فتاوے ایک چھوٹی سی کتاب کی شکل میں جمع کئے جاسکتے ہیں۔"

فخرِ قوم

یوں تو ہر دن ہر روز ہر گاؤں ہر شہر میں کوئی نہ کوئی پیدا ہوتا ہے اور ہر خاندان ہر قبیلہ میں کوئی نہ کوئی جنم لیتا ہے، لیکن ایسے کم ہی لوگ ہوتے ہیں، جن پر ان کے خاندان اور ان کی قوم کو فخر ہو اور وہ ان پر ناز کرے۔ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی ان ہی نابغہ روزگار اور عظیم لوگوں میں ایک ہیں، جن پر ان کے قبیلہ خزرج کو ناز تھا، اور آپ کا نام آتے ہی خزرج والے اپنا سر اونچا کر لیتے، اور وہ "اوس" پر اپنی بڑائی اور بلندی جتلانے کے لئے کہا

---

① الاصابة فی تمییز الصحابة ۳۲/۱، نیز دیکھئے: ۵۴۴/۱

② فتح المغیث للسخاوی ۱۰۷/۲، دیکھئے: اسد الغابة ۸۸۱

کرتے تھے، اور انہیں بجا طور پر یہ کہنے کا حق تھا:

((مِنَّا اَرْبَعَةٌ : جَمَعُوا الْقُرْآنَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اُبَیٌّ، زَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ، مُعَاذٌ، وَ اَبُوْزَیْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ)).[1]

یقیناً وہ چار یگانہ و یکتا ہستیاں جن پر خزرج کو فخر اور ناز تھا، صرف خزرج ہی کیا پوری امت ان پر ناز اور فخر کرے تو بجا ہے اور انہیں حق ہے، کیونکہ کیا آسمان دُنیا نے اُمتِ محمدیہ کے علاوہ دوسری اُمتوں میں ایسے نفوس قدسیہ کو دیکھا ہے؟ اور بتاؤ تو کب کس قوم، کس قبیلہ، کس ملک اور کس سرزمین نے ایسے ملکوتی صفت اور فرشتہ خصلت انسان پیدا کئے ہیں؟ رضوان اللہ علیہم اجمعین

تمہیں علم وفن مبارک ہو

اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ آخر وہ قبیلہ جس میں آپ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے آپ پر اور آپ کے علم وفن پر کیوں نازاں و فرحاں نہ ہو اور آپ کی قوم آپ پر کیوں نہ فخر کرے جب کہ خود وہ ذات مبارک جس کو پہلوں ہی کی طرح پچھلوں کا بھی علم دیا گیا۔ اور اس کے ذکر اور چرچا کو بلند و بالا کیا گیا[2] اسی نبی برحق ﷺ نے آپ کی کثرت معلومات اور کمال علم کو دیکھ کر آپ کو علم وفن پر مبارک دی کہ

((لِيَهْنِيكَ الْعِلْمُ يَا اَبَا الْمُنْذِرِ)).[3]

"اے ابو منذر (حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی کنیت) آپ کو علم مبارک ہو۔"

نبی کریم ﷺ کی اس واضح ترین شہادت اور سند کے بعد بھی کیا کوئی شک کرسکتا ہے آپ کے کمال علم وفن، بلندی مرتبہ اور علوشان پر۔ چنانچہ مشہور شافعی امام حضرت نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تشریح میں رقم فرماتے ہیں:

---

① البدایة والنهایة ۵۱/۷

② اشارہ ہے آیت کریمہ ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝﴾ (الم نشرح: ۴)

③ مسلم ۲۷۱/۱، باب فضل سورة الكهف وآية الكرسي، دیکھئے: ابوداؤد، باب ماجاء فی آیة الکرسی رقم الحدیث ۱۴۶۰، سیر اعلام النبلاء ۳۰/۲۴۴

((فِيهِ مَنْقَبَةٌ عَظِيمَةٌ لِأُبَيٍّ وَ دَلِيلٌ عَلَى كَثْرَةِ عِلْمِهِ)). ①

"اس حدیث میں حضرت ابی کی بہت بڑی فضیلت ہے اور یہ حدیث آپ کے کثرت علم پر دلیل ہے۔"

آپ کے تلامذہ ؓ

کیا ممکن ہے کہ جس ذات کو خود نبی ﷺ نے ان کے علم پر مبارک باد دی اور انہیں خدا کی کتاب کی کتابت اور تحریر کے لئے منتخب فرمایا، اور سب سے بڑھ کر انہیں کتاب اللہ کا سب سے بڑا قاری اور عالم ہونے کی سند عطا فرمائی، ان سے حضرات صحابہ اور دیگر اہل علم استفادہ نہ کرتے، ان سے شرف تلمذ اور شاگردی حاصل نہ کرتے، اور ان سے کسب فیض میں کوتاہی کرتے، چنانچہ صحابہ کرام کی بڑی تعداد نے آپ سے کسب فیض کیا، جن میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد امت میں سب سے افضل ہیں) بھی شامل ہیں، انہوں نے بھی آپ سے روایت کی ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت انس بن مالک، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوموسیٰ الاشعری، حضرت ابوایوب انصاری، سلمان بن صرد اور سہل بن سعد جیسے کبار اہل علم نے آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

((رَوَى عَنْهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، وَ أَبُو أَيُّوبَ، وَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ وَ سُلَيْمَانُ بْنِ صُرَدٍ، وَ سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ، وَ أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ، وَ ابْنُ عَبَّاسٍ، وَ أَبُو هُرَيْرَةَ، وَ جَمَاعَةٌ مِنْهُمْ)). ②

جب کہ حضرات تابعین میں بھی آپ کے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے جن میں سے آپ کے صاحبزادے محمد، طفیل اور عبداللہ کے علاوہ ابوالعالیہ، ابوادریس خولانی، عبدالرحمٰن بن حارث اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رحمہم اللہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ③

---

① الکامل علی المسلم ۲۷۱/۱

② تہذیب التہذیب ۱۲۱/۱

③ سیر اعلام النبلاء ۲۴۳/۳

کتابت وحی

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قسمت کا ستارہ اس وقت چمک اٹھا، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم نے قرآن کریم کی کتابت اور وحی الٰہی کو ضبطِ قلم کرنے کے لئے مدینہ آتے ہی اپنے جانثاروں میں سے آپ کو منتخب فرمایا۔ اور آپ کو یہ اعزاز و اکرام اور شرف حاصل ہوا کہ انصار میں سب سے پہلے اللہ کی کتاب کی کتابت فرمائی۔ چنانچہ امام ابن ابی حثمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((هُوَ اَوَّلُ مَنْ كَتَبَ الْوَحْيَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ)). ①

"کہ آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سب سے پہلے وحی کی کتابت فرمائی۔"

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (جنہیں کاتبینِ وحی) میں سب سے زیادہ کتابت وحی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط لکھنے کا موقع ملا۔ ان سے پہلے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ "کتابتِ وحی" کے فرائض انجام دیا کرتے تھے۔

((وَ كَانَ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ مِمَّنْ كَتَبَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْوَحْيَ قَبْلَ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رضی اللہ عنہ وَ مَعَهٗ اَيْضًا وَ كَانَ زَيْدٌ اَلْزَمَ الصَّحَابَةِ لِكِتَابَةِ الْوَحْيِ وَ كَانَ يَكْتُبُ كَثِيْرًا مِنَ الرَّسَائِلِ)). ②

اور علامہ ابن اثیر جزری رحمہ اللہ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ آپ کی عدم موجودگی اور غیاب ہی میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کتابت وحی کے فرائض انجام دیتے تھے:

((وَاِذَا لَمْ يَحْضُرْ اُبَيٌّ كَتَبَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ رضی اللہ عنہ)). ③

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سکریٹری کے فرائض

ابھی آپ پڑھ آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو علم و ہنر اور فقہ و فن کے خزانہ سے وافر مقدار میں دولت عطا کی تھی۔ اور خود نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو آپ

---

① البداية والنهاية ٥/٣٩٦، دیکھئے: الاستيعاب مع الاصابة ١/٢٩١، اسد الغابة ١/١٧٠

② الاستيعاب مع الاصابة ١/٢٩١، اسد الغابة ١/١٧٠، البداية والنهاية ٥/٣٩٦

③ اسد الغابة ١/١٧٠، دیکھئے: الاستيعاب ١/٢٩

کے علمی کمالات پر مبارک دی۔ آپ رضی اللہ عنہ کی انہیں خوبیوں اور خصوصیات کی وجہ سے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنا پرسنل سیکریٹری نامزد فرمایا۔ جو ایک قابل فخر اعزاز ہے، جس میں چند صحابہ ہی آپ رضی اللہ عنہ کے شریک وسہیم ہیں۔ غرض آپ نے قرآن کریم کی کتابت کے علاوہ خطوط نویسی بھی فرمائی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف خطوط اور نامہ مبارک لکھنے کا شرف آپ کے پاکیزہ قلم کو حاصل ہوا، چنانچہ حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((وَ كَانَ أُبَيٌّ وَ زَيْدٌ يَكْتُبَانِ الْوَحْيَ بَيْنَ يَدَيِ ﷺ وَ يَكْتُبَانِ كُتُبَهُ إِلَى النَّاسِ)).[1]

"کہ حضرت ابی اور زید رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وحی لکھتے تھے، اور لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خطوط لکھا کرتے تھے۔"

خطوط نویسی میں ایک نئے طریقہ کی ایجاد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پرسنل سیکریٹری اور کاتب خاص حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے خطوط نویسی کے میدان میں ایک نئے طریقہ کی طرح ڈالی، اور آپ ہی نے سب سے پہلے خط کے آخر میں "راقم" یعنی خط لکھنے والے کا نام لکھنے کا رواج ڈالا۔ چنانچہ علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

((هُوَ أَوَّلُ مَنْ كَتَبَ فِي آخِرِ الْكِتَابِ، وَ كَتَبَ فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ)).

"حضرت ابی رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے خط کے آخر میں یہ لکھا کہ اس خط کو فلاں بن فلاں نے لکھا ہے۔"

آپ کا ایجاد کردہ طریقہ آج بھی رائج ہے، اور آج بھی لوگ اسے اپنائے ہوئے ہیں۔

اُمت کی فکر

ہمارے سیدنا حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو علم کی طرح عبادت سے بھی بڑا شغف اور لگاؤ تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ زہد وتقویٰ عبادت وریاضت میں بھی مقام بلند رکھتے تھے، آپ رضی اللہ عنہ بڑے عبادت گزار تھے، لیکن جب امت کو آپ کی ضرورت محسوس ہوئی اور مسلمان اپنے

---

[1] الاستیعاب ۱/۳۰، دیکھئے: اسد الغابۃ ۱/۱۷۲

معاملات میں آپ کی طرف رجوع کرنے لگے تو آپ نے اپنی عبادت کم کر دی اور لوگوں کے مسائل کے حل کے لئے اپنا قیمتی وقت فارغ کر لیا۔ اور ان کے مسائل کے سلجھانے میں لگ گئے۔ ① چنانچہ حضرت ابو العالیہ کہتے ہیں:

((كَانَ أُبَيٌّ صَاحِبُ عِبَادَةٍ، فَلَمَّا احْتَاجَ النَّاسُ إِلَيْهِ تَرَكَ الْعِبَادَةَ وَ جَلَسَ لِلْقَوْمِ)). ②

"حضرت ابی رضی اللہ عنہ عبادت گزار تھے، لیکن جب لوگوں کو ان کی ضرورت پڑی تو عبادت چھوڑ (کم کر) دی اور قوم کے لئے خود کو فارغ کر لیا۔"

قضاء کی ذمہ داری

حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں جن حضرات کے حصے میں قضاء کا منصب جلیل آیا ان کی تعداد صرف چھ ہے، لیکن اسی مختصری فہرست میں بھی آپ رضی اللہ عنہ کا نام اپنے علم و فضل اور تبحر و تفقہ کی وجہ سے شامل ہے۔ چنانچہ حضرت مسروق فرماتے ہیں:

((كَانَ أَصْحَابُ الْقَضَا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ سِتَّةً : عُمَرُ وَ عَلِيٌّ وَ عَبْدُ اللهِ وَ أُبَيٌّ وَ زَيْدٌ وَ أَبُو مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ)).

"کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں قضات چھ تھے، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ، حضرت ابی، حضرت زید اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم۔"

اب بہادری کے کچھ تذکرے

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہر میدان میں ممتاز اور نمایاں نظر آتے ہیں، خواہ وہ علم و فن اور فقہ و فتاوی کا میدان ہو یا معرکہ تیر و تفنگ اور میدان کارزار ہو، ہر میدان میں آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے جوہر دکھائے اور زندہ اور تابندہ نقوش چھوڑے تمام غزوات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

---

① اس روایت میں ایک راوی اصرم بن حوشب ہیں، جو قابل اعتبار نہیں، کیونکہ حضرت یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے کذاب خبیث یعنی جھوٹا خبیث کہا ہے، جبکہ امام بخاری، مسلم، نسائی رحمہم اللہ نے انہیں متروک الحدیث قرار دیا ہے۔ اور امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ان کو منکر الحدیث کہا ہے۔ دیکھئے میزان الاعتدال للذہبی رقم ۱۰۱۷۔ اس لئے یہ روایت درست نہیں۔

② سیر اعلام النبلاء ۳۹۹/۱، دیکھئے کنز العمال ۲۶۴/۱۳، رقم: ۳۶۷۷۸

کے ہمرکاب رہے، اور عہد رسالت میں کفر و اسلام کے درمیان ہونے والی تمام جنگوں میں آپ نے اپنی بہادری و جوانمردی کے جوہر دکھائے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((شَهِدَ بَدْرًا وَالْمَشَاهِدَ كُلَّهَا)). [1]

"کہ آپ نے بدر اور تمام غزوات میں شرکت فرمائی۔"

آپ رضی اللہ عنہ کی ایک انوکھی دعا!

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا سینہ جذبہ جہاد سے معمور اور دل شوق شہادت سے لبریز تھا، غالباً یہی وجہ ہے کہ جب آپ کو معلوم پڑا کہ بیماریوں کے عوض اللہ رب کریم گناہوں کو بخشش دیتا ہے، تو آپ نے ایک انوکھی دعا کی اور اللہ تعالیٰ سے دائمی اور ہمیشہ رہنے والے بخار کی دعا مانگی۔ لیکن اس موقع پر بھی آپ رضی اللہ عنہ نے بطور خاص اپنے رب سے گزارش کی کہ اے اللہ! یہ بخار مجھے جہاد سے نہ روکے۔ چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! أَرَأَيْتَ هٰذِهِ الْأَمْرَاضَ الَّتِيْ تُصِيْبُنَا مَالَنَا فِيْهَا : قَالَ: كَفَّارَاتٌ فَقَالَ أُبَيُّ ابْنُ كَعْبٍ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَإِنْ قَلَّتْ؟ قَالَ: إِنْ شَوْكَةً فَمَا فَوْقَهَا، فَدَعَا أُبَيٌّ أَنْ لَّا يُفَارِقَهُ الْوَعْكُ حَتّٰى يَمُوْتَ وَأَنْ لَّا يَشْغَلَهُ مِنْ حَجٍّ وَلَا عُمْرَةٍ وَلَا جِهَادٍ، وَلَا صَلَاةٍ مَكْتُوْبَةٍ فِيْ جَمَاعَةٍ، فَمَا مَسَّ الْإِنْسَانُ جَسَدَهُ إِلَّا وَجَدَ حَرَّهُ حَتّٰى مَاتَ)). [2]

"کہ ایک مسلمان آدمی نے نبی ﷺ سے دریافت کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمیں جو بیماریاں ہوتی ہیں اس میں ہمیں کیا اجر ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بیماریاں گناہوں کا کفارہ بنتی ہیں، حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اگر چہ بیماریاں چھوٹی ہوں؟ حضور ﷺ نے فرمایا اگر چہ ایک کانٹا چبھ

---

① اسد الغابۃ ۱/۱۷، دیکھئے: تہذیب التہذیب ۱/۱۲۲

② دار قطنی بحوالہ ۔ الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ ۱/۳۲، دیکھئے: کنز العمال ۱۳/۲۶۳، رقم الحدیث ۳۶۷۷۰، سیر اعلام النبلاء ۳/۲۴۵

جائے، تو حضرت ابی نے اللہ سے دعا کی کہ انہیں زندگی بھر ایسا بخار رہے جو انہیں، حج، عمرہ، جماعت کے ساتھ فرض نماز، اور جہاد سے نہ روکے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جب بھی کوئی آدمی انہیں چھوتا تو بخار کی حرارت محسوس ہوتی حتیٰ کہ آپ کی وفات ہوگئی۔"

غرض کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے جب گناہوں کی بخشش اور مغفرت کی لالچ میں دائمی بخار کی انوکھی مانگی، اس وقت بھی آپ "جہاد" کو نہ بھولے اور اپنے رب سے خواہش کی کہ بخار تو دے دیجئے لیکن

((لَا تَمْنَعُنِيْ حُرُوْجًا فِيْ سَبِيْلِكَ)).[1]

"وہ بخار مجھے آپ کی راہ میں جہاد سے نہ روکے۔"

تبرکات نبوی سے محبت ﷺ

کہتے ہیں کہ جس سے محبت ہوتی ہے اس کی ہر چیز محبوب اور پیاری ہوتی ہے اور اس اس کی ہر چھوٹی اور بڑی چیز سے دلی لگاؤ اور قلبی انسیت ہو جاتی ہے، پھر اگر تبرک اس ذات گرامی کا ہو جو کہ محبوب رب العالمین ہے، جس کی محبت جزو ایمان ہے اور جس کا پیار اللہ کا پیار ہے، بھلا بتایئے کہ اس ذاتِ گرامی ﷺ کے تبرکات و آثار کون سنبھال کر نہیں رکھے گا؟ اور پھر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ جیسے عظیم المرتبت اور جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ جس نے عشق نبوی ﷺ میں تپ کر اپنی زندگی گزاری ہو اسے اگر کوئی چیز مل جائے جس کو آپ ﷺ کی نسبت رہی ہو تو وہ کیوں نہ اس کو سنبھال کر رکھے۔ واقعہ یوں ہے کہ:

"آپ ﷺ تین سیڑیوں والے منبر بننے سے پہلے ایک لکڑی کے ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے لیکن جب منبر تیار ہوگیا تو آپ نے اس ستون کو چھوڑ دیا اور لکڑی کے منبر پر خطبہ دینے لگے، یہ ستون اتنا بڑا صدمہ برداشت نہ کر سکا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ جب نبی ﷺ نے اس لکڑی کے رونے کی آواز سنی تو اس پر ہاتھ پھیر دیا اور لکڑی خاموش ہوگئی، اور اس کی تسلی ہوگئی،

① کنز العمال ۱۳/۲۶۳، رقم الحدیث ۳۶۷۷

بعد کو جب مسجد نبوی تعمیر نو کے لئے منہدم کی گئی تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اس ستون کو اپنے پاس محفوظ کرلیا، پھر بعد کو یہ لکڑی سڑ گئی۔"

وَ كَانَ عِنْدَهُ حَتّٰى بَلِيَ وَ اَكَلَتْهُ الْاَرَضَةُ وَ عَادَ رُفَاتًا)).①

"وہ لکڑی حضرت ابی کے پاس رہی پھر اسے دیمک نے چاٹ کر کھالیا اور لکڑی سڑ کر ختم ہوگئی۔"

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ عہد فاروقی میں:

امیر المؤمنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا بہت ہی احترام واکرام اور آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بے پناہ تعظیم وتکریم کا معاملہ کرتے تھے۔ آپ کے علمی مقام ومرتبہ کے نہ صرف معترف اور قائل تھے بلکہ آپ کے علمی کمالات اور علم قرآن پر آپ کے عبور کا برملا اظہار بھی فرماتے تھے۔ چنانچہ مقام جابیہ پر آپ نے اپنے تاریخی خطبہ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے علم قرآن پر دسترس اور مہارت کا برسر عام اعتراف اور اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

((مَنْ أَرَادَ أَنْ يَسْأَلَ عَنِ الْقُرْآنِ فَلْيَأْتِ اُبَيًّا ابْنَ كَعْبٍ)).②

"کہ جسے قرآن کے متعلق پوچھنا ہو، وہ ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس جائے۔"

اتنے ہی پر بس نہیں بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے تبحر علمی اور علوشان کی وجہ سے آپ کو "سید المسلمین" کے نام سے یاد فرمایا کرتے تھے۔③ چنانچہ حضرت ابونضرہ کا بیان ہے:

((رَجُلٌ مِنَّا يُقَالُ لَهُ جَابِرٌ اَوْ جُوَيْبِرٌ قَالَ: اَتَيْتُ عُمَرَ وَ قَدْ اُعْطِيْتُ مَنْطِقًا فَاَخَذْتُ فِي الدُّنْيَا، فَصَغَّرْتُهَا فَتَرَكْتُهَا لَا تُسَوِّيْ شَيْئًا، وَاِلٰى جَنْبِهٖ رَجُلٌ اَبْيَضُ الرَّاْسِ وَاللِّحْيَةِ وَالثِّيَابِ، فَقَالَ: كُلُّ قَوْلِكَ مُقَارِبٌ اِلَّا وُقُوْعَهَا فِي الدُّنْيَا، هَلْ تَدْرِيْ مَا الدُّنْيَا فِيْهَا بَلَاغُنَا اَوْ قَالَ زَادُنَا، اِلَى الْاٰخِرَةِ، وَ فِيْهَا اَعْمَالُنَا الَّتِيْ نُجْزٰى بِهَا قُلْتُ مَنْ هٰذَا

---

① البداية والنهاية ٦/١٣١ ② سیر اعلام النبلاء ٣/٢٤٦

③ اسد الغابة ١/١٦٩

یَا أَمِیرَ الْمُؤْمِنِینَ! قَالَ: هٰذَا سَیِّدُ الْمُسْلِمِینَ أُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ رضی اللہ عنہ))۔[1]

"ہمارے درمیان ایک آدمی جابر یا جویبر کے نام سے جانے جاتے ہیں، انہوں نے بتلایا کہ ایک مرتبہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے گفتگو شروع کی اور دُنیا کو آڑے ہاتھ لیا، اور میں نے دُنیا کو تمام چیزوں سے کمتر اور حقیر بتلایا وہاں حضرت ہی کے بازو میں ایک سفید پوش سفید بالوں اور سفید داڑھی والے آدمی تشریف فرما تھے، میری گفتگو سن کر انہوں نے فرمایا: کہ تمہاری باتیں صحیح ہیں لیکن اس طرح تمہارا دُنیا کو آڑے ہاتھ لینا درست نہیں، تمہیں معلوم ہے کہ دُنیا کیا ہے؟ سنو! دُنیا ہی ہمارے لئے آخرت کی امتحان گاہ ہے اور دُنیا دار العمل ہے، جس کا بدلہ ہمیں آخرت میں ملے گا۔ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا امیر المؤمنین یہ کون صاحب ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ مسلمانوں کے سردار (سید المسلمین) ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں۔"

قرآن پر مہارت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اعتراف

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نہ صرف حضرت ابی رضی اللہ عنہ کے علم وفضل کے معترف تھے بلکہ آپ نے اس اعتراف میں انہیں علم قرآن کی اپنے علم کے مطابق اشاعت وترویج اور تعلیم کی کھلی اجازت دے رکھی تھی۔ امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت ادریس خولانی کی روایت خود حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ ایک موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

أَنْتَ رَجُلٌ عِنْدَكَ عِلْمٌ وَ قُرْآنٌ فَاقْرَأْ وَعَلِّمْ مِمَّا عَلَّمَكَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَ رَسُوْلُهٗ))۔[2]

"کہ آپ علم قرآن کے ماہر آدمی ہیں، تو آپ پڑھئے اور جیسے اللہ اور اللہ کے

---

[1] طبقات ابن سعد ۳/۶۰

[2] نسائی بحوالہ تفسیر ابن کثیر ۴/۱۷۵، تفسیر سورۂ فتح آیت ۲۷، دیکھئے: الدر المنثور للسیوطی ۶/۷۹، سیر اعلام النبلاء ۴/۲۴۸، کنز العمال، رقم الحدیث ۳۶۱۷۴

رسول ﷺ نے تعلیم دی ہے ویسے ہی آپ بھی دوسروں کو تعلیم دیجیے۔"

بادل برسا اور آپ نہ بھیگے

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہم لوگوں سے کہا:

((أُخرُجُوا مِنَّا إلى أرضِ قَومِنا، فَخَرَجنا فَكُنتُ أنا وَ أُبَيُّ بنُ كَعبٍ فِي مُؤَخَّرِ النَّاسِ، فَهاجَت سَحابَةٌ، فَقالَ أُبَيٌّ: اَللّٰهُمَّ اصرِف عَنّا أذاها: فَلَحِقناهُم وَ قَد ابتَلَّت رِحالُهُم فَقالَ عُمَرُ: أَما أَصابَكُم الَّذي أَصابَنا؟ قُلتُ: إنَّ أبا مُنذِرٍ دَعا اللهَ أن يَصرِفَ عَنّا أذاها، فَقالَ عُمَرُ: ألا دَعَوتُم لَنا مَعَكَ)).[1]

"کہ ہمارے ساتھ ہماری قوم کی سرزمین (غالباً مکہ) کا سفر کرو، چنانچہ ہم لوگ سفر پر نکلے تو میں (ابن عباس) اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ قافلہ میں سب سے پیچھے تھے کہ بادل برسنے لگا۔ اس وقت حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے دعا کی اے اللہ! اس بادل کی تکلیف سے ہمیں محفوظ رکھیے، پھر ہم دونوں قافلہ سے ملے اور ان کے کجاوے (سامانِ سفر) بھیگ گئے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا وہاں بارش نہیں ہوئی، جبکہ یہاں تو بارش ہوئی ہے۔ میں نے کہا کہ بارش ہوئی، لیکن ابومنذر ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے دعا کی اے اللہ! ہمیں بارش کی تکلیف سے بچالے، اس لئے ہم نہیں بھیگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے ہمارے لئے بھی کیوں دعا نہیں کی، ہم بھی بھیگنے سے بچ جاتے۔"

تراویح کا باضابطہ آغاز اور حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی امامت

نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیس رکعت تراویح کی نماز کسی امام کی اقتداء میں نہ ہوئی، بلکہ رمضان المبارک میں لوگ اکیلے اکیلے یا ایک دو آدمیوں کی

① کتاب مجاب الدعواۃ لابن ابی الدنیا، بحوالہ کنز العمال ۱۳/۲٦٤، رقم الحدیث ۳٦۷۷٤۔ دیکھئے: سیر اعلام النبلاء ۳/۲٤۹

جماعت میں تراویح پڑھا کرتے تھے، چنانچہ ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَالنَّاسُ عَلٰى ذَالِكَ، ثُمَّ كَانَ الْأَمْرُ عَلٰى ذَالِكَ فِيْ خِلَافَةِ أَبِيْ بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا)).①

"کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی اور لوگ اکیلے ہی تراویح کی نماز پڑھتے تھے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کے ابتدائی ایام بھی یہی حالت رہی۔"

بعدکو ۱۴ ہجری میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نماز تراویح پڑھنے والوں کی مختلف ٹولیوں اور جماعتوں کو متحد کر کے ایک جماعت بنائی، اور با جماعت نماز تراویح کا آغاز فرمایا تو ان تمام لوگوں کی امامت کے لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے امامت کے سب سے زیادہ مستحق کتاب اللہ کے سب سے بڑے قاری حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا اور آپ کو تراویح کا امام متعین فرمایا:

((ثُمَّ عَزَمَ وَجَمَعَهُمْ عَلٰى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ)).②

وفات:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی کے زمانہ خلافت میں ۱۹ھ میں علم وفن، فقہ وفتاویٰ اور قرأت کا یہ روشن سورج اپنی کرنیں بکھیرنے کے بعد غروب ہوگیا۔③

﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾

بعض مؤرخوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کی تاریخ ۲۳ اور بعض نے ۳۲ ہجری ذکر کی ہے۔ لیکن پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے۔④

---

① بخاری مع فتح الباری ۷۷۸/۴، رقم الحدیث ۲۰۰۹، باب فضل من قام رمضان، دیکھئے: ترمذی ۱۷۳/۳، رقم الحدیث ۸۰۸۔

② بخاری رقم الحدیث ۲۰۱۰، باب فضل من قام رمضان، دیکھئے: فتح الباری ۷۸۰/۴، معارف السنن ۵۴۳/۵، ط: دیوبند، المغنی لابن قدامہ ۸۰۳/۱، البدایۃ والنہایۃ ۴۸/۷

③ تہذیب التہذیب ۱۲۱/۱، دیکھئے: اسد الغابۃ ۱۷۱/۱، الاستیعاب مع الاصابۃ ۳۰/۱

④ البدایۃ والنہایۃ ۹۹/۷

آپ رضی اللہ عنہ کی وفات پر مدینہ میں سوگ

آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر سنتے ہی پورا مدینہ سوگوار ہو گیا، اور بچہ بچہ رنج وغم کے سمندر میں ڈوب گیا، دیکھنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ علامہ ابن اثیر جزری رضی اللہ عنہ نے حضرت عتی بن ضمرہ رحمہ اللہ سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد مدینہ کے لوگوں کی کیفیت اور حالت نقل کی ہے۔ وہ اپنی آنکھوں دیکھی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

((رَأَیْتُ اَھْلَ الْمَدِیْنَةِ یَمُوْجُوْنَ فِیْ سِکَکِهِمْ فَقُلْتُ: مَاشَانُ هٰؤُلَاءِ؟ فَقَالَ بَعْضُهُمْ مَا اَنْتَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ؟ قُلْتُ: لَا قَالَ: اِنَّهُ قَدْ مَاتَ الْیَوْمَ سَیِّدُ الْمُسْلِمِیْنَ اُبَیُّ بْنِ کَعْبٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ)).[1]

"میں نے مدینہ والوں کو دیکھا کہ وہ اپنی اپنی گلیوں میں بھیڑ لگائے ہوئے ہیں، میں نے پوچھا کیا ماجرا ہے، کیوں اتنی بھیڑ ہے؟ تو ان میں سے ایک صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا آپ اس شہر میں نئے ہیں، میں نے کہا ہاں نیا ہوں، یہاں کا نہیں ہوں، تو انہوں نے بتلایا آج سید المسلمین ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی ہے۔"

غرض کہ آپ رضی اللہ عنہ کی وفات سے اہل مدینہ غم کے سمندر میں ڈوب گئے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ سب کے سب یتیم ہو گئے ہوں۔

آپ رضی اللہ عنہ کی وصیت

حضرت ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے وصیت اور نصیحت کی فرمائش کی تو سید المسلمین امام القراء نے فرمایا:

((اِتَّخِذْ کِتَابَ اللّٰهِ اِمَامًا، وَ ارْضَ بِهٖ قَاضِیًا وَ حَکَمًا، فَاِنَّهُ الَّذِیْ اسْتَخْلَفَ فِیْکُمْ رَسُوْلُکُمْ، شَفِیْعٌ، مُطَاعٌ وَ مُشَاهِدٌ لَایُتَّهَمُ، فِیْهِ ذِکْرُکُمْ وَ ذِکْرُ مَنْ قَبْلَکُمْ وَحُکْمُ مَا بَیْنَکُمْ، وَ خَبَرُکُمْ وَ خَبَرُ مَا بَعْدَکُمْ)).[2]

---

① سیر اعلام النبلاء ۳/ ۲۴۸

② حلیۃ الاولیاء ۳/ ۲۵۳، دیکھئے: سیر اعلام النبلاء ۳/ ۲۴۵

”اللہ کی کتاب کو رہنما بنالو اور اس کتاب سے بحیثیت قاضی اور فیصل کے راضی ہو جاؤ، کیوں کہ یہ وہی کتاب ہے جس کو تمہارے رسول تمہارے لئے چھوڑ گئے ہیں، کتاب اللہ کے حضور سفارش کرنے والی ہے، قابل اتباع اور ایسی شاہد ہے جس پر کوئی تہمت نہیں لگائی جاسکتی ہے، اس کتاب میں تمہارا بھی تذکرہ ہے اور تم سے پہلوں کا بھی چرچا ہے اور اس کی حیثیت تمہارے درمیان فیصل کی ہے، اور اس کتاب میں تمہاری بھی خبر ہے اور تمہارے بعد آنے والوں کی بھی اطلاع ہے۔“

ذرا غور کریں اگر امت مسلمہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اس نصیحت پر عمل پیرا ہو جائے تو کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ پھر اس امت کے ہاتھوں میں اللہ تعالیٰ دُنیا کی امامت و قیادت اور سیادت سپرد نہ کردے۔ اللہ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ

نام ونسب

مشہور صحابی اور خادم رسول ﷺ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اپنی خالہ محترمہ حضرت ام حرام بنت ملحان سے روایت کرتے ہیں:

((قَالَتْ: نَامَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمًا قَرِيبًا ثُمَّ اسْتَيْقَظَ فَتَبَسَّمَ، فَقُلْتُ: مَا أَضْحَكَكَ؟ قَالَ: أُنَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ يَرْكَبُونَ هٰذَا الْبَحْرَ الْأَخْضَرَ كَالْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِرَّةِ، قَالَتْ: فَادْعُ اللّٰهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ فَدَعَا لَهَا: ثُمَّ نَامَ الثَّانِيَةَ فَفَعَلَ مِثْلَهَا فَقَالَتْ: مِثْلَ قَوْلِهَا فَأَجَابَهَا مِثْلَهَا، فَقَالَتْ: اُدْعُ اللّٰهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ، فَقَالَ: أَنْتِ مِنَ الْأَوَّلِينَ، فَخَرَجَتْ مَعَ زَوْجِهَا عُبَادَةَ بْنِ صَامِتٍ غَازِيًا أَوَّلَ مَارَكِبَ الْمُسْلِمُونَ الْبَحْرَ مَعَ مُعَاوِيَةَ)).[1]

"کہ نبی ﷺ ایک دن ان کے پاس ہی سو گئے، پھر آپ مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے، تو میں نے پوچھا حضرت کیوں ہنس رہے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے خواب میں یہ دکھایا گیا کہ میری امت کے کچھ لوگ اس ہرے سمندر میں اس شان سے چل رہے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہوں کے تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں، ام حرام نے عرض کیا کہ اللہ سے دعا فرمادیجئے کہ میں بھی انہیں میں ہو جاؤں تو آپ ﷺ نے ان کے لئے دعا فرمائی، پھر دوبارہ آپ سو گئے، پھر آپ ﷺ مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے، پھر ام حرام نے سبب دریافت کیا اور

---

① بخاری ۱/۹۲، رقم الحدیث ۳۹۱۳۔ باب فضل من یصرع فی سبیل اللّٰہ، رقم الحدیث: ۲۸۹۹، نیز دیکھئے: رقم الحدیث ۲۸۹۵، باب رکوب البحر

آپ نے وہی جواب دیا، پھر ام حرام نے دعا کی درخواست کی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم پہلی جماعت میں ہوگی، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ چنانچہ حضرت ام حرام اپنے شوہر حضرت عبادہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوئیں اور سب سے پہلے مسلمانوں نے بحری جنگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت (خلافت عثمانی) لڑی۔"[1]

نبی اکرم ﷺ کی پیشینگوئی پوری ہوئی جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عہد عثمانی میں سب سے پہلے بحری جنگ کی، ان بحری فوجیوں کے کمانڈر اعلیٰ اور سپریم کمانڈر (Supream Comander) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے، تو ایک حصہ کی قیادت کا شرف حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح بن حارث بن حبیب بن حذافہ بن مالک بن حل بن عامر بن الفہری القرشی کو بھی حاصل ہوا۔[2] حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دودھ شریک بھائی ابویحییٰ عبداللہ بن سعد کی والدہ کا نام مہابۃ بنت جابر تھا۔[3] لیکن بعض حضرات نے ان کی والدہ کا نام اشعریہ ذکر کیا ہے۔[4]

اخلاق وعادات

حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کا شمار بڑے ہی زیرک دانا اور عقل مندوں میں ہوتا ہے اور آپ رضی اللہ عنہ نہایت سخی اور دریالو طبیعت کے آدمی تھے، آپ کی فطرت ہی میں سخاوت اور فیاضی تھی، چنانچہ علامہ ذہبی فرماتے ہیں:

((كَانَ أَحَدُ عُقَلَاءِ الرِّجَالِ وَ أَجْوَدِهِمْ)).[5]

"کہ آپ اہل دانش اور فیاضوں میں سے ایک تھے۔"

کتابتِ وحی

غالباً آپ کے عقل و دانش اور دانائی و زیرکی ہی کی وجہ سے حضور اقدس ﷺ نے

---

① اس واقعہ کی مزید تفصیل آیا چاہتی ہے۔

② الاصابة فی تمییز الصحابة ۲/۳۰۹، دیکھئے: الاستیعاب مع الاصابة ۲/۳۶۷، اسد الغابة ۳/۲۶۰، البدایة والنهایة ۲/۱۵۹

③، ④ حوالہ سابق۔ ⑤ سیر اعلام النبلاء ۴/۲۲۷

آپ رضی اللہ عنہ کو کتابِ الٰہی کی کتابت کے لئے منتخب فرمایا اور قریش میں سب سے پہلے آپ رضی اللہ عنہ ہی کو قرآن کریم کی کتابت اور لکھنے کا شرف حاصل ہوا، علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

((اَوَّلُ مَنْ کَتَبَ مِنْ قُرَیْشٍ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ سَعْدِ بْنِ اَبِی سَرْحٍ)).[1]

ارتداد:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((إِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِیْ فِی الْاِنْسَانِ مَجْرَ الدَّمِ)).

"کہ شیطان انسان کے اندر ایسے دوڑتا ہے جیسے خون رگوں میں دوڑتا رہتا ہے۔"

یہی شیطان لعین جو حضرت انسان کا ازلی اور جانی دشمن ہے، حضرت عبداللہ بن سعد کو بھٹکانے میں کامیاب ہو گیا اور اس نے آپ کے ایمان کو متزلزل اور ڈگمگا دیا اور آپ اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بیزاری کا اعلان کرتے ہوئے مرتد ہو گئے، اور کفار مکہ کے ساتھ جا ملے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((کَانَ ابْنُ اَبِی سَرْحٍ یَکْتُبُ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَاَزَلَّہُ الشَّیْطَانُ فَلَحِقَ بِالْکُفَّارِ)).[2]

"عبداللہ بن سعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے، شیطان نے ان کو بھٹکا دیا اور وہ کفار مکہ سے جا ملے۔"

صرف یہی نہیں ہوا کہ آپ مرتد ہو کر مکہ چلے گئے، بلکہ کفار مکہ کے درمیان یہ جھوٹ اور افواہ پھیلا دی کہ وہ قرآن کریم میں جیسے چاہتے اور جہاں چاہتے تھے رد و بدل اور تبدیلی کر دیتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں جی میں آتا اپنے من کی بات کر کے منوا لیتے تھے اور وہی قرآن میں لکھ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں:

((فَقَالَ لَھُمْ: إِنِّیْ کُنْتُ اُصَرِّفُ مُحَمَّدًا حَیْثُ اُرِیْدُ، کَانَ یُمْلِیْ عَلَیَّ: "عَزِیْزٌ

---

[1] اسد الغابۃ ۱/۱۷۰، دیکھئے: الاستیعاب مع الاصابۃ ۲/۳۶۷، الاصابۃ ۲/۳۰۹، البدایۃ والنہایۃ ۵/۳۰٤

[2] سیر اعلام النبلاء ۲۲۶/٤، دیکھئے: اسد الغابۃ ۳/۲٦۰، الاصابۃ ۲/۳۰۹، البدایۃ والنہایۃ ۵/۳۰٤

حَكِيْمٌ" فَأَقُوْلُ أَوْ "عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ" فَيَقُوْلُ نَعَمْ "كُلٌّ صَوَابٌ")).[①]

"کہ عبداللہ بن سعد نے کفار مکہ سے کہا کہ میں جہاں چاہتا ہوں محمد (ﷺ) کو پھیر دیتا ہوں، انہوں نے مجھے "عزیز حکیم" لکھوایا تو میں نے کہا کیا "علیم حکیم" ہوسکتا ہے تو وہ کہنے لگے، ہاں دونوں صحیح ہیں۔"

انہیں زندہ مت چھوڑنا؟

بالآخر اللہ تعالیٰ نے ۸ ہجری میں اسلام اور مسلمانوں کو وہ عزت و طاقت بخشی اور اپنے حبیب ﷺ کو تمام لوگوں پر غلبہ اور شوکت عطا فرمایا: "مکۃ المکرمہ" فتح ہوا، اور آسمان دنیا نے نبی رحمت ﷺ کی پناہ اور بے حد و حساب بخشش و رحمت کا ایسا منظر دیکھا، جس سے پہلے اسے دیکھنا نصیب نہ ہوا تھا، اور شاید آپ ﷺ کے بعد بھی یہ منظر دیکھنا نصیب نہ ہوگا، ہر طرف الطاف و عنایات اور بخشش اور درگزر کا مینہ برس رہا ہے:

﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾ (یوسف: ۹۲).[②]

کا اعلان عام ہو رہا ہے، اسے بھی پناہ مل رہی ہے جس نے گالی دی، وہ بھی عزت دیا جا رہا ہے جس نے بے عزت کیا، اس کا بھی خون معاف کیا جا رہا ہے، جس نے خون بہایا۔ حتیٰ کہ ابوسفیان (جو اخیر تک مسلمانوں کے دشمن رہے تھے) کی خوشنودی اور دل رکھنے کے لئے یہ اعلان ہو رہا ہے کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کے بھی جرم معاف ہیں۔[③] لیکن اس عنایت و بخشش اور عام معافی سے اگر کسی کے لئے محرومی ہے تو صرف تین آدمی، جن میں ایک سعد بن سرح کے بیٹے عبداللہ بھی ہیں، اور اس رحمت دو عالم ہی کا یہ اعلان ہے انہیں زندہ مت چھوڑنا اگر چہ کعبہ کا غلاف تھامے ہوئے ملیں:

((أَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِقَتْلِهٖ وَ قَتْلِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ خَطَلٍ وَ مَقِيْسِ بْنِ صَبَابَةَ وَلَوْ وُجِدُوْا تَحْتَ أَسْتَارِ الْكَعْبَةِ)).[④]

---

① اسد الغابۃ ۳/۲۶۰، دیکھئے: الاستیعاب مع الاصابۃ ۲/۲۶۷

② زاد المعاد ۱/۲۲٤ ③ السیرۃ النبویۃ ۱/۲۲٤

④ الاستیعاب مع الاصابۃ ۲/۳۶۰، دیکھئے: اسد الغابۃ ۳/۲۶۰، الاصابۃ ۲/۳۰۹، البدایۃ والنہایۃ ۵/۳۰٤

”کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن سعد، عبداللہ بن خطل اور مقیس بن صبابہ کے قتل کا حکم دیا خواہ یہ لوگ کعبہ کے غلاف کے نیچے ہی کیوں نہ ملیں۔“

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پناہ میں؟

اپنی موت کا فرمان سن کر عبداللہ بن سعد کو راہِ فرار اختیار کرنے اور بھاگ جانے ہی میں اپنی نجات سمجھ میں آئی، لیکن بھاگتے بھی کہاں؟ اور کون تھا جو ان حالات میں انہیں پناہ دیتا، پر ایک آدمی ایسا بھی تھا جہاں انہیں پناہ ملنے کی اُمید نظر آئی۔ کیونکہ وہ رحم وکرم اور شرم وحیا کا پتلا ہے، اور انہیں نبی ﷺ کی دامادی کا بھی شرف حاصل ہے، اور چونکہ حضرت سعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دودھ شریک بھائی بھی تھے اس لئے آپ نے بھاگ کر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس پناہ لی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں چھپائے رکھا، اور جب ماحول سازگار ہوا تو نبی رحمت ﷺ کے دربار میں لے کر حاضر ہوئے اور معافی کی سفارش کی۔ چنانچہ ابن اثیر رحمہ اللہ رقم فرماتے ہیں:

((فَفَرَّ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَعْدٍ إِلٰى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ فَغَيَّبَهُ عُثْمَانُ حَتّٰى أَتٰى بِهِ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بَعْدَ مَا اطْمَأَنَّ أَهْلُ مَكَّةَ فَاسْتَأْمَنَهُ لَهُ)).[1]

”کہ عبداللہ بن سعد نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بھاگ کر پناہ لی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں چھپائے رکھا اور جب مکہ کے حالات سازگار ہوئے تو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر حاضر ہوئے اور ان کو امن دینے کی درخواست کی۔“

توبہ؟

لیکن آپ کے مرتد ہو جانے کی وجہ سے نبی رحمت ﷺ آپ سے اتنا خفا اور ناراض تھے کہ آپ کی دلی خواہش تھی کہ آپ کی توبہ قبول نہ کریں اور حضور ﷺ چاہتے تھے کہ انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سفارش کے باوجود قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ امام ابوداؤد کا بیان ہے:

((فَجَاءَ بِهِ حَتّٰى أَوْقَفَهُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! بَايِعْ

[1] اسد الغابة ۳/۲٦۰، دیکھئے: البداية والنهاية ۵/۳۰٤، الاستيعاب ۲/۳٦۸، سير اعلام النبلاء ٤/۲۲٦، السيرة النبوية لابن هشام ٤/۵۸-۵۷

عَبْدَ اللهِ فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَنَظَرَ إِلَيْهِ ثَلَاثًا كُلَّ ذَالِكَ يَأْبَى فَبَايَعَهُ بَعْدَ ثَلَاثٍ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى أَصْحَابِهِ فَقَالَ: أَمَا كَانَ فِيكُمْ رَجُلٌ رَشِيدٌ يَقُومُ إِلَى هٰذَا حِينَ رَآنِي كَفَفْتُ يَدَيَّ عَنْ بَيْعَتِهِ فَيَقْتُلُهُ، فَقَالُوا مَا نَدْرِي يَا رَسُولَ اللهِ ﷺ! مَا فِي نَفْسِكَ أَلَا أَوْمَأْتَ إِلَيْنَا بِعَيْنِهِ قَالَ: إِنَّهُ لَا يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ لَهُ خَائِنَةُ الْأَعْيُنِ))۔[1]

"تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ انہیں (عبداللہ بن سعد) کو لے کر نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور درخواست کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! عبداللہ بن سعد کو بیعت کر لیں، تو آپ ﷺ نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور ان کی طرف تین بار دیکھا اور ہر بار بیعت سے انکار کیا، پھر تین بار کے بعد آپ ﷺ نے بیعت لی، پھر اپنے صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میں کوئی دانا اور سمجھ دار آدمی نہیں ہے، جب تم نے مجھے بیعت لینے سے رکتے ہوئے دیکھا تو کیوں نہ تم میں سے کسی نے اس کی گردن اڑا دی، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کے دل میں کیا ہے، ہم نہ سمجھ سکے آپ نے چشم و ابرو سے اشارہ کیوں نہ فرما دیا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کسی نبی کے لئے مناسب نہیں کہ اس کی آنکھ خیانت کرے۔"

ذرا غور فرمائیں کہ نبی ﷺ کے دل میں شدید ناراضگی ہے اور آپ کی دلی تمنا اور خواہش ہے کہ عبداللہ کو قتل کر دیا جائے، لیکن کیا کیجئے گا ہوتا وہی ہے جو کاتب تقدیر نے لکھ دیا ہے اور اللہ ہی کا چاہا ہوا ہی وجود پاتا ہے، گو کہ نبی ﷺ بڑے خفا تھے، لیکن اللہ کو منظور نہیں تھا کہ جس ہاتھ نے اللہ کے کلام اور قرآن کریم کی کتابت کی وہ جہنم کا ایندھن بنے، شاید یہی توجہ ہے کہ حضرات صحابہ باوجودیکہ بڑے دانا و بینا اور زیرک تھے، لیکن وہ نبی ﷺ کے خاموش الفاظ کو نہ سمجھ سکے۔ مشیت الٰہی، مشیت نبوی ﷺ پر غالب آئی اور حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نبی رحمت کے دربار سے بامراد لوٹے، اور جنت میں داخلہ کی

---

① ابوداؤد ۲/۵۹۹، باب الحکم فی من ارتد، دیکھئے اسد الغابۃ ۳/۲۶۰، الاصابۃ ۳۰۹

سند حاصل کرلی۔ ﴿رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَ رَضِیَ عَنْہُ﴾

اس توبہ کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے دعوت وعزیمت کی ایسی تاریخ رقم کی جو رہتی دُنیا تک باقی رہے گی اور پوری امت کے لئے میل کا پتھر ثابت ہوگی، اور اس توبہ کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی عمل وکردار سے بھری رہی، اور کوئی ایسی چیز پھر سامنے نہ آئی جس سے آپ رضی اللہ عنہ کی نیک نامی کا بٹہ لگے، ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

((اَسْلَمَ ذَالِكَ الْيَوْمَ فَحَسُنَ اِسْلَامُهٗ وَلَمْ يَظْهَرْ مِنْهُ بَعْدَ ذَالِكَ مَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ)).①

”کہ اس دن آپ اسلام لائے اور آپ کا اسلام بہترین رہا اور پھر کوئی ایسی چیز پیش نہ آئی جس کی وجہ سے آپ پر نکیر کی جاسکے۔“

فتح مصر اور آپ کا کارنامہ

عہد فاروقی کی اہم فتوحات میں ایک مصر کی فتح ہے اور اس فتح کا تمام تر سہرا حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے سر ہے، جس پر فوج کشی ابتداءً ۱۸ ہجری اور ۲۰ ہجری یعنی صرف ۲ سال کے عرصہ میں پورا مصر مسلمانوں کے زیر نگیں آ گیا۔ چونکہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اسلام سے قبل تجارت اور کاروبار کے سلسلے میں مصر جایا کرتے تھے، اور اسی زمانہ سے مصر کی زرخیزی اور شادابی آپ کی نظر میں تھی، مصر پر فوج کشی کی ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ مصر کی ”قبطی“ حکومت قیصر روم کے ماتحت تھی اور رومیوں کا ان پر بڑا اثر تھا اور نہایت آسانی کے ساتھ قبطیوں کے ذریعہ شام کے سرحدی علاقہ میں شورش برپا کرسکتے تھے، اس لئے شام کی حفاظت کے لئے مصر کی فتح ضروری تھی۔ یہی وجہ ہے کہ شام کی فتح کے بعد حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مصر پر فوج کشی کی اجازت مانگی۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انکار کیا، تاہم آپ رضی اللہ عنہ کے بار بار اصرار پر اجازت دے دی، اور چار ہزار فوج کا دستہ ان کے ساتھ کردیا۔ چنانچہ بیس ۲۰ ہجری میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر پر فوج کشی کی، اس حملہ آور فوج کے میمنہ کے سردار اور قائد حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ

① اسد الغابۃ ۳/ ۲۶۱، دیکھئے: البدایۃ والنہایۃ ۵/ ۳۰۴

تھے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((وَ كَانَ عَلٰى مَيْمَنَةِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ حِيْنَ افْتَتَحَ عَمْرٌو مِصْرَ سَنَةَ عِشْرِيْنَ فِي الدَّوْلَةِ الْعُمَرِيَّةِ))[1]

”کہ حضرت عبداللہ بن سعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی فوج کے میمنہ کے کمانڈر تھے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۲۰ ہجری میں انہوں نے مصر فتح کیا۔“

غرض کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ عریش[2] کے راستہ فرما پہنچے، یہاں رومی فوجوں سے جنگ ہوئی، جس میں اللہ نے مسلمانوں کو فتح سے سرفراز فرمایا اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ بلبیس وغیرہ فتح کرتے ہوئے فسطاط پہنچ گئے۔[3] جو ان دنوں ”البونہ“ کے نام سے جانا جاتا تھا یہاں کے باشندگان نے شہر کی حفاظت کی غرض سے خندق کھود لی، تاکہ اسلامی فوج خندق کی وجہ سے شہر میں داخل نہ ہوسکے، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جب یہاں کی حالت دیکھی تو ناکہ بندی (محاصرہ) کا حکم دیا اور مسلمانوں نے فسطاط کا محاصرہ کرلیا، ابھی ناکہ بندی شروع ہی ہوئی تھی کہ لگاتار جنگوں سے تھکی اور زخموں سے چور مسلم افواج کو بارہ ہزار تازہ دم فوج کی کمک مل گئی، جس نے مسلم مجاہدین کے جوش و خروش جذبہ جہاد اور شوق شہادت کو اور بھی گرما دیا، اس بٹالین کی کمان حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کر رہے تھے، یہ بارہ ہزار پر مشتمل فوج (بٹالین) میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت مقداد بن الاسود، حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہم جیسے اکابر صحابہ بھی شریک تھے۔[4] یہ ناکہ بندی طویل سے طویل تر ہوتی چلی گئی، جو کفار کے لئے تو جان لیوا تھی ہی مسلمانوں کے لئے بھی پریشان کن اور حوصلہ شکن ثابت ہو رہی تھی کہ پورے سات ماہ بعد ایک دن وہ موقع میسر آ ہی گیا، جو فتح مصر کے لئے کلید ثابت ہوا۔

---

① البداية والنهاية

② مصر کا ایک شہر ہے جس کی تعمیر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کی۔ (دیکھئے: معجم البلدان ۳۸۰)

③ فرما عریش اور فسطاط کے درمیان، مصر کا ایک ساحلی شہر ہے۔ حوالہ سابق ۳۸۰/۶

④ البلاذری ص ۲۱۴-۲۱۵، نیز دیکھئے: الفاروق عمر، از ڈاکٹر ہیکل ۱۱۶/۲، قادة فتح الشام ومصر ص ۱۳۹ از محمود شیت خطاب۔

((فَاسْتَمَرَّ الْحِصَارُ سَبْعَةَ أَشْهُرٍ)).[1]

سیدنا حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر بے پناہ شجاعت و بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا:

((إِنِّيْ أَهِبُ نَفْسِيْ لِلّٰهِ تَعَالٰى فَمَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّبِعَنِيْ فَلْيَفْعَلْ)).[2]

"آج میں اپنے آپ کو اللہ کے لئے وقف کرتا ہوں تم میں سے جو چاہے میرے ساتھ ہو لے۔"

اور قلعہ کی دیوار پر چند جانبازوں کے ساتھ چڑھ گئے، رومی مسلمانوں کی بہادری و جرأت اور تکبیر کے غلغلہ سے اس قدر خائف ہوئے کہ قلعہ کے دروازے کھول دیئے۔[3] پھر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مسلمانوں نے بابلیون کے قلعہ کے علاوہ متعدد شہر اور قلعے فتح کئے۔ اور اس طرح پورے مصر پر اسلامی جھنڈا پوری شان سے لہرانے لگا اور مصریوں کو بندوں کی غلامی سے آزادی، مذہب باطل کے جور و ستم سے رہائی اور دنیا کے فرسودہ اور تباہ حال قانون کی جگہ اسلام کا سایہ عدل و انصاف نصیب ہوا۔[4]

اہلِ نوبہ سے مصالحت

نوبہ جنوبی مصر کا ایک بہت ہی بڑا شہر ہے۔[5] لیکن یہ علاقہ بڑا شورش زدہ تھا، جہاں سے حملہ کا اندیشہ اور خطرہ لگا رہتا تھا۔ اس لئے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر کی حفاظت کو مستحکم بنانے کے لئے اس جنوبی شہر میں فوج کشی کا فیصلہ فرمایا تاکہ یہ سرحدی علاقہ بھی سلطنت اسلامی کے زیرنگیں آ جائے اور کسی طرح کی شورش اور دراندازی کا خطرہ باقی نہ رہے۔ چنانچہ آپ نے حضرت عقبہ بن نافع الفہری کو "نوبہ" پر فوج کشی کے لئے روانہ فرمایا، لیکن اہل "نوبہ" بھی غالباً جنگ کے لئے تیار ہی بیٹھے تھے۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں

---

①، ② حوالہ سابق

③ معجم البلدان ٦/٣٧٨، دیکھئے: البلاذری ص ٣٠٥، فتح مصر والمغرب ص ٩١

④ دیکھئے: الفاروق عمر ٦/١١٦، فتح مصر و شام ٩٤-٩٥، قادۃ فتح الشام و مصر ص ١٤٠-١٣٩

⑤ بلاد واسعة فی جنوب مصر۔ (معجم البلدان ٨/٣٢٢)

کا تیروں کی بارش سے استقبال کیا، اور بڑی بے جگری اور بہادری سے لڑے، اور مسلمانوں کو اُلٹے پاؤں لوٹنے پر مجبور کر دیا، اس معرکہ میں بہت سارے مسلمان زخمی اور شہید ہوئے اس کے باوجود حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ہار نہ مانی اور اہل نوبہ سے برابر چھڑپیں ہوتی رہیں، بعد کو جب عہد عثمانی میں حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو "مصر" کا گورنر بنایا گیا تو انہوں نے اہل نوبہ سے اس شرط پر صلح کی کہ مسلمان انہیں غلہ دیں گے اور اہل "نوبہ" مسلمانوں کو ان غلوں کے عوض غلام دیا کریں گے۔

((فَلَمْ يُصَالِحْهُمْ عَمْرٌو وَ لَمْ يَزَلْ يُهَاجِمُهُمْ بَيْنَ حِيْنٍ وَ آخَرَ، حَتّٰى عُزِلَ عَنْ مِصْرَ وَ وُلِّيَ عَبْدُاللهِ بْنُ سَعْدِ بْنُ اَبِيْ سَرْحٍ فَصَالَحَهُمْ يُعْطِيْهِمُ الْمُسْلِمُوْنَ شَيْئًا مِنَ الْقَمْحِ وَالْعَدَسِ وَالنُّوبِيُّوْنَ رَقِيْقًا)).①

"حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں (اہل نوبہ) سے صلح نہیں کی اور دونوں فوجوں کے درمیان برابر چھڑپیں ہوتی رہیں، یہاں تک کہ جب حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو مصر کی گورنری سے معزول کر دیا گیا اور حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ بن ابی سرح گورنر بنائے گئے تو انہوں نے اہل نوبہ سے اس شرط پر صلح کر لی کہ مسلمان اہل نوبہ کو گیہوں اور دال دیا کریں گے اور اہل نوبہ مسلمانوں کو غلام دیں گے۔"

غرض کہ آپ رضی اللہ عنہ کی مصلحت اور مصالحت پسندی سے روز روز کا یہ کشت وخون بند ہوا اور مصر کے جنوبی علاقہ میں بھی امن وامان قائم ہوسکا۔

مصر کی باگ ڈور

۲۵ ہجری میں اسکندریہ کے لوگوں نے بغاوت کی جسے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے سختی سے کچل دیا، اور اسکندریہ کی بغاوت میں پیش پیش رہنے والے جنگجوؤں کو قتل کر دیا اور بچوں کو غلام بنالیا، امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ان غلاموں کی واپسی کا حکم دیا، جنہیں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے مختلف بستیوں سے

① قادة فتح الشام و مصر ص ۱۴۳، دیکھئے: البلاذری ص ۲۳۹۳۸، فتح مصر والمغرب ۱۵۳-۱۵۲

گرفتار کر کے غلام بنالیا تھا۔ کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نظر میں یہ لوگ باغی نہیں تھے، اور غالباً اس کارروائی کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مصر کی عمارت سے معزول کر دیا۔ چنانچہ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ رقم فرماتے ہیں:

((وُعَزِلَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ وَ وُلِّيَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَعْدِ بْنِ أَبِي سَرْحٍ)).[1]

فتح مصر کے مختلف مہمات میں حضرت عبداللہ بن سعد کی جنگی سوجھ بوجھ اور قائدانہ صلاحیت کھل کر اور نکھر کر سامنے آچکی تھی، اور سیدنا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی دُور رس نگاہوں نے آپ کی بے پناہ قائدانہ صلاحیتوں کو بھانپ لیا تھا۔ لہٰذا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کی لیاقت کا اعتراف آپ کو مصر کا گورنر اور امیر بنا کر کیا۔ اور ۲۵ھ ہجری میں آپ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بعد مصر کی مسند امارت کو عزت بخشی۔

محصول میں اضافہ

حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کے مصر کا گورنر بنتے ہی وہاں کے محصول میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مصر کا کل محصول اور جزیہ (ٹیکس) صرف دو ہزار دینار تھا، جب کہ آپ کے زمانہ عمارت میں یہ رقم بڑھ کر چار ہزار دینار ہوگئی۔ اور مصر سے جزیہ کی شکل میں چار ہزار دینار مدینہ کو ملنے لگا۔ جس کا اعتراف خود امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تھا۔ چنانچہ انہوں نے ایک موقع پر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((إِنَّ اللِّقَاحَ بِمِصْرَ بَعْدَكَ دَرَّتْ أَلْبَانَهَا فَقَالَ عَمْرٌو: ذَاكَ لِأَنَّكُمْ أَوْ جَفْتُمْ أَوْلَادَهَا)).[2]

"کہ تمہارے بعد مصر کی بکریوں نے دودھ کی ندیاں بہادیں، تو حضرت عمرو نے فرمایا یہ اس وجہ سے ممکن ہوا کہ تم نے وہاں کے رہنے والوں کو بھوکوں ماردیا۔"

---

① الاستیعاب ۳۹۴/۱، ط: دائرۃ المعارف دکن ۱۳۱۸ھ، نیز دیکھئے: اسد الغابة ۱۷۳/۳، البداية والنهاية ۳۱۴/۵، قادة فتح مصر والشام ص ۱۴۷

② البلاذری ص ۲۱۷

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ عمرو تمہاری امارت میں تو ٹیکس کی آمدنی بہت کم تھی، لیکن تمہارے بعد وہاں کے محصول میں بہت زیادہ اضافہ ہوا۔

افریقہ کی جنگی مہم اور آپ کا کارنامہ

۲۰ ر ہجری کے اختتام تک پورا مصر اسلام کے نور سے منور ہو چکا تھا، کفر کے بادل چھٹ گئے تھے، اور مصر کے چپہ چپہ نے محمد رسول اللہ ﷺ کا طوقِ غلامی اپنی گردن میں ڈال لیا۔ کفر و شرک اور طاغوت کی بیڑیوں کو توڑ کر آزادی کا ترانہ گنگنانے لگا، غرض مصر کی فتح افریقہ کی فتح کی کلید اور کنجی بنی۔ اور مصر کی فتح نے مسلمانوں کے حوصلہ کو پر لگا دیئے اور مسلم فوج نے ۲۵ ر ہجری میں افریقہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی، اور افریقہ کے بعض سرحدی علاقہ پر اسلام کی عظمت وصداقت کا جھنڈا گاڑ دیا، اور اس فتح سے حوصلہ پا کر حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ سے افریقہ پر باضابطہ فوج کشی کی اجازت طلب فرمائی اور اجازت ملتے ہی افریقہ پر حملہ کی تیاری شروع کر دی۔

فَلَمَّا عَادَ عَبْدُ اللّٰهِ كَتَبَ إِلَى عُثْمَانَ يَسْتَأْذِنُهُ فِي غَزْوَةِ إِفْرِيقَةَ فَأَذِنَ لَهُ)).[1]

فتح افریقہ

ابھی ذکر آیا کہ حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افریقہ پر فوج کشی کی اجازت طلب کی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نہ صرف اجازت دی بلکہ خمس میں سے پانچ فیصد بطور انعام دینے کا وعدہ بھی فرمایا۔ چنانچہ سید احمد بن زینی دحلان رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں:

((أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أَبِي سَرْحٍ اسْتَأْذَنَ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ فِي غَزْوَةِ إِفْرِيقَةَ، فَأَذِنَ لَهُ وَقَالَ: إِنْ فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكَ فَلَكَ مِنَ الْفَيْءِ خُمُسُ الْخُمُسِ)).[2]

---

① الفتوحات الاسلامية بعد مضى الفتوحات النبوية ١/١٦٩، از السید احمد بن زینی دحلان، مفتی مکہ، مکتبہ مصطفیٰ محمد مصر۔

② حوالہ سابق ١/١٧٠

"کہ حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افریقہ پر فوج کشی کی اجازت مانگی، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ کہتے ہوئے اجازت دے دی کہ اگر اللہ نے تمہاری ہی قیادت میں افریقہ میں فتح سے ہمکنار کیا تو تمہیں بطور انعام مال غنیمت کے خمس میں سے پانچ فیصد دیا جائے گا۔"

پھر کیا تھا حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے افریقہ کی جنگی مہم کی تیاری شروع کر دی، اور دربارِ خلافت سے افریقہ کی خطرناک جنگی مہم کے لئے مزید فوج طلب کی، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فوراً اعلیٰ سطحی میٹنگ طلب کی، جس میں اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے شرکت فرمائی اور افریقی مہم کے لئے فوجی قوت میں اضافہ اور مزید فوج بھیجنے کی تجویز منظور کر لی گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن نافع بن عبدالقیس اور عبداللہ بن نافع بن حارث رضی اللہ عنہما کے دستوں کو حکم دیا کہ آ کر عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کی جنگی مہم میں شرکت کریں۔ ادھر خود مدینہ منورہ سے ایک فوجی دستہ جس میں حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبداللہ بن العاص رضی اللہ عنہم جیسے اکابر صحابہ موجود تھے [1] تیار فرما کر روانہ فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کی کمان میں یہ فوج اسلام کا پرچم لہرانے اور اللہ کا دین صحرائے افریقہ میں پھیلانے کا عزم لئے ہوئے نکل کھڑی ہوئی۔ جب حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ "برقہ" پہنچے تو یہیں حضرت عبداللہ بن نافع رضی اللہ عنہ اپنے دستہ کے ساتھ آ ملے۔ [2] یہاں پہنچ کر حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے روم کے ساحلی علاقوں پر حملے کیے، اور افریقہ کی طرف پیش قدمی جاری رکھی، اور ہر چہار جانب اپنے فوجی دستوں کو پھیلا دیا۔

ایک جنگی چال:

ان دنوں ان افریقی علاقوں کا فرمانروا "جرجیر" تھا، جس کی حکومت طرابلس سے طنجہ تک تھی، جرجیر شہنشاہ روم "ہرقل" کا مقرر کردہ والی تھا اور سلطنت روم کو ہر سال خراج ادا کرتا

① اسد الغابة ۱۷۳/۳، دیکھئے: الاستیعاب ۳۹٤/۱

② الفتوحات الاسلامية ۱۷۰/۱، دیکھئے: البداية والنهاية ۳۰٤/٥

تھا، جب "جرجیر" کو حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج کی پیش قدمی کی خبر ملی تو جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ فوج میں نئی بھرتیاں شروع کیں اور ایک لاکھ بیس ہزار گھوڑ سوار فوجیوں کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے نکل پڑا۔ اور دارالحکومت سبیطلہ کے باہر ایک میدان میں مسلم افواج کے سامنے خیمہ زن ہوا، یہاں سبیطلہ کی مسافت ایک دن اور ایک رات تھی، اس نازک وقت میں مسلمانوں کا رابطہ اپنے دارالحکومت سے بالکل ختم ہو چکا تھا، لیکن مسلمان بڑی استقامت اور ثابت قدمی کے ساتھ اپنے دشمن کے مقابلہ میں ڈٹے رہے اور نصرتِ الٰہی کے منتظر دشمنانِ اسلام کے سامنے سینہ سپر رہے۔ روزانہ صبح سے دوپہر تک لڑائیاں ہوتیں اور دوپہر کو زخموں سے چور دونوں ہی فوجیں اپنے اپنے خیموں میں واپس ہو جاتیں۔ یہ جنگ قلتِ فوج کی وجہ سے مسلمانوں کے لئے زیادہ مہلک ثابت ہو رہی تھی کہ اس نازک گھڑی میں اللہ تعالیٰ کی مدد آ پہنچی اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تازہ دم مجاہدین کے ساتھ آ پہنچے۔ جب جرجیر کو اس کمک کی آمد کی اطلاع ہوئی تو اس کے ہوش اڑ گئے "وَفَتَّ ذَالِكَ عَضُدَهٗ"[1] حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے جب جنگ کا یہ ہلاکت خیز منظر دیکھا اور مسلم فوج کے کمانڈر حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو بھی ذرا ملول اور غمگین پایا تو صورتحال دریافت فرمائی کہ آخر کیا ماجرا ہے اور عبداللہ کیوں اتنا غم زدہ ہے؟

((فَقِيْلَ اِنَّهٗ سَمِعَ مُنَادِيْ جِرْجِيْرٍ يَقُوْلُ : مَنْ قَتَلَ عَبْدَاللهِ بْنَ اَبِيْ سَرْحٍ فَلَهٗ مِائَةُ اَلْفِ دِيْنَارٍ وَ اُزَوِّجُهٗ اِبْنَتِيْ وَ هُوَ يَخَافُ عَلٰى جَيْشِ الْمُسْلِمِيْنَ اِنْ قُتِلَ، فَحَضَرَ عِنْدَهٗ عَبْدُاللهِ بْنُ الزُّبَيْرِ وَ قَالَ لَهٗ : تَأْمُرُ مُنَادِيًا يُنَادِيْ مَنْ اَتَانِيْ بِرَأْسِ جِرْجِيْرٍ فَلَهٗ مِائَةُ اَلْفِ دِيْنَارٍ وَ زَوَّجْتُهٗ اِبْنَتَهٗ وَ اسْتَعْمَلْتُهٗ عَلٰى بِلَادِهٖ، فَفَعَلَ فَصَارَ جِرْجِيْرٌ يَخَافُ اَشَدَّ مِنْ عَبْدِاللهِ)).[2]

"حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بتلایا گیا کہ جرجیر نے یہ اعلان کر دیا ہے کہ جو

---

[1]، [2] الفتوحات الاسلامیة ۱/۱۷۱

عبداللہ بن سعد کو قتل کرے گا، اسے ایک لاکھ دینار کے انعام سے نوازا جائے گا اور وہ اس کی اپنی بیٹی سے شادی کر دے گا، اس اعلان کی وجہ سے حضرت عبداللہ ملول ہیں کہ اگر انہیں قتل کر دیا گیا تو مسلم فوج کا کیا ہوگا؟ یہ سب سن کر حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ آپ اعلان کروا دیں کہ جو جرجیر کا سر لائے گا اسے ایک لاکھ دینار کے علاوہ جرجیر کی بیٹی سے اس کی شادی کر دی جائے گی اور اس کو اس ملک کی گورنری سے نوازا جائے گا۔ چنانچہ اس اعلان کے بعد جرجیر حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ سے کہیں زیادہ خوف زدہ ہو گیا۔"

اس جنگی چال کا خاطر خواہ فائدہ ہوا اور پوری رومی فوج میں خوف و ہراس پھیل گیا، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک دوسری جنگی چال اور نئی اسکیم بنائی اور حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ یہ روز کی جنگ اور کشت و خون طول پکڑتی جا رہی ہے ہمارے دشمن اپنے ملک میں ہیں اس لئے ان کے لئے کوئی خاص پریشانی کی بات نہیں ہے، جبکہ ہم لوگ اپنے ملک اور مسلمانوں سے ہزاروں میل فاصلہ پر ہیں، اس لئے میرا خیال ہے کہ:

أَنْ نَتْرُكَ غَدًا جَمَاعَةً صَالِحَةً مِنْ أَبْطَالِ الْمُسْلِمِيْنَ فِيْ خِيَامِهِمْ مُتَأَهِّبِيْنَ وَ نُقَاتِلُ نَحْنُ الرُّوْمَ فِيْ بَاقِي الْعَسْكَرِ إِلَى أَنْ يَضْجَرُوْا أَوْ يَمِلُّوْا، فَإِذَا رَجَعُوْا إِلَى خِيَامِهِمْ وَ رَجَعَ الْمُسْلِمُوْنَ، رَكِبَ مَنْ كَانَ فِي الْخِيَامِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَ لَمْ يَشْهَدُوا الْقِتَالَ وَ هُمْ مُسْتَرِيْحُوْنَ وَ نَقْصِدُهُمْ عَلَى غُرَّةٍ فَلَعَلَّ اللّٰهُ يَنْصُرُنَا عَلَيْهِمْ)).①

"کل ہم کچھ چیندہ نڈر اور بہادر قسم کے مسلمانوں کو اپنے خیمہ میں چھوڑ دیں، جو جنگ کے لئے تیار ہوں اور ہم لوگ باقی فوج کے ساتھ رومیوں کا مقابلہ کریں اور انہیں تھکا کر پریشان کر دیں، جب (حسب معمول) وہ اپنے خیموں میں لوٹ جائیں اور مسلمان بھی لوٹ آئیں تو ان تازہ دم مجاہدین کے ساتھ یکبارگی

① الفتوحات الاسلامیۃ ۱/۱۷۱

ان پر ہلہ بول دیں، ممکن ہے کہ اس ترکیب سے اللہ ہماری مدد کرے اور ہم فتحیاب ہوجائیں۔"

حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے تمام اکابر صحابہ کو جمع کیا اور ان کے سامنے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی یہ تجویز رکھی اور مشورہ طلب کیا تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس تجویز کو پسند فرمایا اور یہ اسکیم باتفاق طے پاگئی۔ اگلے دن مسلمانوں نے اسی اسکیم پر عمل کیا، کچھ چنیدہ اور بہادر مسلمان اپنے خیموں میں تیاری کی حالت میں رہے اور اپنے اپنے گھوڑے وہیں پر باندھ رکھے، اور باقی تمام مجاہدین رومیوں سے جنگ کے لئے نکل گئے اور دوپہر تک انتہائی ہلاکت خیز اور خون ریز جنگ ہوتی رہی، جونہی ظہر کا وقت ہوا رومیوں نے حسبِ معمول اپنے خیموں میں واپسی کی راہ لینی چاہی، لیکن حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے آج ان کی تمام راہیں بند کردیں، انہیں لڑنے پر مجبور کردیا، حملے تیز کردیئے اور جنگ جاری رکھی اور انہیں تھکا مارا۔ جب رومی تھک کر چور ہوگئے تو مسلمانوں نے بھی واپسی کی راہ لی، ابھی رومیوں نے ہتھیار رکھنے کے بعد اپنی سانسیں بھی نہ درست کی تھیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنے ان مجاہدین کے ساتھ جنہوں نے جنگ میں شرکت نہیں کی تھی اور تازہ دم تھے، کسی طوفان بلاخیز اور سیل رواں کی طرح رومیوں پر ٹوٹ پڑے، مجاہدین اسلام کی فلک شگاف تکبیروں نے ان کے ہوش اُڑا دیئے، اس اچانک حملہ کے لئے رومی بالکل ہی تیار نہیں تھے، اس لئے وہ ہتھیار بھی اُٹھا نہ سکے اور مجاہدین ان پر حاوی ہوگئے، رومیوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے خود جرجیر کو قتل کیا اور اس طرح مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح عظیم سے سرفراز فرمایا۔ [1] اعلان کے مطابق حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو ایک لاکھ دینار اور جرجیر کی لڑکی بطور انعام دے دی۔

سبیطلہ کا محاصرہ:

اس فتح کے بعد حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور شہر کا محاصرہ کرلیا اور یہ

---

① الفتوحات اسلامیۃ ۱/۱۷۱، دیکھئے: البدایۃ والنہایۃ ۵/۳۰۴

شہر بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔

مالِ غنیمت:

بلاشبہ یہ ایک بہت بڑی فتح اور عظیم کامیابی تھی، جس نے رومیوں کی کمر توڑ دی، اس فتح نے نہ صرف ان کے حوصلے پست کر دیے، بلکہ مسلمانوں کے سامنے مال و دولت کے ڈھیر لگا دیے، مسلمانوں کو یہاں بے پناہ مالِ غنیمت ہاتھ لگا، ایک ایک سوار کو تین تین ہزار دینار ایک ایک پیادہ کو ایک ایک ہزار دینار حصہ ملا۔ اندازہ کیجئے کہ بیت المال کے حصہ میں کتنا مال آیا ہوگا۔ چنانچہ علامہ ابن اثیر جزری رحمہ اللہ رقم فرماتے ہیں:

((فَتَحَ اللّٰهُ عَلٰى يَدِهٖ اَفْرِيْقَةَ كَانَ فَتْحًا عَظِيْمًا بَلَغَ سَهْمُ الْفَارِسِ ثَلَاثَةَ اٰلَافِ مِثْقَالٍ ذَهَبًا وَ سَهْمُ الرَّاجِلِ اَلْفَ مِثْقَالٍ)).[1]

"اللہ تعالیٰ نے ان (عبداللہ بن سعد) کے ہاتھوں افریقہ کی فتح نصیب فرمائی، یہ ایک عظیم فتح تھی کہ جس میں سواروں کو تین تین ہزار مثقال، جبکہ پیادہ ایک ایک ہزار مثقال حصہ ملا۔"

اس طرح ایک سال تین ماہ کی مسلسل کاوشوں کے بعد افریقہ پر اسلامی جھنڈا لہرانے لگا، اور یہ مہم پوری ہوگئی، جس میں صرف تین مجاہدوں نے جام شہادت نوش فرمایا ان میں مشہور شاعر حضرت ابوذؤیب ہذلی رحمہ اللہ شامل ہیں۔[2] اور اس جنگی مہم کی تکمیل کے بعد حضرت عبداللہ بن سعد ابی سرح رضی اللہ عنہ مصر واپس آ گئے۔[3]

---

(1)، (2)، (3) الفتوحات الاسلامية ۱/۱۷۱

بحری جنگ

فتح قبرص:

پہلے ہی ذکر آچکا ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت اُم حرام رضی اللہ عنہا کے یہاں آرام فرما تھے کہ آپ ﷺ کو خواب میں یہ بشارت ملی کہ آپ ﷺ کی امت کے کچھ لوگ سمندر میں بادشاہوں کی طرح سفر کر رہے ہیں۔ حضور ﷺ جب مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے تو اُم حرام رضی اللہ عنہا نے وجہ دریافت کی اور درخواست کی:

((اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ)).

اور رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ:

((اَنْتِ مِنَ الْاَوَّلِيْنَ)).[1]

"کہ تم پہلی بحری جنگ میں شریک ہوگی۔"

تاریخ اسلام کی پہلی بحری جنگ تھی، جس کی پیشینگوئی آقا ﷺ نے کی تھی اور حضرت اُم حرام رضی اللہ عنہا کو اس غزوہ میں شرکت کی بشارت دی تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیرالمؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے قبرص پر حملہ کی بار بار اجازت چاہی، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بحری جنگ کی ناتجربہ کاری کی وجہ سے اجازت نہیں دی، بعد کو جب سیدنا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اصرار پر اس شرط کے ساتھ اجازت دی کہ:

((لَا تَنْتَخِبِ النَّاسَ وَلَا تَقْرَعْ بَيْنَهُمْ بَلْ خَيِّرْهُمْ فَمَنِ اخْتَارَ الْغَزْوَ طَائِعًا فَاحْمِلْهُ وَأَعِنْهُ فَفَعَلَ)).[2]

---

① بخاری ۱/۹۲-۳۹۱، رقم ۲۷۹۹، نیز دیکھئے: ۲۸۹۵، باب رکوب البحر

② الفتوحات الاسلامیۃ ۱/۱۷۱

”اس بحری جنگ کے لئے تم نہ تو کسی کا انتخاب کرو گے اور نہ ہی قرعہ اندازی کرو گے، بلکہ لوگوں کو اختیار دے دو، جو بخوشی تمہارا ساتھ دینا چاہے اسے ساتھ لے لو اور اس کا تعاون کرو، چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسی حکم پر عمل کیا۔“

دربارِ خلافت سے اجازت ملنے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۲۸ / ہجری میں شام سے قبرس کی طرف کوچ کیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس مہم میں حضرت ابوذر، حضرت ابودرداء اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم جیسے اکابر صحابہ بھی شریک تھے، ادھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شام قبرس پہنچے اور دوسری طرف حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ مصر سے اپنی فوج کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تعاون کے لئے قبرس پہنچے، یہاں مسلمانوں نے ایک خون ریز معرکہ لڑا اور دشمنوں نے قتل وغارت کے بعد ے ہزار دینار جزیہ دینے پر مصالحت کر لی۔ اس طرح تاریخ اسلام کی یہ پہلی بحری مہم نہ صرف کامیاب رہی بلکہ مسلمانوں نے بحری جنگ میں بھی اپنے کمال اور بہادری کا ثبوت پیش کیا، اسی جزیرہ قبرس میں حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا خچر سے گر گئیں ان کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی اور شہید ہو گئیں۔ اس طرح نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی اور دعا پوری ہوئی، جس کی درخواست خود ام حرام رضی اللہ عنہا نے کی تھی، چنانچہ سید احمد زینی بن رحلان رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں:

فِي هٰذِهِ الْغَزْوَةِ مَاتَتْ أُمُّ حَرَامٍ بِنْتُ مَلْحَانَ الْاِنْصَارِيَّةُ ، اَلْقَتْهَا بَغْلَتُهَا بِجَزِيْرَةِ قَبْرَسَ فَانْدَقَّتْ عُنُقُهَا فَمَاتَتْ تَصْدِيْقًا لِلنَّبِيِّ ﷺ حَيْثُ اَخْبَرَهَا اَنَّهَا فِي اَوَّلِ مَنْ يَغْزُوْ فِي الْبَحْرِ)).[1]

”اسی غزوہ میں حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا شہید ہو گئیں وہ جزیرہ قبرس میں اپنے خچر سے گر پڑیں، ان کی گردن ٹوٹ گئی اور وفات پا گئیں اور اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کی تصدیق ہو گئی جس کی اطلاع حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دی تھی کہ تم پہلے بحری غزوہ میں شریک ہوگی۔“

غرض کہ پہلی بحری مہم مسلمانوں نے پوری کامیابی کے ساتھ سر کر لی، جس میں فوج

---

① الفتوحات الاسلامیة ۱/۲۷۴، دیکھئے: البلاذری

کے ایک حصہ کی قیادت حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔

فتح اساود:

افریقی مہم سے فراغت کے بعد حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے اساود پر فوج کشی کی اور اللہ کے دشمنوں کو عبرت ناک شکست دی، جس کے آثار آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ علامہ ابن اثیر جزری رحمہ اللہ کا بیان ہے:

((وَ غَزَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَعْدٍ بَعْدَ اَفْرِیْقَةَ الْاَسَاوِدَ مِنْ اَرْضِ النُّوْبَةِ سَنَةَ اِحْدٰی وَ ثَلَاثِیْنَ هُوَالَّذِیْ هَادَتُهُ اَلْهُدْنَةُ الْبَاقِیَةُ اِلَی الْیَوْمِ)).①

"حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے افریقہ کے بعد ۳۱ ہجری میں مقام نوبہ سے اساود پر حملہ کیا، جس کے آثار آج بھی موجود ہیں۔"

اور ۳۱ ہجری میں ایک اور علاقہ مسلمانوں کے زیر نگیں آ گیا، اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے افریقہ کے بعد اساود میں بھی اسلام کا پرچم لہرا دیا۔ ..

غزوۂ صواری:

افریقہ کی جنگ میں کھلی شکست نے رومیوں کے جذبہ انتقام کو بھڑکا دیا۔ ہرقل کے لڑکے قسطنطین نے مسلمانوں کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاری شروع کر دی اور مسلمانوں کو عبرناک شکست دینے کی غرض سے پانچ یا چھ ہزار بحری بیڑوں اور جنگی جہازوں پر سوار رومیوں کی فوج قسطنطین کی قیادت میں مقابلہ کے لئے نکل پڑی، مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی رومیوں کے مقابلہ کے لئے شام سے کوچ کیا اور دوسری طرف حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ سمندری راستہ سے رومیوں کے سیلاب کو روکنے کے لئے نکل پڑے، چونکہ ہوا مخالف تھی، اس لئے مسلمانوں کو بڑی دقت و پریشانی کا سامنا کرنا پڑا، بعد کو حالات معمولات پر آ گئے۔ مسلمانوں نے اللہ کا شکریہ ادا کیا اور سکون کا سانس لیا۔ جب دونوں فوجیں مدمقابل ہوئیں تو مسلمانوں نے یہ پیشکش کی

---

① اسد الغابة ۳/۱۷، نیز دیکھئے: الاستیعاب ۱/۳۹٤، البداية والنهاية ۵/۳۰٤

کہ آج کی رات ہم ایک دوسرے پر حملہ نہیں کریں گے۔[1] جسے رومیوں نے قبول کر لیا۔ مسلمانوں نے یہ رات اللہ کی تسبیح وتحمید، قرآن کی تلاوت اور دعاؤں وگریہ زاری کرتے ہوئے گزاری، تو رومیوں نے بھی پوری رات ناقوس بجاتے ہوئے عبادت ہی میں گزاری، اگلی صبح دونوں فوجیں جنگ کے لئے تیار ہوئیں، اور انہوں نے اپنے اپنے جنگی بیڑے اور کشتیاں قریب کر لیے، اور کشتیوں کو ایک دوسرے سے باندھ دیا اور انتہائی تباہ کن اور خون ریز جنگ شروع ہوئی، بہادروں نے اپنی اپنی تلواروں کے جوہر دکھائے، تیروں اور خنجروں کے کمالات نے انگشت بدنداں اور حیرت زدہ کر دیا، ایسا کارن پڑا کہ الامان والحفیظ، لیکن کسی کے پائے استقامت میں لغزش نہ آئی اور دونوں فریقوں نے اولوالعزمی اور ثابت قدمی اور دلیری کی ایسی مثال پیش کی کہ ایسا نظارہ تاریخ میں کم ہی دیکھنے کو آیا، لاتعداد کفار واصل جہنم ہوئے تو سینکڑوں مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد آئی اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور قسطنطین زخمی ہو کر "صقلیہ" بھاگ گیا، جہاں وہ قتل کر دیا گیا، رومیوں کو بھی راہِ فرار ہی میں اپنی نجات سمجھ میں آئی اس طرح عیسائیت کا زور ٹوٹ گیا اور کلمہ حق کا بول بالا ہوا۔[2]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف زمین دوز تحریک اور آپؓ کی مدینہ واپسی:

مجاہدین اسلام تو ایک طرف اللہ کے کلمۃ اللہ کی بلندی و برتری اور اسلام کی روشنی کو پھیلانے میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر رہے تھے اور اسلامی سرحد کی وسعت کے لئے اللہ کی راہ میں دن رات قربانیاں دے رہے تھے، کبھی افریقہ کے صحرا میں اپنے گھوڑے دوڑا رہے تھے تو کبھی بحر اخضر کی موجوں سے ٹکرا رہے تھے، اور صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے قتل ہو رہے تھے، اور قتل کر رہے تھے، تو دوسری طرف عبداللہ بن سبا کی زیر زمین تحریک، سلام کی جڑیں کھوکھلی کرنے میں لگی ہوئی تھی، اور ابن سبا (منافق جو پہلے یہودی تھا) کے کارندے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلافت سے بے دخل کرنے کی سازش میں لگے

---

① اسد الغابۃ ۳/ ۱۷، نیز دیکھئے: الاستیعاب ۱/ ۳۹٤، البدایۃ والنہایۃ ۵/ ۳۰٤

② الفتوحات الاسلامیۃ ۱/ ۷٦-۱۷۵، نیز دیکھئے: الاستیعاب ۱/ ۳۹٤، البدایۃ والنہایۃ ۵/ ٤۰۵

ہوئے تھے۔[1]

جب اس کی اطلاع حضرت عبداللہ بن سعد ابی سرح رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو آپ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی مدد کے لئے مدینہ جانے کا ارادہ فرمایا اور حضرت سائب بن ربیعہ العامری کو بارامارت سونپ کر مدینہ منورہ چل پڑے، لیکن بدقسمتی سے ابھی مدینہ پہنچ بھی نہ سکے تھے کہ یہاں مصر میں محمد بن ابی حذیفہ اموی نے بغاوت کر دی اور حضرت سائب بن ربیعہ کو معزول کر کے خود امیر مصر بن بیٹھے، اس بغاوت کی خبر پاتے ہی حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ مصر واپسی کے ارادے سے لوٹ گئے، لیکن محمد بن ابی حذیفہ نے آپ کے "مصر" میں داخلہ پر پابندی عائد کر دی، اور آپ کو فسطاط میں ہی روک دیا۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے سب کچھ تیاگ کر ان فتنوں سے خود کو محفوظ رکھنے کے لئے عسقلان (فلسطین) چلے گئے، اور تاحیات وہیں مقیم رہے۔ اس پورے واقعہ کی تفصیل علامہ ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ سے سنئے:

((وَلَمَّا اخْتَلَفَ النَّاسُ عَلٰى عُثْمَانَ رضي الله عنه سَارَ عَبْدُاللّٰهِ مِنْ مِصْرَ يُرِيْدُ عُثْمَانَ وَاسْتَخْلَفَ عَلٰى مِصْرَ السَّائِبَ بْنُ رَبِيْعَةَ الْعَامِرِيَّ، فَظَهَرَ عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ اَبِيْ حُذَيْفَةَ بْنِ عُتْبَةِ بْنِ رَبِيْعَةِ الْاُمَوِيِّ فَاَزَالَ عَنْهَا السَّائِبَ وَ تَاَمَّرَ عَلٰى مِصْرَ، فَرَجَعَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَعْدٍ فَمَنَعَهُ مُحَمَّدُ بْنُ اَبِيْ حُذَيْفَةَ مِنْ دُخُوْلِ الْفُسْطَاطِ، فَمَضٰى اِلٰى عَسْقَلَانَ فَاَقَامَ بِهَا حَتّٰى قُتِلَ وَ قِيْلَ اَقَامَ بِالرَّمْلَةِ حَتّٰى مَاتَ فَارًّا مِنَ الْفِتْنَةِ)).[2]

"جب لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت شروع کر دی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ مصر سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد کو چل پڑے اور مصر میں سائب بن ربیعہ کو اپنا نائب مقرر کیا، اسی دوران محمد بن ابوحذیفہ سائب کو برخاست کر کے خود مصر کے امیر بن گئے، یہ خبر پا کر حضرت عبداللہ واپس ہوئے، لیکن محمد بن ابی حذیفہ

---

[1] اس واقعہ کی پوری تفصیل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حیات وخدمات کے ذیل میں آئے گی۔

[2] اسد الغابۃ ۳/۱۷۴، دیکھئے: الاستیعاب ۱/۳۹۴

نے انہیں فسطاط میں داخل ہونے سے روک دیا اور آپ فتنہ سے کنارہ کشی اختیار فرماتے ہوئے عسقلان چلے گئے، وہیں تادم حیات مقیم رہے، اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ رملہ چلے گئے اور وہیں تاحیات مقیم رہے۔"

جنگ صفین سے کنارہ کشی:

آخر معاندین اسلام کی سازش کامیاب ہوگئی اور سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے، اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی، لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیعت نہیں کی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور شام میں اپنی آزاد حکومت کا اعلان کر دیا، جس کے نتیجے میں جنگ صفین [1] کا افسوس ناک واقعہ رونما ہوا، اس جنگ میں بہت سے صحابہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف تھے تو کوئی ایک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف۔ لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت ایسی بھی تھی جنہوں نے کسی فریق کا ساتھ نہیں دیا اور اس جنگ سے کنارہ کشی اختیار فرمالی، انہیں میں حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ بھی تھے، جنہوں نے خون مسلم سے اپنا دامن داغدار ہونے سے بچا لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں سے کسی کا ساتھ نہیں دیا اور کسی سے بیعت نہیں کی، چنانچہ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وَ لَمْ يُبَايِعْ لِعَلِيٍّ وَ لَا لِمُعَاوِيَةَ وَ قِيْلَ شَهِدَ صِفِّيْنَ وَ قِيْلَ لَمْ يَشْهَدْهَا وَ هُوَ الصَّحِيْحُ)). [2]

"نہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور نہ ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کی، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے شریک ہوئے اور کچھ کہتے ہیں کہ اس میں شریک ہی نہیں ہوئے، اور یہی صحیح بات ہے۔"

---

① جنگ صفین کی پوری تفصیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حیات و خدمات کے ضمن میں آئے گی۔

② الاستیعاب ۳۹۴/۱، دیکھئے: اسد الغابۃ ۱۷۴/۳

مرویات

ارتداد پھر توبہ کے بعد زیادہ تر غزوات وسرایا اور جنگوں میں شرکت کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کا زیادہ تر وقت محاذوں پر دشمنوں سے لڑتے ہوئے گزرا، اس لئے آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارک میں رہنے کا زیادہ موقع میسر نہ ہوا، غالباً یہی وجہ ہے کہ آپ کی مرویات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ممکن ہے کہ کچھ مرویات آپ کی ہوں، لیکن صحاح ستہ اور مسند احمد میں تو آپ رضی اللہ عنہ کی کوئی روایت موجود نہیں ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((لَمْ يَقَعْ لَهُ رِوَايَةٌ فِي كُتُبِ السِّتَّةِ وَلَا فِي الْمُسْنَدِ الْإِمَامِ أَحْمَدَ)).[1]

اور اس کوتاہ علم کو بھی تلاش وجستجو کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ کی سند سے کوئی روایت نہیں مل سکی۔ واللہ اعلم بالصواب

آخری تمنا

ہمارے حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو اسلام کی محبت نے اس قدر اپنا دیوانہ بنالیا تھا کہ پوری زندگی اللہ کے کلمہ کا بول بالا کرنے اور دین کی روشنی پھیلانے میں دشت وصحرا اور سمندروں کی آبلہ پائی میں گزار دی، اور دل میں کبھی کوئی دنیاوی تمنا اور آرزو نے سر نہیں اٹھایا، کوئی تمنا بھی جاگی تو کیا جاگی کوئی خواہش بھی ہوئی تو کیسی خواہش؟ اور اپنے پروردگار سے مانگا بھی تو کیا مانگا، دعا کی تو کیا دعا کی؟ سنئے اور سر دھنئے:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَاتِمَةَ عَمَلِي الصَّلَاةَ)).[2]

کہ خداوند! مجھے تجھ سے کچھ نہیں چاہیے، بس اتنا کرم ہو جائے کہ جب میری موت آئے تو اس حال میں آئے کہ میرا سر تیرے سامنے سجدہ ریز ہو۔ آفرین ہے اس تمنا پر، صد آفریں اس خواہش پر، بھلا جس نے محبوب کی راہ میں ہزاروں زخم کھائے ہوں، ہزاروں درد سہے ہوں اور پھر اس کے کلام کی کتابت کی، بھلا وہ محبوب اپنے اس عاشق کی دعا کیوں کر

---

① البداية والنهاية ۵/۳۰۵

② اسد الغابة ۳/۱۷۴، دیکھئے: الاستیعاب ۱/۳۹۴

نہ سنتا، اور کیوں نہ اس کی تمنا پوری کرتا، حضرت رضی اللہ عنہ نے فجر کی نماز پڑھی اور ابھی دائیں طرف سلام پھیرا ہی تھا کہ جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔ رضی اللہ عنہ

((فَصَلَّى الصُّبْحَ فَقَرَأَ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولٰى بِأُمِّ الْقُرْآنِ وَالْعَادِيَاتِ وَفِي الثَّانِيَةِ بِأُمِّ الْقُرْآنِ وَسُورَةٍ وَسَلَّمَ عَنْ يَمِينِهِ ثُمَّ ذَهَبَ يُسَلِّمُ عَنْ يَسَارِهِ فَتُوُفِّيَ)).[1]

جان دے دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا (غالب)

تاریخ وفات

آپ رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات میں اہل علم کا اختلاف ہے، بعض اہل علم نے آپ رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات ۳۶ ہجری بعض نے ۳۷ ہجری بتائی ہے، جبکہ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری زمانہ ۵۹ ہجری میں وفات پائی۔[2] لیکن صحیح ترین قول یہ ہے کہ آپ کی وفات ۳۶ ہجری میں ہوئی۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ بڑی وضاحت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ آپ کی وفات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متفقہ طور پر خلیفہ چنے جانے سے پہلے ہی ہو چکی تھی۔

((وَكَانَ وَفَاتُهُ قَبْلَ اِجْتِمَاعِ النَّاسِ عَلٰى مُعَاوِيَةَ)).[2]

غرض کہ آپ رضی اللہ عنہ کی وفات ۳۶ ہجری فلسطین کے شہر عسقلان میں ہوئی، البتہ بعض مورخ کہتے ہیں کہ آپ نے افریقہ میں وفات پائی۔ رضی اللہ عنہ[3]

---

① اسد الغابۃ ۲/۱۷٤، دیکھئے: الاستیعاب ۱/۳۹٤

② البدایۃ والنھایۃ ۵/۳۵، دیکھئے: الاستیعاب ۱/۳۹٤

③ البدایۃ والنھایۃ ۵/۳۰۵، دیکھئے: الاستیعاب ۱/۳۹٤

کتابیات

قرآنیات

① قرآن کریم ـــــــــ
② الاتقان فی علوم القرآن ـــــــــ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (۹۱۱)
③ کشاف ـــــــــ علامہ جار اللہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ
④ بیان القرآن ـــــــــ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
⑤ تفسیر عثمانی ـــــــــ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ
⑥ علوم القرآن ـــــــــ جسٹس حضرت مولانا محمد تقی عثمانی
⑦ روح المعانی فی تفسیر القرآن والسبع المثانی ـــــ علامہ شہاب الدین محمد بن عبد اللہ ابی الثنا آلوسی (۱۲۷۰)
⑧ مناہل العرفان ـــــــــ علامہ عبد العظیم زرقانی
⑨ البرہان فی علوم القرآن ـــــــــ علامہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ
⑩ غرائب القرآن فی رغائب القرآن ـــــ نیشاپوری
⑪ النشر فی قرآت العشر ـــــــــ علامہ ابو الخیر محمد بن الجزری
⑫ الجامع لاحکام القرآن (تفسیر قرطبی) ـــــ ابو عبد اللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی
⑬ تفسیر ابن جریر طبری ـــــــــ علامہ ابن جریر طبری
⑭ تاریخ القرآن ـــــــــ عبد الصمد صارم
⑮ تفسیر القرآن الکریم ـــــــــ علامہ ابن کثیر
⑯ تاریخ القرآن ـــــــــ علامہ کردی
⑰ التفسیر الکبیر ـــــــــ علامہ فخر الدین رازی (۶۳۸)
⑱ زاد المسیر ـــــــــ علامہ ابو الفرج ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ

⑲ معالم التنزیل ______ علامہ بغوی
⑳ الفصل فی الملل والاھواوالنحل ______ علامہ ابن حزم ظاہری
㉑ ترجمہ شیخ الہند ______ مولانا محمود الحسن دیوبندی
㉒ المقتطف فی عیون التفسیر ______ علامہ مصطفیٰ الخیری
㉓ مقالات کوثری ______ علامہ زاہد کوثری (۱۳۷۱)
㉔ اسباب النزول ______ شیخ عبدالرحمٰن بن محمد

حدیثیات

① بخاری شریف ______ امام محمد بن اسماعیل بخاری (۱۹۴-۲۵۶)
② مسلم شریف ______ امام مسلم بن حجاج القشیری (۲۰۴-۲۶۱)
③ ابوداؤد شریف ______ امام ابوداؤد سجستانی
④ ترمذی شریف ______ امام ابوعیسیٰ محمد بن سورہ ترمذی
⑤ ابن ماجہ ______ حافظ ابوعبید محمد بن یزید القروینی
⑥ المستدرک ______ امام ابوعبداللہ حاکم
⑦ مشکوٰۃ المصابیح ______ ابوعبداللہ محمد رحمۃ اللہ علیہ (۷۳۷)
⑧ الکامل ______ علامہ یحییٰ بن شرف نووی رحمۃ اللہ علیہ
⑨ شرح معانی الآثار ______ علی بن زکریا ابن مسعود الحنفی الطحاوی (۶۸۶)
⑩ بیہقی (السنن الکبریٰ) ______ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ
⑪ نسائی ______ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ
⑫ مشکل الآثار ______ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ
⑬ مسند احمد ______ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ
⑭ مجمع الزوائد ______ حافظ نورالدین علی بن بکر الہیثمی (۸۰۷)
⑮ کنزالعمال ______ علامہ علاءالدین المتقی بن حسام الدینؒ الہندی

⑯ فتح الباری ________ علامہ ابن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (۸۵۲-۷۷۳)

⑰ عمدۃ القاری ________ علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ

⑱ فیض الباری ________ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

⑲ حلیۃ الاولیاء ________ امام ابونعیم اصفہانی (۹۴۸/۱۳۳۸)

⑳ تحفۃ الاحوذی ________ حافظ ابو العلا محمد عبد الرحمٰن بن عبد الرحیم مبار کپوری

㉑ اوجز المسالک ________ شیخ الحدیث محمد زکریا

㉒ الزرقانی شرح موطا ________ علامہ زرقانی

㉓ مصنف ابن ابی شیبہ ________ امام ابن ابی شیبہ

㉔ معجم الطبرانی الکبیر ________ امام طبرانی

㉕ معارف السنن ________ علامہ یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

㉖ مرقاۃ المفاتیح ________ ملا علی قاری (۱۰۸۴)

㉗ الدر المنثور ________ علامہ جلال الدین سیوطی

㉘ میزان الاعتدال ________ علامہ ذہبی

㉙ فتح المغیث ________ علامہ سخاوی

㉚ مسند ابوداؤد طیالسی ________ امام ابوداؤد طیالسی

سیر و سوانح

① زاد المعاد فی ہدی خیر العباد ________ علامہ ابن قیم ابن ایوب الجوزی رحمۃ اللہ علیہ

② الرحیق المختوم ________ مولانا صفی الرحمٰن مبار کپوری

③ امتاع الاسماع بما للرسول من الانبیاء . . ____ علامہ تقی الدین احمد بن علی مقریزی

④ التہذیب ________ علامہ ابن عساکر

⑤ السیرۃ النبویہ ________ رزق اللہ احمد

⑥ سیر اعلام النبلاء ________ امام شمس محمد بن عثمان الذہبی

⑦ السیرۃ النبویہ ﷺ ________ علامہ ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ
⑧ تہذیب التہذیب ________ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ
⑨ البدایہ والنہایہ ________ علامہ ابن کثیر عماد الدین اسمٰعیل بن عمر (۷۷۴)
⑩ تقریب التہذیب ________ حافظ ابن حجر عسقلانی
⑪ تاریخ دمشق ________ علامہ ابن عساکر القاسم بن الحسین بہاء الدین
⑫ حیاۃ الصحابہ ________ علامہ یوسف کاندھلوی
⑬ نبی رحمت ﷺ ________ مولانا سید ابوالحسن علی الندوی
⑭ الفاروق ________ علامہ شبلی نعمانی
⑮ طبقات ابن سعد ________ محمد بن سعد
⑯ الکامل ________ علامہ ابن اثیر
⑰ البلاذری ________ بلاذری
⑱ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ________ حافظ ابوعمر یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر النمری القرطبی
⑲ الاصابہ ________ شہاب الدین ابی الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی (۸۵۳)
⑳ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ________ علامہ عزالدین علی بن محمد ابن اثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ)
㉑ قادۃ فتح الشام ومصر ________ محمود شیت خطاب
㉒ الفاروق عمر ________ ڈاکٹر ہیکل
㉓ الفتوحات الاسلامیہ بعد مضی الفتوحات النبویہ ________ السید احمد بن زینی دحلان
㉔ فتح مصر والمغرب ________

متفرقات

① جزیرۃ العرب ________ مولانا محمد رابع حسنی ندوی
② معجم الوسیط ________

③ المنجد فی الاعلام واللغۃ ________ علامہ ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن ابوبکر
④ The World Family Encyclopedia
⑤ ہامش ابن جریر ________ علامہ ابن جریر
⑥ المستصفی ________ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ
⑦ صبح الاعشی ________ علامہ قلقشندی
⑧ تاریخ العرب العام (مترجم) ________ ترجمہ عادل زعیتر
⑨ المکۃ والمدینہ ________
⑩ الیہود فی بلاد العرب ________
⑪ معجم البلدان ________ امام شہاب الدین ابوعبداللہ یاقوت الحمدی
⑫ کتاب مجابی الدعوۃ ________ علامہ ابن ابی الدنیا
⑬ المغنی ________ علامہ ابن قدامہ المقدسی
⑭ اخبار القضاۃ ________
⑮ ہندیہ ________ جماعۃ من علماء ہند
⑯ المدخل ________ امام بیہقی

ضروری یادداشت